تاریخ ابنِ کثیر

البدایہ والنہایہ
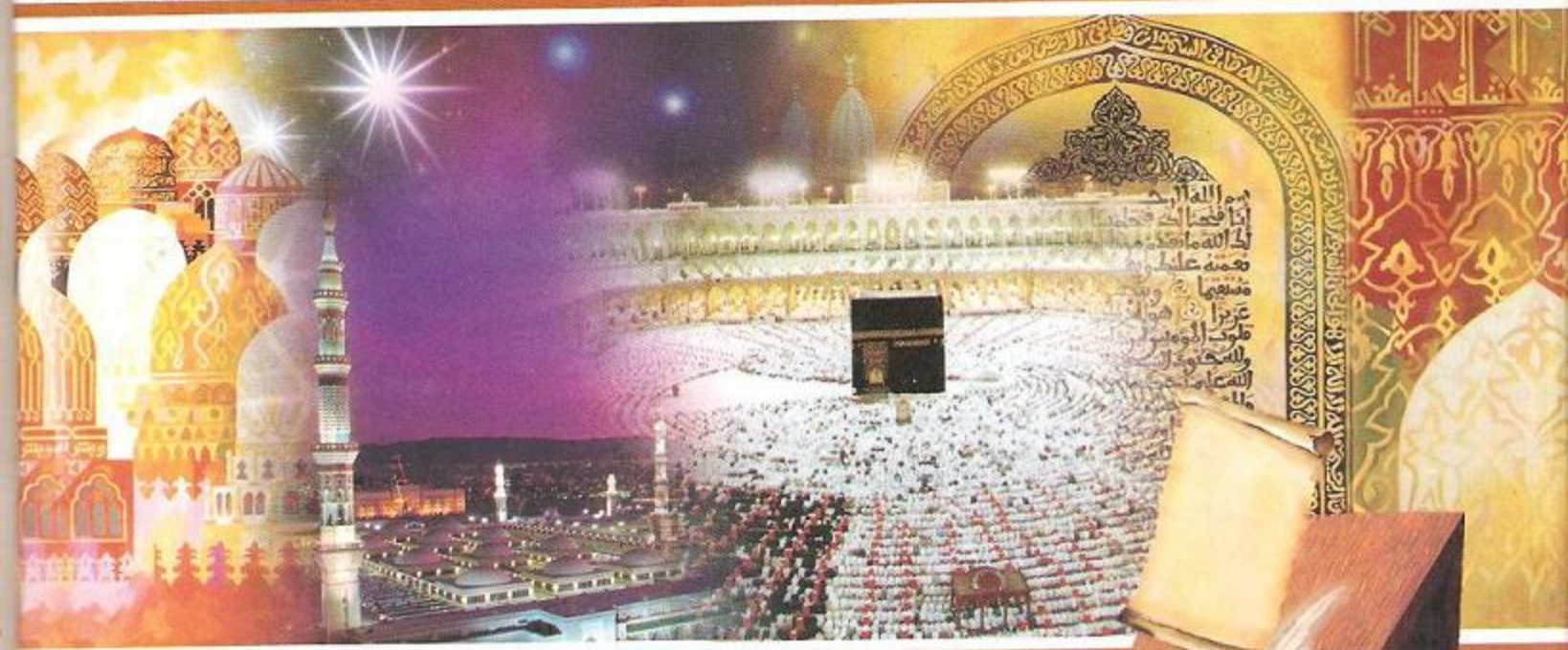
علامہ حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی

نفیس اکیڈمی
اردو بازار کراچی

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ

تاریخ ابن کثیر

شہرہ آفاق عربی کتاب

البدایۃ والنہایۃ

کا اردو ترجمہ

جلد چہارم

تصنیف ❁ آٹھویں صدی ہجری کے نامور مورخ، فقیہ، محدث اور مفسر قرآن

عَلّامہ حافِظ اَبُوالفِدا عمادُ الدّین اِبنِ کَثِیر (۷۰۱ھ۔۷۷۴)

ترجمہ ❁ پروفیسر کوکب شادانی فاضل ادب (عربی)

ایم اے (فارسی) ایم اے (انگریزی) ایم اے (اسلامیات) ایم اے (تاریخ اسلام)

سابق پروفیسر ڈیلی کالج (اندور) فرگوسن کالج (پونا) الفنسٹن کالج (بمبئی)

نفیس اکیڈمی

اردو بازار، کراچی

البِدایة والنَهایة

نام کتاب	....	تاریخ ابن کثیر (جلد چہارم)
مصنف	....	علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر
ترجمہ	....	پروفیسر کوکب شادانی
ناشر	....	نفیس اکیڈیمی۔کراچی
طبع اوّل	....	جون ۱۹۸۷ء
ایڈیشن	....	آفسٹ
ضخامت	....	۲۸۰
ٹیلیفون	....	۷۷۲۲۰۸۰۔021

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سالِ سوم ہجری کے واقعات

غزوۂ ذی امر

سال سوم ہجری کے آغاز میں غزوۂ نجد وقوع پذیر ہوا جسے غزوۂ ذی امر بھی کہا جاتا ہے۔ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ غزوۂ سویق سے واپس مدینے تشریف لائے تو آپؐ نے وہاں ماہ ذوالحجہ کم وبیش پورا گزارا جس کے بعد آپؐ غزوۂ نجد کے ارادے سے غطفان کی طرف تشریف لے گئے۔اسی غزوۂ نجد کو جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا غزوۂ ذی امر بھی کہا جاتا ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس غزوے کے لیے روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے مدینے کی نیابت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی تھی۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے نجد میں ماہ صفر پورا گزارا تھا۔تاہم وہاں کفار سے مقابلے کی نوبت نہیں آئی۔

واقدی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی تھی کہ غطفان اور بنی ثعلبہ بن محارب کا ایک بہت بڑا گروہ جنگ کرنے کے لیے نجد کی طرف آ رہا ہے' اسی لیے آپؐ ان سے مقابلے کے لیے روز پنجشنبہ جب کہ ماہ ربیع الاول ۳ ہجری کے دس دن گزر چکے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا نائب مقرر کر کے خود ہی وہاں سے نجد کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔اس معرکے کے لیے آپ گیارہ روز مدینے سے باہر رہے جہاں چار سو پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔آپؐ مدینے سے روانہ ہو کر ان پہاڑوں کے اوپر سے گزرے اور آگے بڑھ کر پانی کے قریب اس علاقے میں ٹھہرے جسے عرب کے لوگ ''ذوامر'' کہتے تھے۔

وہاں پہنچتے ہی زور کی بارش آ گئی جس سے آپ کا تمام لباس بھیگ گیا' چنانچہ آپؐ نے اپنے اور اپنے ہمراہیوں کے کپڑے خشک ہونے تک وہیں درختوں کے سائے میں قیام فرمایا۔البتہ آپؐ نے وہاں شب بسری کے لیے ایک الگ درخت کا انتخاب فرمایا۔

واقدی مزید بیان کرتے ہیں کہ اُدھر مشرکین کو وہاں کے قیام کی اطلاع ملی تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے اپنے ایک بہادر نوجوان کو جسے غورث بن حارث یا دعثور بن حارث کہا جاتا تھا آپ کی قیام گاہ کی طرف روانہ کیا اور اس سے قسم لے لی کہ وہ آپ کو قتل کیے بغیر نہیں لوٹے گا۔چنانچہ وہ بارش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جب کہ آسمان پر امڈی ہوئی گھٹا کی وجہ سے ہر طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا آپؐ کے پڑاؤ پر پہنچا اور عرب کے کھوجیوں کی طرح کسی نہ کسی طرح آپؐ کے سرہانے پہنچ گیا۔آہٹ سے آپ کی آنکھ کھل گئی تھی۔۔۔وہ تلوار تان کر بولا: اے محمد! اب بتاؤ تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ'' اسی وقت جبرئیل

نے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی حفاظت پر مامور تھے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر آپ کو دے دی جس کے بعد آپؐ نے اسی کی تلوار کھڑے ہو کر اسے دکھائی اور فرمایا: ''اب تو بتا کہ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟''۔ اس نے کہا: ''کوئی نہیں'' پھر دوسری ہی سانس میں بولا:

''اور میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور قسم کھاتا ہوں کہ ابد تک (دشمنوں کی) کوئی جماعت آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتی''۔

اتنے میں آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی طرف دوڑ کر آئے اور پوچھنے لگے: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہوا؟'' آپؐ نے فرمایا: ''تم اس طویل القامت آدمی کو دیکھتے ہو؟ یہ میرے سینے پر سوار ہو کر میرا سر کاٹنا چاہتا تھا لیکن اب اللہ کی وحدانیت اور میری نبوت کا اقرار کر کے داخل اسلام ہو گیا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ یہ خود تو کیا مشرکین کی کوئی جماعت میرے مقابلے میں نہیں آئے گی نیز یہ کہتا ہے کہ یہ اپنی قوم کو واپس جا کر اسلام لانے کی دعوت دے گا۔ واقدی کہتے ہیں کہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ .... الخ ﴾

بیہقی کہتے ہیں کہ اس قسم کا ایک اور واقعہ بھی جسے ''غزوۂ ذات الرقاع'' کہا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا تھا لیکن تاریخ میں ان دونوں واقعات کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔

اگر یہ دونوں غزوات جن میں یکے بعد دیگرے غورث بن حارث کا ذکر کیا گیا ہے ایک ہی ہوتے تو پھر غورث بن حارث کا ذکر دوسرے غزوے میں کیوں آتا جب کہ وہ آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کر کے پہلے ہی مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے ہمیشہ کے لیے آپؐ کے قتل سے ہاتھ اٹھانے کی قسم کھالی تھی؟۔ واللہ اعلم (مؤلف)

غزوۂ فرع

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ غزوۂ ذی امر کی مہم سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مدینے میں ماہ ربیع الاول کم وبیش پورا گزارنے کے بعد ایک روز پھر مشرکین قریش کی جستجو کا قصد فرمایا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس موقع پر آپؐ نے مدینے میں اپنی نیابت کے لیے ابن ام مکتوم کا تقرر فرمایا۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مدینے سے روانہ ہوکر آپؐ نجران تک جو حجاز میں فرع کے قریب معدنی علاقہ ہے تشریف لے گئے اور دس روز مدینے سے باہر رہے۔ واللہ اعلم

بنی قینقاع کے یہودیوں کی مدینے میں اطلاع:

واقدی کا خیال ہے کہ ہجرت کے دو سال بعد جب کہ ماہ شوال نصف گزر چکا تھا سنیچر کے روز آنحضرت ﷺ پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی اور اس میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان سے مراد بنی قینقاع کے یہودی تھے۔

﴿ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَ بَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بنی قینقاع کے یہودیوں سے جنگ کا حکم دیا تھا۔ ابن اسحٰق مزید کہتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے قبل آپ کو مدینے میں قیام پذیر بنی قینقاع کے یہودیوں کی خفیہ حرکات اور ان کی سازشوں کی اطلاع مل چکی تھی لیکن آپؐ نے اس آیت کے نزول کے بعد ان کے خلاف کارروائی کا قطعی فیصلہ فرمایا۔ چنانچہ آپؐ نے انہیں انہی کے بازار میں جمع کر کے ان سے یوں خطاب فرمایا:

''اے گروہ یہود! تم مشرکین قریش کے حال سے عبرت پکڑو جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے غرور کی سزا دی ہے اور تمہارے نبی مرسل (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے ذریعہ خدا نے (میری نبوت کے بارے میں) جو تمہیں خبر دی ہے اس کے مطابق داخل اسلام ہو جاؤ اور اس کے حکم پر عمل کرو''۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر بنی قینقاع کے یہودی یک زبان ہوکر بولے:

''اے محمد (ﷺ) آپ اپنی قوم قریش پر (جنگ بدر میں) غلبہ حاصل کر کے مغرور نہ ہوں کیونکہ وہ لوگ تو حرب وضرب کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں لیکن اگر آپ نے ہم سے مقابلے کا ارادہ کیا تو آپ کو جنگ میں ہماری مہارت اور شجاعت دیکھ کر ہماری مردانگی کا پتہ چل جائے گا''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے یزید بن ثابت کے غلام نے سعید بن جبیرؓ عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ مندرجہ ذیل آیات بھی بنی قینقاع کے بارے میں نازل ہوئی تھیں:

① ﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ　الخ ﴾

② ﴿ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ...... الخ ﴾

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ان سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ بنی قینقاع یہودیوں نے ان پہلے لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس عہد نامے کی خلاف ورزی کی تھی جو آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینے کے غیر مسلم قبائل سے کیا تھا نیز یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے بدر واحد کی لڑائیوں کے موقع پر نہ صرف یہ کہ معاہدے کے مطابق آپ کا ساتھ نہیں دیا تھا بلکہ آپ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن جعفر (بن عبدالرحمٰن) بن مسور بن مخرمہ نے ابی عون کے حوالے سے بیان کیا کہ عرب کی کوئی عورت حلب سے بنی قینقاع کے بازار میں بطور کنیز لائی گئی تھی اور لوگ اسے خریدنے کے لیے وہاں جمع ہو گئے تھے لیکن وہ عورت اپنے منہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کنیز نہیں ہے اور نہ فروخت ہونا چاہتی ہے مگر ایک شخص نے اس کے پیچھے آ کر اس کا نقاب اس طرح کھینچا کہ نہ صرف اس کے بال بلکہ کمر تک برہنہ ہوگئی اور لوگ قہقہے مار کر ہنسنے لگے یہ دیکھ کر کسی مسلمان نے اس عورت کی کمر کا کپڑا نیچے کر دیا اور اس شخص کو تنبیہ بھی کی۔ وہ شخص یہودی تھا اس نے غصے میں آ کر اس مسلمان کو قتل کر دیا جس کے بعد مسلمان اور یہودی مستقل طور پر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ واللہ اعلم

البتہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا جب آنحضرت ﷺ نے بنی قینقاع کے یہودیوں کو مخاطب کر کے انہیں حسب معاہدہ مسلمانوں کے ساتھ صلح صفائی سے رہنے اور داخل اسلام ہونے کے لیے کہا تو انہوں نے جواب میں جو کچھ کہا وہ سطور بالا میں درج کیا جا چکا ہے لیکن جب آپؐ نے ان کے اس ناشائستہ جواب پر مسلمانوں کو ان کے محاصرے کا حکم دیا تو عبداللہ بن ابی سلول جو درحقیقت ان یہودیوں کا سرگروہ اور منافقین میں سرفہرست تھا۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت عاجزانہ طور پر مسلمانوں اور ان یہودیوں دونوں کا خیر خواہ بن کر آپؐ سے ان یہودیوں کو معاف فرما دینے کی درخواست کی۔ اسی طرح عبداللہ بن صامت نے بھی جو بنی عوف میں سے تھے لیکن عبداللہ بن ابی کی طرح بنی قینقاع کے حلیف تھے آپؐ سے ان کی سفارش کی اور عرض کیا کہ اس معاہدے کی رو سے جو آپؐ نے مدینے کے مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ کے درمیان ہمیشہ باہم مصالحت کے لیے کرایا ہے اب بھی فریقین میں مصالحت کرانے کے خدا کے نزدیک بھی پابند ہیں لہٰذا یہودیوں کی گذشتہ حرکات سے چشم پوشی فرما کر ان میں مصالحت کرا دیجیے۔ تاہم مذکورہ بالا اسناد کی رو سے مندرجہ بالا آیات اسی موقع پر نازل ہوئی تھیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ ...... الخ ﴾

ان آیات میں بالترتیب عبداللہ بن ابی اور عبادہ بن صامت کی طرف صاف صاف اشارات کیے گئے ہیں جن کا تفصیلی ذکر ان آیات کے ضمن میں ہم اپنی کتاب تفسیر میں پیش کریں گے ان شاء اللہ۔ (مؤلف)

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی غزواتی مہم

اس مہم پر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اس اطلاع کے بعد بھیجا گیا تھا کہ قریش مکہ کا ایک قافلہ ابوسفیان یا صفوان کی سرکردگی میں زر نقد اور تجارتی مال سے لدا پھندا شام سے مکے واپس آتے ہوئے مدینے کے قریب ہو کر گزرے گا۔

یونس بکیر اور ابن اسحق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ یہ واقعہ بدر کے چھ ماہ بعد کا ذکر ہے ابن اسحق یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس زمانے میں یعنی واقعہ بدر کے بعد سے قریش مکہ کے تجارتی قافلے اہل مدینہ کے خوف سے اس راستے کے بجائے عراق کے راستے سے شام آتے جاتے تھے اور اس راستے میں ان کی رہنمائی بکیر بن وائل کے ایک شخص فرات بن حیان جو بنی سہم کا حلیف تھا کیا کرتا تھا لیکن اب کے مدینے میں اطلاع آئی تھی کہ اہل مکہ کا ایک قافلہ ابوسفیان یا صفوان کی سرکردگی میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا پہلے ہی کے جانے پہچانے راستے کافی مال و زر لے کر عنقریب گزرنے والا ہے۔

چونکہ یہ راستہ واقعہ بدر کے بعد سے اہل مکہ کے تجارتی اور دوسرے قافلوں کے لیے اہل مدینہ کی طرف سے کسی ممکنہ اندیشے کے پیش نظر ممنوعہ قرار دیا جا چکا تھا' اس لیے رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ کو اس قافلے کی روک ٹوک کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ اس کی ایک اور بڑی وجہ یہ تھی کہ اس قافلے کے مدینے کے قریب سے ہو کر گزرنے کی خبر وہاں نعیم ابن مسعود کے ذریعہ پہنچی تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس وقت وہ قافلہ بنی نضیر میں ٹھہر کر داد عیش دے رہا ہے۔ الغرض جب یہ قافلہ مدینے کے قریب سے اپنی دانست میں چپکے چپکے اہل مدینہ کی بے خبری میں گزرنے لگا تو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اچانک اپنے ساتھیوں کو لے کر اس پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے اور اس کا مال ضبط کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس قافلے میں اتنا مال تھا کہ اس کا خمس ہی اندازاً بیس ہزار دینار نکلا جسے نکال کر باقی مال حصہ رسد اس مہم میں شامل افراد میں بطور مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ اس مہم میں قافلے کے دو آدمی گرفتار ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ فرات بن حیان بھی تھا جو اس دفعہ بھی اس تجارتی قافلے کی رہنمائی کر رہا تھا۔ باقی لوگ بچ کر نکل گئے تھے۔ فرات بن حیان گرفتار ہو کر مدینے آیا تو وہاں آ کر مسلمان ہو گیا۔ واقدی کے بقول یہ واقعہ ہجرت کے اٹھائیس ماہ بعد کا ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ اسی سال ماہ ربیع الاول میں ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ کا عقد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا لیکن ان کی رخصتی ماہ جمادی الآخر میں ہوئی تھی۔

مقتل کعب بن اشرف

کعب بن اشرف کا آبائی تعلق بنی طے سے تھا لیکن ان دنوں وہ بنی نبہان کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا جب کہ اس کی ماں بنی نضیر میں سے تھی۔ اس کے بارے میں ابن اسحٰق' بخاری اور بیہقی نے بنی نضیر کے حالات کے ضمن میں جو روایات پیش کی ہیں انہیں متفقہ طور پر صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔

بنی نضیر کا قصہ واقعہ احد کے بعد کا قصہ ہے اور اس کا تعلق حرمت شراب سے ہے جس کا تفصیلی ذکر ہم ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں حسبِ موقع کریں گے۔ جہاں تک کعب بن اشرف یہودی کا تعلق ہے اس کے بارے میں اوپر بتایا جا چکا ہے کہ وہ آبائی لحاظ سے بنی طے سے تعلق رکھتا تھا لیکن جن دنوں کا یہ ذکر ہے وہ بنی تیہان کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا لیکن چونکہ اس کی ماں بنی نضیر میں سے تھی اس لیے بنی نضیر میں اس کی آمد و رفت اکثر رہتی تھی۔

بخاری کعب بن اشرف کے قتل کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ان سے علی بن عبداللہ اور سفیان نے بیان کیا کہ ان میں سے کعب بن اشرف یہودی سے نمٹنے کی ذمہ داری کون لیتا ہے کیونکہ وہ خدا اور اس کے رسول کا بہت بڑا دشمن ہے اور آپ کو اذیت پر اذیت پہنچائے جا رہا ہے۔ آپ کی زبانِ مبارک سے یہ سن کر محمد بن مسلمہ نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ) اگر وہ کسی طرح اپنی سازشوں اور شرارتوں سے باز نہ آئے تو کیا اسے قتل کر دیا جائے؟ محمد بن مسلمہ کے اس سوال کے جواب میں آپؐ نے ''ہاں'' فرمایا تو محمد بن مسلمہ کعب بن اشرف کی تاک میں لگ گئے۔

کہا جاتا ہے کہ غزوۂ ذی امر کے بعد بنی نضیر کے قریب قریب سب لوگ مسلمان ہو گئے تھے لیکن کعب بن اشرف شراب کی حرمت کا حکم آنے کے بعد بھی بنی نضیر میں جا کر شراب نوش کرتا اور انھیں مسلمانوں کے خلاف اکساتا رہتا تھا' وہ کئی بار مکے بھی گیا اور وہاں جا کر ابولہب کے علاوہ صرف ان لوگوں کے پاس قیام کرتا جو مسلمانوں کے سخت خلاف تھے بلکہ بعض مسلم خواتین کے مکانوں پر بھی ان کی اجازت کے بغیر قیام کرتا اور وہیں رات گزار دیتا۔ اس کی ان قبیح حرکات سے مدینے کے مسلمان سخت مشتعل تھے۔ چنانچہ ایک روز محمد بن مسلمہ شب کے وقت ایک دو مسلمانوں کو ساتھ لے کر قبیلہ بنی نضیر میں پہنچے۔ انہیں معلوم تھا کہ کعب بن اشرف کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ لہٰذا انہوں نے سیدھے جا کر اسی مکان پر دستک دی۔ صاحب خانہ باہر نکلا تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ: انہیں کعب سے علیحدگی میں کچھ کہنا ہے' چونکہ بنی نضیر کو مدینے کے مسلمانوں کی طرف سے اب کسی قسم کا خدشہ نہیں تھا اس لیے اس نے کعب کو باہر بھیج دیا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اسے ساتھ لے کر اپنے ہمراہیوں کی معیت میں پہاڑی علاقے کی طرف کچھ دور نکل گئے اور کعب بن اشرف سے اتمام حجت کے لیے کہا کہ ''وہ اپنی خلاف اسلام حرکات سے باز آ جائے''۔ کعب بولا: بس تم مجھے یہی کہنے یہاں تک لائے تھے؟ اس کے بعد اس نے طیش میں آ کر اسلام اور پیغمبر اسلام پر سب و شتم کی بوچھار کر دی۔ چونکہ

اب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا لہٰذا انہوں نے اسے تلوار کے ایک ہی وار میں جہنم رسید کر دیا۔

بیہقی اور بخاریؒ نے بیان کیا ہے کہ بنی نضیر میں واقعہ اُحد کے بعد بھی جب کہ شراب حرام ہو چکی تھی شراب کشید کی جاتی اور پی جاتی تھی بلکہ ایسے ہی ایک موقع پر وہاں ایک مسلمان کو قتل بھی کر دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم

ہم بنی نضیر کے مزید تفصیلی حالات آگے چل کر ان شاء اللہ حسب موقع بیان کریں گے۔ اس کے علاوہ واقعہ بدر کے بعد بنی قینقاع کے کچھ مزید حالات' اوس کے ہاتھوں کعب بن اشرف کے قتل اور واقعہ احد کے بعد خزرج کے ہاتھوں مقتل ابی رافع یہودی تاجر اہل حجاز' بنی قریظہ کے یہودیوں کے واقعات' یوم احزاب اور غزوۂ خندق کا ذکر بھی ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع کریں گے۔

غزوۂ اُحد

احد کی وجہ تسمیہ عموماً یہ بیان کی جاتی ہے کہ جس پہاڑی علاقے میں یہ پہاڑ واقع ہے وہاں دوسرے پہاڑوں کے درمیان یہ اپنی جگہ یکہ وتنہا سب سے الگ اور ممتاز نظر آتا ہے۔ اس لیے اسے اس علاقے کے لوگ ''احد'' کہتے تھے لیکن بعد میں یہ سارا پہاڑی علاقہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔

غزوۂ احد اسی علاقے میں ہجرت کے تیسرے سال ماہ شوال میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ یہ بیان زہریؒ، قتادہؒ، موسیٰ بن عقبہؒ، محمد بن اسحٰق اور مالک کا ہے لیکن ابن اسحٰق نے اس کا وقوع خاص طور پر نصف شوال بتایا ہے اور قتادہؒ اس میں ماہ شوال کے دس دن گزر جانے کے علاوہ سنیچر کے دن کی تخصیص بھی کرتے ہیں۔ مالکؒ اس کا آغاز طلوع سحر کے فوراً بعد بتاتے ہوئے مندرجہ ذیل آیات کے نزول کا وقت بھی بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے بھی ارشاد فرمایا:

﴿ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ .... الخ ﴾

مندرجہ بالا آیات کے ساتھ یہ آیت بھی اسی وقت نازل ہوئی:

﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ .... الخ ﴾

یہاں ہم نے اس ذکر کو مختصراً پیش کیا ہے۔ تاہم اسے ہم نے اپنی کتاب ''التفسیر'' میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔ (مؤلف)

بہرکیف یہاں ہم غزوۂ اُحد کے بارے میں محمد بن اسحٰق اور دوسرے علمائے عصر کے علاوہ محمد ابن مسلم زہری، محمد بن یحییٰ بن حبان، عاصم بن عمر بن قتادہ، حصین بن عبدالرحمٰن بن عمرو ابن سعد بن معاذ وغیرہم کے بیانات کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو درج ذیل ہے۔

غزوۂ بدر میں قریش مکہ کے سرداروں اور اس کے نتیجے میں ان کے اہل خاندان پر جو کچھ حادثہ گزرا تھا وہ اس کے زخم ابھی تک چاٹ رہے تھے کہ ان کے اس تجارتی قافلے پر جو ابوسفیان اور صفوان کی سربراہی میں شام سے لوٹ رہا تھا اور جس کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے ایک نئی بپتا پڑ گئی جس کی وجہ سے وہ واقعہ بدر سے پہلے کی طرح آپس میں پھر مشورہ کرنے لگے تاکہ وہ مسلمانوں سے ایک بار پھر دو دو ہاتھ کر کے اپنے گزشتہ نقصانات کا پورا پورا بدلہ چکا سکیں۔ چنانچہ وہ اس کے لیے ایک بڑی مجلس مشاورت کے بعد جس کا صدر نشین خود ابوسفیان تھا بڑے زور وشور سے تیاری میں لگ گئے۔ تاہم یہ بات مسلمانوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی کیونکہ نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔ اس خبر سے مسلمانوں کی تھوڑی بہت پریشانی فطری تھی۔ اسی لیے ان کی تسلی کے لیے رب العزت نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ ﴾

بہر کیف جیسا کہ مذکورہ بالا راویوں نے بیان کیا ہے قریش مکہ اپنی طرف سے پوری پوری تیاری کر کے آنحضرت ﷺ سے ایک بار پھر جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ پہلے ابوسفیان نے نہ صرف ان لوگوں کو جو مذکورہ بالا قافلے میں مسلمانوں کی زد سے بچ کر مکہ پہنچ گئے تھے اور ان کے حبشی غلاموں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے ابھارا بلکہ اپنے مطیع کنانہ و اہل تہامہ وغیرہ قبائل کو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور ابوعزہ عمرو بن عبداللہ الجمحی کو بلا کر اس سے کہا:

''اے ابوعزہ! تم عرب کے ایک قابل قدر مشہور و معروف شاعر ہو' کیا تم اپنی شعلہ نوائی سے کنانہ اور اہل تہامہ وغیرہ کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے حرارت نہیں پیدا کر سکتے؟''۔

ابوعزہ بے چارہ ایک عیال دار اور مفلوک الحال شخص تھا جو پہلے بھی قریش مکہ کے بہلانے پھسلانے سے جنگ بدر میں شریک ہو گیا تھا اور اس جنگ میں اسیر ہو کر مدینے جا پہنچا تھا لیکن جب اسے نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو رحمتِ عالم نے اس کی عیالداری اور افلاس کے پیش نظر اس پر ترس کھا کر اسے کسی فدیہ کے بغیر رہا کرنے کا حکم دے دیا تھا اور وہ ابھی تک آپؐ کے اس احسان کو نہ بھولا تھا۔ اس لیے اس نے ابوسفیان کو جواب دیا کہ پہلے تو نبی کریم ﷺ نے اس کی عیالداری اور غریبی پر ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا تھا لیکن اس دفعہ مسلمان اسے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے اس نے ابوسفیان سے یہ بھی کہا کہ اسے اپنی جان کی تو پرواہ نہ تھی لیکن اگر اسے قتل کر دیا گیا تو اس کے بعد اس کے بال بچوں کا کیا ہوگا۔ اس کے جواب میں ابوسفیان اور صفوان یک زبان ہو کر بولے:

''ارے تم اپنے اہل وعیال کی طرف سے بے فکر رہو۔ ہم ابھی سے ان کے لیے مال و دولت کے انبار لگائے دیتے ہیں اور اگر تم بفرض محال ہمارا ساتھ دینے میں اپنی جان بھی گنوا بیٹھے تو ہم تمہاری لڑکیوں کو اپنی لڑکیوں کی طرح پالیں گے اور ان کی حفاظت کریں گے''۔

الغرض صفوان اور ابوسفیان کے بہلانے پھسلانے سے ابوعزہ تہامہ پہنچ کر بنی کنانہ کے سامنے اپنے شعلہ آفریں اشعار سے ان میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی آگ بھڑ کانے لگا۔ اسی طرح نافع بن عبد مناف بن وہب بن حذافہ بن جمح بنی مالک بن کنانہ کے لوگوں میں جا کر اپنے شعلہ خیز اشعار سے انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارنے لگا۔

اس کے علاوہ مذکورہ بالا راویوں اور دیگر باخبر لوگوں کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جبیر ابن مطعم نے اپنے حبشی غلام وحشی کو جس نے حبشہ میں دور سے نشانے پر خنجر پھینکنے کی مشق اور اس میں مہارت حاصل کی تھی بلایا اور اس سے کہا:

''اگر تو نے مسلمانوں سے آئندہ جنگ میں محمد (ﷺ) کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب اور ساتھ ہی میرے چچا طعیمہ بن عدی کو قتل کر دیا تو تجھے سارے عرب میں سب سے بڑا نشانہ باز اور بہادر سمجھا جائے گا''۔

مذکورہ بالا اہل علم وخبر راوی مزید بیان کرتے ہیں کہ قریش مکہ کے معززین میں جو لوگ حبشیوں کا ایک بڑے گروہ اور مکمل سامان جنگ کے ساتھ خود قریش کے جوانوں کے گروہ در گروہ لے کر اور انہی میں اہل تہامہ و بنی کنانہ کو ملا کر مکے سے مدینے پر حملہ

آور ہونے کے لیے اُحد کی طرف روانہ ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

ابوسفیان بن حرب (قائد لشکر قریش) ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ عکرمہ بن ابوجہل اور اس کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام بن مغیرہ حارث بن ہشام اور اس کی بیوی فاطمہ بنت ولید ابن مغیرہ صفوان بن امیہ اور اس کی بیوی برزہ بنت مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفیہ عمرو بن عاص اور اس کی بیوی ریطہ بنت منبہ بن حجاج۔

ان کے علاوہ بعض مؤرخین نے کچھ اور لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جو اپنی بیویوں کو ساتھ لے کر مکے سے احد کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ وحشی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند کے ساتھ ساتھ تھا اور وہ اسے تمام راستے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے جوش دلاتی اور بار بار یاد دہانی کراتی آئی تھی جب کہ ابوسفیان اور صفوان وغیرہ اپنے ساتھیوں میں سے ہر شخص کو جنگ کی ترغیب دیتے اور میدان جنگ سے فرار کے خلاف نصیحت کرتے آئے تھے۔

راوی کہتا ہے کہ قریش کا یہ لشکر مکے سے روانہ ہو کر بڑھتے بڑھتے مدینے کے بالکل سامنے اس وادی کے کنارے آ کر رُکا جہاں دو پہاڑی چشمے تھے۔

جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قریش کے اس لشکر کی آمد اور پڑاؤ کی خبر ملی تو آپؐ نے اسے نیک فالی فرما کر مسلمانوں سے مزید فرمایا کہ آپؐ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آپ گائے ذبح کر رہے ہیں آپ کی تلوار کے قبضے میں روشن ترین ہیرا جڑا ہوا ہے اور جب آپؐ ایک سنگلاخ علاقے طے کر کے آگے بڑھے تو آپؐ کے سامنے مدینہ تھا۔ اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے بخاری و مسلم کے علاوہ جملہ محدثین نے ابی کریب ابی اسامہ بریدبن عبداللہ بن ابی بردہ ابی بردہ اور ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے حوالے سے اس کی جملہ تفصیلات بیان کی ہیں اور بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب بیان فرماتے ہوئے مسلمانوں کو مکے سے اپنی ہجرت سے لے کر مدینے میں اپنی تشریف آوری پھر جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مسلمانوں کی فتح اور آخر میں گائے کو ذبح کرنے اور اپنی تلوار کے قبضے میں بے حد چمک دار ہیرے کی موجودگی اور ایک سنگلاخ علاقے سے گزر کر مدینے کی سرسبز و شاداب سرزمین میں اپنے داخلے کو رویائے صادقہ کے ذریعہ خیر و برکت کی بشارت بتایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ خواب غزوۂ احد میں کفار پر مسلمانوں کی فتح کا صاف اشارہ ہے جو انہیں جنگِ بدر کے بعد حاصل ہونے والی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر مسلمانوں میں جوش و خروش پیدا ہوا خصوصاً وہ لوگ جو کسی عذر کی بنا پر جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اس پر اپنی ندامت کے ساتھ قریش کے خلاف اس جنگ میں شرکت کے لیے مستعدی کا اظہار کرنے لگے۔

بیہقی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے موقع پر اپنی تلوار ذوالفقار پر دھار رکھوا کر اسے صیقل بھی کرایا تھا اور اس کی چمک دمک واقعہ احد تک اسی طرح برقرار تھی۔ بیہقی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ وہ چند مسلمان جو جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اب احد کے قریب کفار کے پڑاؤ اور ان کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جنگ کی تیاری کی خبر سن کر باغ باغ ہو گئے تھے۔

مسلمانوں میں سے اکثر اہل الرائے کا مشورہ یہی تھا کہ دشمن سے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا جائے تاکہ وہ مدینے کے نزدیک نہ آسکے۔ چنانچہ اتفاق رائے سے یہی طے پایا۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو دشمن سے مقابلے کی اجازت دے دی تو سب اس کی تیاری میں فوراً مشغول ہو گئے۔ جن مسلمانوں نے سب سے زیادہ دشمن سے مقابلے کا اشتیاق ظاہر کیا ان میں پیش پیش حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ تاہم جب آنحضرت ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ قریش سے مقابلے کے لیے مدینے سے احد کی طرف روانہ ہوئے تو سب سے آگے وہ لوگ تھے جنہیں غزوۂ بدر میں شرکت کا موقع نہ مل سکا تھا۔

جب نبی کریم ﷺ احد کی جانب بڑھے تو اس وقت آپؐ کے ہمراہ ایک ہزار مسلمانوں پر مشتمل جماعت تھی جب کہ قریش کے لشکر کی مجموعی تعداد تین ہزار تھی لیکن جب آپؐ احد کے مقام پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی ابن سلول اپنے تین سو ساتھی لے کر مسلمانوں سے علیحدہ ہو گیا۔ بیہقی نے احد میں باقی مسلمانوں کی یہی تعداد یعنی سات سو بتائی ہے لیکن زہری سے منقول ہے کہ آخر میں ان مسلمانوں کی مجموعی تعداد جو قریش کے مقابلے کے لیے احد میں باقی رہ گئے تھے صرف چار سو تھی۔ واللہ اعلم

موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ مشرکین قریش میں جنگ اُحد کے موقع پر ان کے ساتھ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ان کی قیادت کر رہے تھے اور ان کے لشکر میں سو گھوڑے تھے اور ان کا پرچم عثمان بن طلحہ کے پاس تھا۔ مسلمانوں کے پاس گھوڑے کے نام سے ایک سواری بھی نہ تھی۔ اس کا تفصیلی حال ہم ان شاء اللہ آگے چل کر بیان کریں گے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے مدینے میں اپنا خواب بیان فرمایا تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو لوگ چاہیں مدینے میں ٹھہریں اور جو لوگ چاہیں آپؐ کے ساتھ کفار سے مقابلے کے لیے باہر چلیں اور اس کے بعد آپؐ نے لباس حرب زیب تن فرما لیا۔ عبداللہ بن ابی ابن سلول جو پہلے ہی لیت ولعل میں تھا آپؐ کے اس ارشاد سے دل میں بہت خوش ہوا اور اس نے آپؐ سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کے نزدیک یہی بہتر ہوگا کہ مدینے میں ہی ٹھہرا جائے اور جب دشمن مدینے پر حملہ کرے تو شہر کے اندر ہی رہ کر اس کا مقابلہ کیا جائے لیکن کفار سے جنگ کے لیے مسلمانوں کا جوش وخروش اس درجہ بڑھ چکا تھا کہ وہ سب کے سب مدینے سے باہر نکل کر میدان میں ان کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے خصوصاً' جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا' وہ لوگ جنہیں جنگِ بدر میں شرکت کا موقع نہیں مل سکا تھا اس کے لیے حد سے زیادہ بے تاب تھے' راوی کہتا ہے کہ جب مسجد میں نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے تو بعد نماز ایک شخص نے آپؐ کے قریب آ کر عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) اگر آپ کا حکم ہو تو مدینے میں ٹھہریں گے لیکن ہماری تمنا ہے کہ دشمن سے مقابلے کے لیے باہر جایا جائے' ویسے بھی آپ لباس حرب زیب تن فرما چکے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بھی میدان میں تشریف لے جا کر کفار سے مقابلے کو پسند فرماتے ہیں' لہٰذا ہماری گزارش ہے کہ آپ ہمارے لیے مدینے سے باہر نکل کر ان سے مقابلے کا حکم صادر فرمائیں''۔

جملہ راویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے متفقہ فیصلے کے بعد مدینے میں محصور رہ کر کفار کو وہاں تک [illegible] کا موقع [illegible] نہیں [illegible] نا چاہتے تھے جس کا اظہار آپ کی طرف سے اس وقت ہی ہو چکا تھا جب آپؐ نے مسلمانوں سے اپنا

خواب بیان فرما کر انہیں دشمن پر فتح کی بشارت دی تھی جس کی تائید میں مندرجہ بالا ارشاد ربانی بھی پیش کیا جا چکا ہے لیکن آپ آخر تک یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ مسلمان اس سلسلے میں کسی تذبذب کا شکار تو نہیں ہیں۔ چنانچہ جب آپ کو عامۃ المسلمین کے جذبات سے اس سلسلے میں بخوبی آگاہی ہوگئی جس کا ذکر اوپر کیا گیا تو آپ نے ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا نائب مقرر فرما کر اور کچھ لوگ شہر کی حفاظت کے لیے ان کے پاس چھوڑ کر باقی لوگوں کو مدینے سے روانگی کا حکم صادر فرما دیا۔ تاہم عبداللہ بن ابی ابن سلول نے پہلے تو اپنے پہلے مشورے پر زور دے کر مدینے ہی میں قیام پر اصرار کیا لیکن مسلمانوں کے جوش وخروش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور آپؐ کے حکم کے پیش نظر وہ بھی اپنے ہم رائے لوگوں کا گروہ لے کر مدینے سے احد تک آپؐ کے ہمراہ بظاہر مشرکین سے مقابلے کے لیے آیا لیکن وہاں کفار کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے کئی گنا زیادہ دیکھ کر اسے اپنی پچھلی رائے پر اصرار کا دوبارہ موقع مل گیا اور وہ یہ کہہ کر دشمن کے اس کثیر التعداد لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کی شکست یقینی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معذرت کے بغیر اپنے تین سو ساتھی لے کر مدینے واپس چلا گیا۔

عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھی یقیناً اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل ارشادات کے صحیح مصداق تھے:

﴿ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوْا وَ قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ .... الخ ﴾

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق یہ بھی پہلے ہی فرما دیا تھا:

﴿ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ﴾

اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی صداقت عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں جیسے منافقین کے احد میں طرز عمل سے ظاہر ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی ان منافقین کی امداد سے مستغنی فرما چکا تھا۔ (مؤلف)

بہرکیف مدینے کے جملہ انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں آپؐ کے ہمراہ مدینے سے احد آ گئے تھے۔ انہوں نے مدینے کے ان یہودیوں کی جو ان کے حلیف تھے ان کا ساتھ دینے یا نہ دینے کی بھی پروا نہیں کی تھی اور انہوں نے ان سے صاف کہہ دیا تھا کہ:

''ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے''۔

عروہ بن موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے احد سے واپس چلے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی سلمہ اور بنی حارثہ کو پہلے سے ثابت قدمی بخشی جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ .... الخ ﴾

جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ:

''وہ لوگ جن کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ فرمائے کہ ﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ﴾ کس طرح (دشمن کے مقابلے سے) پیچھے ہٹ سکتے ہیں؟''۔

ان کے بارے میں اس کی تفصیل صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں جابر بن عبداللہ ہی کے حوالے سے پیش کی گئی ہے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مدینے سے روانگی کے بعد احد سے پہلے بنی حارثہ کی بستی میں ٹھہرے جہاں داخل ہوتے ہی ایک وحشی گھوڑا آپ کے پیچھے لگ گیا لیکن کلاب نے اپنی تلوار نکال کر اسے ہٹانے کے لیے اس پر حملہ کرنا چاہا تو آپؐ نے فرمایا:

''اپنی تلوار کو ابھی سے کیوں استعمال میں لاتے ہو ابھی تو اسے بہت سی تلواروں کا سامنا کرنا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں''۔ (ترجمہ تشریحی)

جب آنحضرت ﷺ بنی حارثہ کی بستی میں پہنچے تو آپؐ نے وہاں کے کچھ لوگوں کے سامنے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ وہ دیکھیں کہ اس بستی سے کون کون ان کے ساتھ کفار کے مقابلے کے لیے جانا چاہتا ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر بنی حارثہ بن حارث کے بھائی ابوخیثمہ نے مؤدبانہ عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) اس کے لیے سب سے پہلے میں حاضر ہوں''۔

ابوخیثمہ کی زبان سے یہ سن کر آپؐ نے اظہار مسرت فرمایا اور پہلے انہی کے مکان کی طرف چلے جس کے راستے میں ایک چھوٹا سا قطعہ اراضی پڑتا تھا۔ جب آپؐ وہاں سے گزرنے لگے تو مربع بن قیظی نے جس کی ملکیت وہ قطعہ اراضی تھا آپؐ کے قدموں کی آہٹ سن کر چیخ کر پوچھا ''کون ہے؟'' اس کے اس سوال کے جواب میں کسی نے کہا: ''رسول اللہ (ﷺ)'' مربع بن قیظی نابینا تھا اس لیے وہ آپ کو دیکھ نہیں سکا تھا۔ پھر بھی وہ غصے سے بولا: ''اگر (نعوذ باللہ) تو نبی (رسول اللہ) ہوتا تو (مجھے بتائے بغیر) اس زمین سے جو میری ملکیت ہے کس طرح گزر سکتا تھا؟''۔ اس کی یہ زبان درازی' گستاخی اور بے ادبی دیکھ کر لوگوں نے چاہا کہ اسے قتل کر دیں لیکن آپؐ نے انہیں روک کر ارشاد فرمایا: ''اسے قتل نہ کرو' یہ کورچشم ہی نہیں کور باطن بھی ہے''۔ ابن اسحٰق کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ مربع بن قیظی نے آپ کو اس بے ادبی کے ساتھ گستاخانہ انداز میں مخاطب کرنے سے پہلے آپؐ پر اور آپؐ کے ہمراہیوں پر زمین سے مٹی اٹھا کر پھینکی تھی' ابن اسحٰق یہ بھی کہتے ہیں کہ ان سے کسی نے یہ بھی کہا تھا کہ مربع بن قیظی کے ہاتھ میں اس وقت مٹی کا ایک ڈھیلا تھا اور اس نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے کہا تھا:

''اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ ڈھیلا کسی اور کے بھی لگ سکتا ہے اور میں تیرا منہ دیکھ سکتا تو اسے سیدھا تیرے منہ پر کھینچ مارتا''۔

تاہم جب کچھ لوگ اس کی اس انتہائی کمینی اور ناقابل برداشت حرکت پر اسے قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے تو آپؐ نے اپنی فطری بردباری اور نرم مزاجی کی بناء پر انہیں روک دیا۔ البتہ بنی عبدالاشہل کے بھائی سعد بن زید رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کی شان میں مربع کی یہ گستاخی برداشت نہ ہوئی اور انہوں نے آپؐ کے روکتے روکتے اس کے سر پر اپنی کمان سے ضرب لگا ہی دی جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ بنی حارثہ کی بستی سے روانہ ہو کر جب آپؐ احد کے پہاڑی علاقے میں پہنچے تو آپؐ نے بنی قیلہ کی زرعی زمین سے کسی قدر دور ایک پہاڑ کے دامن میں مسلمانوں کو پڑاؤ کا حکم دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ آپ کی اجازت کے بغیر دشمن

سے جنگ نہ کی جائے جب کسی نے آپ سے عرض کیا کہ آیا وہ جگہ مسلمانوں کے پڑاؤ کے لیے مناسب تھی جب کہ دشمن کی کمین گاہ سامنے ہے اور سارا اسلامی لشکر اس کی زد میں ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''کیا کفار کی طرح ہم بھی بنی قیلہ کی زرعی زمینیں روند کر اپنے پڑاؤ کے لیے اس سے بہتر جگہ تلاش کریں؟''۔

تاہم آپ نے مسلمانوں کو کسی بڑی پہاڑی پر پڑاؤ کی اس تنبیہ کے ساتھ اجازت دے دی کہ وہاں تک پہنچنے کے لیے خواہ کتنا ہی طویل چکر نہ کاٹنا پڑے لیکن قریب کی کسی بستی کی کھیتیوں کو کسی حالت میں ہرگز پامال نہ کیا جائے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ احد میں جب آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو مشرکین سے جنگ کی اجازت دی تو اس وقت اسلامی لشکر میں مجاہدین کی تعداد صرف سات سو تھی جب کہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا بعض راویوں نے ان کی تعداد صرف چار سو بتائی ہے اور یہ کہ لشکر کفار کے سپاہیوں کی تعداد تین ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔

آنحضرت ﷺ نے اس روز بنی عمرو بن عوف کے بھائی عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو جو سفید لباس میں ملبوس چالیس مسلمان تیراندازوں کی قیادت کر رہے تھے حکم دیا کہ وہ اپنی کمین گاہ کسی ایسی جگہ بنائیں جہاں دشمن ان پر دائیں بائیں یا آگے پیچھے سے حملے کے لیے آسانی کے ساتھ نہ پہنچ سکیں اور جب تک دوسرا حکم نہ دیا جائے وہاں سے نہ ہٹیں۔ آپ کے اس حکم کی مستند روایت ہم ان شاء اللہ آگے چل کر صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) سے حسب موقع پیش کریں گے۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے روز آنحضرت ﷺ کے جسم مطہر پر ایک کے اوپر ایک دو زرہیں تھیں اور آپ نے اپنا علم بنی عبدالدار کے بھائی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن مسلمان لڑکوں کو ان کی صغرسنی کی وجہ سے غزوۂ احد میں شرکت سے روک دیا تھا ان میں جیسا کہ صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں درج ہے' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود بتاتے ہیں کہ آپ نے انہیں اور اسامہ بن زید' زید بن ثابت' براء بن عازب' اسید بن ظہیر اور عرابہ بن اوس بن قیظی رضی اللہ عنہم کو غزوۂ احد میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی لیکن غزوۂ خندق کے موقع پر جب ان کی عمر پندرہ سال ہو چکی تھی تو انہیں اس میں شرکت کی اجازت دے دی تھی۔ اس کا ذکر ابن قتیبہ اور سہیلی نے بھی کیا ہے۔ خود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما غزوۂ خندق کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شعر (عربی سے منظوم ترجمہ)

''میں نے سر پہ جہاں پرانت رکھی دائیں جانب مرے عرابہ تھے''۔

سہیلی کہتے ہیں کہ جن لڑکوں کو آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر میں شرکت سے روک دیا تھا ان میں ابن سعید بن خیثمہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ تاہم غزوۂ خندق میں ان سب کو شرکت کی اجازت دے دی گئی تھی۔ سہیلی بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما کو آنحضرت ﷺ نے ان کے چھوٹے چھوٹے قد دیکھ کر جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی اگرچہ ان دونوں کی عمریں بھی پندرہ سال ہو چکی تھیں لیکن جب آپ کو اس بارے میں بتایا گیا اور یہ بھی عرض کیا گیا کہ سمرہ رضی اللہ عنہ پنجوں کے بل کھڑا ہو کر رو رہا ہے اور اس کے پیچھے رافع رضی اللہ عنہ بھی پنجوں پر کھڑے ہو کر اپنا قد نسبتاً اونچا دکھانے کی کوشش

کررہا ہے اور جنگ میں شرکت کے لیے بے تاب ہے تو آپؐ نے ان دونوں کو بھی اجازت دے دی تھی۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ احد میں کفار کے لشکریوں کی تعداد تین ہزار تھی اور ان کے ساتھ دوسو اسپ سوار تھے جنہیں لشکر کے میمنہ (دائیں بازو) اور میسرہ (بائیں بازو) دونوں پر برابر برابر رکھا گیا تھا اور میمنہ کی قیادت خالد ابن ولید کے سپرد تھی جب کہ علرمہ بن ابی جہل بن ہشام کو میسرہ پر رکھا گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے روز اپنی ایک تلوار مجاہدین اسلام کو دکھا کر ارشاد فرمایا: ''اس تلوار کو اس کا حق ادا کرنے کے لیے کون لینا چاہتا ہے؟'' یہ سن کر بہت سے لوگ آگے بڑھے لیکن آپؐ نے تلوار ان میں سے کسی کو نہ دی۔ یہ دیکھ کر ابودجانہ سماک بن خرشہ (بنی ساعدہ کے بھائی) اٹھ کر آپؐ کے سامنے آئے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) اس تلوار کا حق کیا ہے؟'' آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اس کا حق یہ ہے کہ جب کوئی مجاہد یہ تلوار لے کر دشمن کی کسی صف میں گھسے تو اس طرح لڑے کہ لڑتے لڑتے یہ تلوار ٹیڑھی ہو جائے''۔

ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے بے دھڑک مگر مؤدبانہ عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) اس تلوار کا یہ حق ان شاء اللہ میں ادا کروں گا'' ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سنتے ہی آپؐ نے اپنی وہ تلوار ان کے حوالے کر دی۔

ابن اسحٰق نے اس واقعے کے بارے میں اپنی روایت تفصیلاً بیان کی ہے۔ مسلمؒ ابی بکر اور عفان کے حوالے سے اس واقعے سے متعلق روایت پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے آپ کی وہ تلوار لیتے ہی لشکر کفار کی اگلی صفوں میں گھمسان کی دست بدست جنگ کے لیے انہیں چیرتے ہوئے بہت دور تک چلے گئے تھے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ بہت بہادر شخص تھے اور ان کی وردی پر ایک امتیازی سرخ نشان چمکتا رہتا تھا جس کی وجہ سے جنگ میں انہیں پہچان لینا آسان ہوتا تھا لیکن جہاں کوئی دشمن انہیں پہچان کر قتل کرنے کے لیے ان کی طرف بڑھتا تھا وہ خود آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں اسے دو ٹکڑے کر دیتے تھے اور فخر سے سربلند کیے دشمن کی اگلی صفوں میں گھستے چلے جاتے تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے غلام عبداللہ بن اسلم نے انصار بنی سلمہ کے ایک شخص کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آنحضرت ﷺ سے ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی فخریہ رجز کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کو (اپنے بندوں کے) فخر وتبختر ناپسند ہیں لیکن اس کے نزدیک ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی یہ فخریہ رجز قابل معافی ہے اور اس کی وجہ اس کا دشمن کے سامنے حسب موقع ہونا ہے''۔ (تشریحی ترجمہ)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ غزوۂ احد میں ابوسفیان نے اپنے لشکر کے ان علمبرداروں سے جن کا تعلق بنی عبدالدار سے تھا جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے بطور خاص یہ بھی کہا تھا:

''اے بنی عبدالدار تم نے غزوۂ بدر میں اپنے علم خود ہی سرنگوں کر کے ان کی توہین کی تھی لیکن آج یہ دیکھنا ہے کہ تم ان کی عزت وتوقیر کا حق کہاں تک ادا کرتے ہو''۔

اس کے جواب میں ان علمبرداروں نے ابوسفیان سے کہا تھا:

''ہم ان کی عزت وتوقیر تسلیم کرتے ہیں' آپ کل دیکھ لیں گے کہ ہم نے اس کا کہاں تک لحاظ رکھا ہے''۔

ابوسفیان کے ان الفاظ سے احد میں اس کے حتمی ارادے کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی بیوی اس جنگ میں مردوں کے پیچھے ان عورتوں کے ساتھ جنہیں وہ اسی غرض سے اپنے ساتھ لائی تھی دف بجا بجا کر ان مردوں کو جنگ پر ابھار رہی تھی اور عورتوں کا وہ غول بھی اسی کی طرح دفوف بجا بجا کر اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔ ہندا پنے لشکریوں کو جنگ کی ترغیب دینے کے لیے شعلہ انگیز اشعار بھی پڑھتی جاتی تھی جن کا اقتباس کچھ مؤرخین نے اپنی کتب تواریخ میں درج بھی کیا ہے۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں بڑی بہادری کا ثبوت دیا تھا۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ انہیں متعدد باخبر لوگوں نے بتایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ احد میں کفار سے جنگ کے لیے اپنی ایک تلوار عطا فرمائی تھی تو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں سے کہا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کا بیٹا ہوں اور اس رشتے سے آپ کا بہت قریبی عزیز ہوں لیکن آپؐ نے اپنی ایک تلوار میری بجائے نہ جانے کیوں ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی؟ تاہم سب جانتے ہیں کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس تلوار کا نہ صرف غزوۂ احد میں حق ادا کیا بلکہ ساری زندگی مرتے مرتے اس کا اس طرح حق ادا کرتے رہے جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا تھا۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد میں ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ مشرکین قریش میں جس سے بھی ہوا انہوں نے اسے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑا۔ ابن اسحٰق متعدد مستند حوالوں کے ذریعہ مزید بیان فرماتے ہیں کہ اسی دوران میں ان کا مقابلہ مشرکین قریش کے ایک ایسے ماہر جنگجو سے ہوا جو اپنے مقابل کو قتل یا کم سے کم مہلک طور پر زخمی کیے بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اس پر تلوار سے حملہ کیا تو اس نے ان کا وار خالی دے کر ان کے سر پر اپنی فولادی ڈھال مارنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اپنا سر بچاتے ہوئے دوسرے ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

شعبہ اور اسرائیل دونوں نے ابی اسحٰق اور ہند بنت خالد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ہند بنت عتبہ کے سر پر وار کرنے کے لیے تلوار بلند کی تھی لیکن پھر نہ جانے کس خیال سے انہوں نے اپنی تلوار نیچی کر لی تھی۔

شعبہ اور اسرائیل کی بیان کردہ یہ بات میں نے کسی اور سے کبھی نہیں سنی۔ واللہ اعلم (مؤلف)

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی تلوار سے ان کا کوئی مقابل شاید ہی کبھی اپنی جان سلامت لے گیا ہو' لیکن جب کوئی عورت ان کے سامنے آئی تو وہ خواہ ان سے دودو ہاتھ کرنے پر آمادہ ہی کیوں نہ ہو انہوں نے اس کے خون سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشی ہوئی تلوار کو آلودہ کرنا ہمیشہ اس تلوار کی عظمت وکرامت کی توہین سمجھا۔
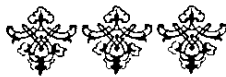
مقتل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حمزہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں لشکر کفار سے جنگ کرتے ہوئے پہلے ارطات بن عبد شرجیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار کو قتل کیا جو مشرکین کے لشکر کے علم داروں میں سے ایک تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مشرکین کے ایک دوسرے علمدار عثمان بن ابی طلحہ کو بھی تلوار کے ایک ہی وار سے قتل کر دیا۔ پھر وہ سباع بن عبدالعزیٰ غشانی کی طرف بڑھے اور اس سے بولے: اے ابن مقطعہ البظور ذرا میرے نزدیک تو آ کر دیکھ۔ سباع کی ماں ام انمار شریق بن عمرو بن وہب ثقفی کی کنیز تھی اور وہ مکے ہی میں رہ گئی تھی۔ جب سباع حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قریب ان پر حملہ کرنے کے ارادے سے آیا تو انہوں نے اسے بھی ایک لمحے میں قتل کر دیا حالانکہ سباع بڑا اجری جنگجو سمجھا جاتا تھا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسی طرح مشرکین قریش کی صفوں پر صفیں الٹتے چلے گئے۔ مؤرخین نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کا یہ بیان نقل کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس نے کہا کہ:

''میں نے دیکھا کہ حمزہ (رضی اللہ عنہ) قریش کی صفوں میں گھستے چلے جاتے تھے اور وہ اپنی تلوار جدھر کرتے ان کے سامنے قریش ایسے لگتے تھے جیسے وہ کاغذی انسان ہوں اور کسی مست اونٹ سے ڈر کر اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہوں''۔

اس نے مزید بیان کیا کہ ''میں نے یہ دیکھ کر انہیں قتل کرنے کی دل میں ٹھان لی اور اپنا خنجر ان کی طرف اس وقت پھینکا جب وہ اس جگہ کے قریب آ گئے جہاں میں ان کی گھات میں بیٹھا تھا۔ میں نے اس طرح خنجر اندازی کی مشق ومہارت حبشہ میں حاصل کی تھی اور میرا اب نشانہ شاذ ونادر ہی خطا جاتا تھا۔ چنانچہ میں نے نشانہ لے کر اپنا خنجر حمزہ (رضی اللہ عنہ) کی طرف پھینکا اور دیکھا کہ میرا نشانہ خالی نہیں گیا تھا۔ وحشی نے آخر میں بیان کیا کہ اس نے یہ تو نہیں دیکھا کہ اس کا پھینکا ہوا خنجر حمزہ رضی اللہ عنہ کے سینے میں جا کر لگا تھا یا ان کے حلقوم پر۔ ویسے اس نے ان کے سینے کا نشانہ لیا تھا۔ اس نے بتایا کہ خنجر لگتے ہی حمزہ رضی اللہ عنہ جھکے اور جھکتے چلے گئے اس لیے اس نے سمجھ لیا کہ اس کا مقصد پورا ہو چکا ہے اس لیے وہ مسلمانوں کے حملے سے بچنے کے لیے اپنی پہلی جگہ سے ہٹ کر قریش کی پچھلی صفوں میں چلا گیا اور پھر ایسا روپوش ہوا کہ کسی مسلمان کی جنگ کے آخر تک مجھ پر نظر نہ پڑی۔ اس نے بیان کیا کہ جنگ احد کے اختتام پر وہ مکے چلا گیا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو وہ وہاں سے بھاگ کر یمن چلا گیا۔ وہاں اس سے کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو معاف فرما دیا ہے اس لیے اب وہ کسی کے قتل کا حکم نہیں دیں گے۔ یہ سن کر وہ آپ کی خدمت میں مدینے حاضر ہوا اور اپنی اس سنگین ترین خطا کی معافی کا طالب ہو کر مسلمان ہو گیا۔ وحشی نے مزید بیان کیا کہ آپ نے جب اس سے دریافت فرمایا تھا: ''تو وحشی ہے؟'' تو وہ خوف سے لرزنے لگا تھا کہ آپ اسے اپنے چچا کے قاتل ہونے کی وجہ

[illegible]

اسے معاف کر دیا لیکن یہ بھی فرمایا:

''جا تو اب مدینے سے کہیں اور چلا جا اور مجھے کبھی اپنا منہ نہ دکھانا''۔

چنانچہ وہ مدینے سے حمص چلا گیا تھا اور جب وہاں سے پوچھا گیا کہ اس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو کس طرح قتل کیا تھا تو اس نے وہی بیان کیا جس کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔ اس روایت کو متعدد مستند وثقہ روات نے بیان کیا ہے۔

ایک مشہور روایت یہ ہے کہ وحشی نے جنگ یمامہ کے موقع پر اپنا وہی حربہ یعنی آزمودہ خنجر سہواً ابودجانہ رضی اللہ عنہ پر پھینکا تھا لیکن وہ بال بال بچ گئے تھے اور اس کا پھینکا ہوا خنجر مسیلمہ کذاب (نبوت کا جھوٹا دعوے دار) کے جا لگا تھا جسے قتل کرنے کے لیے ابودجانہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ رہے تھے۔ بعد میں وحشی نے لوگوں سے کہا تھا کہ اگر خدانخواستہ اس کے خنجر کا نشانہ ابودجانہ بن جاتے تو وہ ایک ''خیر الناس'' کے قتل کا مرتکب ہو جاتا لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس کا نشانہ ''اشر الناس'' یعنی مسیلمہ کذاب بنا۔ تاہم وحشی کے ہاتھوں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا افسوس مسلمانوں کو برسوں خون کے آنسو رلاتا رہا۔ عبداللہ بن فضل کہتے ہیں کہ انہیں سلیمان بن یسار نے بتایا کہ آخرالذکر نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کہتے سنا کہ ان کے مکان کے پیچھے ایک کنیز ایک روز رو رو کر کہہ رہی تھی:

''افسوس مسلمانوں کا ایک بہترین امیر ایک حبشی غلام کے ہاتھوں مارا گیا''۔

ابن ہشام کو معلوم ہوا کہ وحشی نے شراب پینا حرمت شراب کے بعد بھی نہیں چھوڑی تھی اور وہ جب زیادہ نشے میں ہو جاتا تو خلاف قیاس حرکات کرنے لگتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز فرمایا کہ انہوں نے خدا کی قسم کھا رکھی ہے کہ وہ حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو کبھی مدعو نہیں کریں گے۔ جہاں تک غزوۂ احد کا تعلق ہے متعدد راوی بیان کرتے ہیں کہ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی علم پہلے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو یہ فرما کر عنایت فرمایا تھا کہ آپ وفاؤں کا صلہ ہمیشہ دیتے ہیں۔ ابن اسحق کہتے ہیں کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس پرچم کے ساتھ جو آپ نے انہیں دیا تھا آپ کے دوش بدوش کفار سے جنگ کر رہے تھے حتیٰ کہ وہ قتل کر دیئے گئے۔ انہیں ابن قمئہ لیثی نے قتل کیا تھا۔ وہ انہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سمجھا تھا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے وہ قریش کی طرف پلٹا اور بولا:

''میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے''۔

موسیٰ بن عقبہ نے ''مغازیہ'' میں سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا قاتل ابی بن خلف تھا۔ واللہ اعلم (مؤلف)

ابن اسحق کہتے ہیں کہ جب مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی علم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا لیکن یونس بن بکیر نے ابن اسحق ہی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اسلامی علم حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو دیا تھا۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چند دوسرے مسلمانوں کو ساتھ لے کر مشرکین پر زبردست حملے کر رہے تھے۔ اسی دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دشمن کی ایک صف ... [illegible] ... ''میں ابو القصم'' ... [illegible]

زبان سے یہ سن کر مشرکین کی طرف سے ابوسعد بن ابی طلحہ جو مشرکین کا علمدار تھا چلا کر بولا: "اے ابوالقصم کیا تم کوئی مبارز طلب کر رہے ہو؟" اتنا کہہ کر وہ خود ہی ان کے مقابلے کے لیے آگے بڑھ آیا۔ اس میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان دو دو واروں کے تبادلے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے شانے پر ایک کاری ضرب لگائی لیکن پھر پلٹ کر واپس چلے آئے۔ جب ان کے بعض ساتھیوں نے ان سے پوچھا کہ وہ ابوسعد کو قتل کیے بغیر کیوں پلٹ آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"وہ کم بخت زخم کھا کر میرے سامنے ننگا ہو گیا تھا لہٰذا اس بے شرم پر مجھے دوبارہ تلوار اٹھاتے شرم آ گئی اسے تو (اس کے دل سے حجاب اٹھا کر) اللہ تعالیٰ نے خود ہی قتل کر دیا"۔

اسی طرح جنگ صفین میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بسر بن ابی ارطات پر اسے قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی تھی تو وہ ان کے سامنے ننگا ہو کر کھڑا ہو گیا تھا اور وہ اس بے شرم کو بھی قتل کیے بغیر پلٹ آئے۔ یہی واقعہ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگِ صفین کے دوران ہی میں عمرو بن عاص کے ساتھ پیش آیا تھا۔ وہ بھی اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ضرب شدید سے بچنے کے لیے تہبند کھول کر ان کے سامنے ننگا ہو گیا تھا تو اسے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بغیر قتل کیے چھوڑ دیا تھا اور اس کے سامنے سے پلٹ کر واپس چلے آئے تھے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ان سے مسلمہ بن علقمہ مازنی نے بیان کیا کہ غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان گھمسان کی جنگ کے وقت رایت انصار کے نیچے تشریف فرما تھے اور اس وقت آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرما کر اسلامی علم ان کے سپرد کیا تھا۔

یونس نے ابن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ غزوۂ احد میں جب مشرکین کے علمدار طلحہ بن ابی طلحہ العبدری نے مسلمانوں میں سے کوئی مبارز طلب کیا تھا تو اس کے مقابلے کے لیے اسلامی لشکر سے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نکلے تھے اور انہوں نے العبدری کے اونٹ کے قریب پہنچتے ہی اس کی گردن اڑا دی تھی اور جب طلحہ بن طلحہ العبدری اونٹ سے نیچے گرا تو انہوں نے اس بھی ایک ہی وار میں قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو کلمات تحسین و آفرین سے سرفراز فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

"ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں میرا حواری زبیر ہے"۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

"اگر زبیر رضی اللہ عنہ اس مقابلے کے لیے نہ جاتے تو میں خود جاتا لیکن میں نے انہیں (طلحہ بن طلحہ سے) مقابلے کے لیے جاتے دیکھ لیا تھا"۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر کی طرح غزوۂ احد میں بھی قریش کے بہت سے معزز لوگ مجاہدین اسلام کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے مثلاً سعد بن ابی طلحہ کو سعد بن ابی وقاص نے قتل کیا تھا البتہ جیسے وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو چھپ کر اپنے خنجر کا نشانہ بنایا [illegible] قتل [illegible] کا سر کاٹ [illegible] لیکن عاصم کی [illegible] فوراً ہی [illegible] کر ان کا سر [illegible]

دو بیٹے میں اٹھالائی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا تو وہ بولیں کہ عاصم نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر عہد کیا تھا کہ نہ تو وہ کسی مشرک کو ہاتھ لگائیں گے نہ کسی مشرک کو اپنے جسم کو چھونے دیں گے لیکن انہیں (ان کی ماں کو) خوف تھا کہ اگر ان کا قاتل ان کا سر اٹھا کر لے گیا تو وہ ضرور ان کی کھوپڑی کو خشک کر کے ظالم مشرکین کی طرح اس میں شراب ڈال کر پئے گا۔ اس لیے میں اپنے بیٹے کا سر اٹھالائی اور خدا کا شکر ہے کہ اس نے میرے بیٹے کے عہد کی لاج رکھ لی۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ حنظلہ بن ابی عامر جس کا اصل نام عمرو تھا لیکن عموماً عبد عمرو بن صیفی کہلاتا تھا زمانہ جاہلیت میں راہب بن گیا تھا اور نصرانیوں کی طرح کثرت سے عبادت کرتا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کا مسیحیوں میں سب سے بڑا مخالف اور اسلام کا پکا دشمن تھا اور اسی لیے مدینہ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا نام فاسق رکھ دیا تھا۔ حنظلہ کے بارے میں مدینے کے مسیحی کہتے تھے کہ اسے پیدائش کے وقت فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ اس کا تفصیلی ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر کریں گے۔ یہاں اس کا اسی قدر ذکر کافی ہے کہ اسے غزوۂ احد میں مشرکین کے ساتھ دیکھ کر شداد بن اوس نے جو ابن شعوب کے نام سے مشہور ہیں قتل کر دیا تھا۔ اس کی لاش دیکھ کر آنحضرت ﷺ سے ارشاد فرمایا تھا کہ اس کے عزیزوں سے پوچھا جائے کہ اسے دیکھیں اور بتائیں کہ آیا اس شخص کا جسے فرشتوں نے غسل دیا ہو یہی انجام ہوتا ہے؟

واقدی کہتے ہیں کہ جب اس کی لاش اس کے باپ کے حوالے کی گئی تو اس نے اس کے سینے پر ٹھوکر مار کر کہا تھا:

''میں خدا سے رحم کا طالب ہوں اور اپنے بیٹے کے اعمال سے بری الذمہ ہوں''۔

فصل:

غزوۂ احد میں امداد خداوندی

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں بھی مسلمانوں کی مدد فرما کر اپنا وعدہ پورا کیا اور وہ اپنی تلواریں سونت کر دشمن پر بجلی کی طرح گرے تو اسے شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد عباد، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور خود حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ انہوں نے یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھیوں کی ایک کثیر تعداد لشکر کفار کے پیچھے پیچھے بنی ٹھنی دفیں بجا بجا کر اس کا حوصلہ بڑھا رہی ہیں اور شاید ہم سے خوف کے باوجود ان کے لشکر کا درمیانی حصہ کسی قدر ہماری طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے لیکن ہم نے خدا کے فضل و کرم سے آگے بڑھ کر اسے نہ صرف روکا بلکہ بے دست و پا کر دیا۔ تاہم اچانک اسی وقت ان کے عقب میں کسی بدبخت دشمن نے نعرہ لگایا: ''(نعوذ باللہ) محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا گیا''۔ زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر انہیں اور ان کے ساتھیوں کو پلٹنا پڑا تو دشمن کے پسپا ہوتے ہوئے لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ بعض عینی گواہوں کا بیان ہے کہ اس افراتفری کے باوجود اسلامی پرچم اس وقت تک گرا نہیں تھا کیونکہ اسے علمدار کے قتل ہو جانے کے بعد خدا جانے کہاں سے آ کر عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور وہ اسے قریش کی طرف لہرا لہرا کر تکبیر کے نعرے لگا رہی تھیں لیکن جب وہ دشمن کے ریلے کے سامنے کھڑی نہ رہ سکیں تو اسلامی علم ان کے ہاتھ سے بنی ابی طلحہ کے ایک نوجوان صواب نے لے کر بلند کر لیا اور جب اس کا ایک ہاتھ کٹ گیا تو اس نے اسے اپنے سینے اور گردن کے سہارے جہاں تک ہو سکا بلند رکھا جب دشمن کے کچھ تلوار کھینچے اس کے سر پر آ پہنچے تو اس وقت اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

''یا اللہ! میری معذرت قبول فرما لیکن کیا تو مجھے بالکل ہی معذور کر دے گا؟''۔

حسان بن ثابت نے عمرہ بنت علقمہ اور صواب کی ہمت و شجاعت پر کئی مدحیہ اشعار کہے ہیں۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے وہ وقت واقعی قیامت سے کم نہیں تھا کیونکہ ان کی کافی بڑی تعداد کے مرتبہ شہادت سے سرفراز ہونے کے بعد دشمن کے کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کر خود رسول اللہ ﷺ پر دور ہی سے ہی گوپھنوں کے ذریعہ پتھر پھینکنے شروع کر دیئے تھے جس نے نہ صرف آپ کا نچلا لب مبارک پھٹ گیا تھا بلکہ سامنے کے چار دندان مبارک بھی شہید ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ کسی ملعون کا پھینکا ہوا پتھر آپ کے دائیں رخسار مبارک پر اتنی شدت سے آ کر لگا تھا کہ آپؐ کے مغفر (آہنی خود) کی جھلم کی چند کڑیاں اس کے استخوانی حصے میں پیوست ہو گئی تھیں جہاں سے مسلسل خون جاری تھا۔ تاہم اس وقت بھی آپ کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے:

''یا اللہ! یہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے کہ اس کا چہرہ خون سے گلگوں ہو رہا ہے۔

[illegible] کے ساتھ ہی آپ ان دشمنانِ خدا کو خدا کی طرف [illegible] تھے۔

بعض اہلِ علم کا بیان ہے کہ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ ﴾

ابن جریر اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن حسین احمد ابن المفضل اور اسباط نے العبدی کے حوالے سے بیان کیا کہ اوّل الذکر لوگوں کو آخر الذکر نے بتایا کہ ابن قمئہ حارثی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پتھر پھینکا تھا اسی سے آپ کی بینی مبارک ٹوٹ گئی تھی' آگے کے چار دندان مبارک شہید ہو گئے تھے اور چہرہ مبارک پر سخت زخم آیا تھا۔ اس وقت آپؐ سے آپؐ کے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم الگ ہٹ گئے تھے بلکہ ان میں سے بعض لوگ وہاں سے ہٹ کر مدینے میں جا داخل ہوئے تھے اور ایک گروہ صخرہ کے پہاڑ پر جا چڑھا تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پکار پکار کر فرما رہے تھے:

''اے لوگو! میرے پاس آؤ' اے لوگو! میرے پاس آؤ''۔

آپ کی آواز سن کر کوئی تیس آدمی آپؐ کے قریب آئے لیکن وہاں طلحہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کے سوا کوئی ٹھہرا نہیں۔ طلحہؓ نے آپ کی طرف بڑھتے ہوئے قریش کے لوگوں کو تیروں سے روکا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنبھال کر اٹھایا جب کہ دشمن آپ کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے اور وہ قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔ ان میں سب سے آگے ابی بن خلف جمحی تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی قسم کھائی تھی۔ چنانچہ وہی آگے بڑھ کر بولا: ''ہو' اسے میں ہی قتل کروں گا'' اس کی زبان سے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے جھوٹے! اب تو بھاگ کر کہاں جائے گا؟''۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنا خود اور اس کی جھلم اس کی طرف پھینکی جس سے وہ معمولی طور سے زخمی ہو گیا۔ مگر پھر بھی یہی رٹ لگاتا رہا'' ہو' مجھے اسے قتل کر دینے دو' کہیں مجھ سے پہلے ربیعہ اور مضر اسے قتل نہ کر دیں''۔

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ وہ آپ کو قتل تو کیا کرتا خود ہی چکرا کر گرا اور اس کے ساتھی اسے اٹھا کر پیچھے لے گئے اور ادھر آپؐ کے مذکورہ بالا صحابی آپ کی حفاظت کے لیے برہنہ شمشیریں ہاتھ میں لیے آپؐ کے سامنے سدِ سکندری بنے کھڑے رہے جب کہ آپ کے قتل کا دعوے دار اسی روز یا اگلے دن اسی معمولی زخم سے جو اس نے آپؐ کے دستِ مبارک سے کھایا تھا لقمہ اجل بن گیا۔ تاہم اس وقت ہر طرف یہی شور مچا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے اور اسی لیے اسلامی لشکر کے کچھ اصحاب صخرہ نے اعلان کر دیا کہ ان کا عبداللہ بن ابی کے سوا کوئی رسول نہیں ہے اور وہی ابوسفیان سے ہماری جانیں بچائے گا۔ وہ چلا چلا کر یہ بھی کہہ رہے تھے:

''محمد چونکہ قتل ہو چکے ہیں' اس سے پہلے کہ وہ تمہیں قتل کرے اپنی قوم کے پاس لوٹ چلو''۔

ان کی یہ باتیں سن کر انس ابن نضر بولے:

''مسلمانو! اگر محمدؐ (خدانخواستہ) قتل بھی کر دیئے گئے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب تو زندہ ہے جسے کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ تم اب [illegible] آپؐ نے [illegible] کے خلاف

جنگ کا اعلان کیا تھا''۔

اس کے بعد انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی:

''یا اللہ! میں تجھ سے معافی کا طالب ہوں اور یہ دوسرے لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے بری الذمہ ہوں''۔

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی تلوار کے قبضے پر مضبوطی سے ہاتھ جمایا اور دشمنوں سے لڑتے بھڑتے رسول اللہ (ﷺ) تک آ پہنچے اور اصحاب صخرہ کو بھی بلاتے رہے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ انہی کا ایک ساتھی مسلمان کمان میں تیر جوڑے ایک جگہ مستعد کھڑا ہے اور کچھ دوسرے لوگ قریش کو دھکیلتے ہوئے دور تک بھگا آئے ہیں۔ اس وقت انہوں نے اس تیر انداز کے عقب سے آواز سنی۔ یہ آواز آنحضرت ﷺ کی تھی جو فرما رہے تھے:

''میں اللہ کا رسول یہاں ہوں''۔

آپ کی آواز سن کر انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا اور وہ مؤدب ہو کر آپؐ کے روبرو جا پہنچے۔ انہیں دیکھ کر آپؐ کے روئے مبارک پر بھی مسرت کے آثار نظر آئے۔ اس کے بعد دوسرے لوگ بھی جو قریشی گروہ کے دباؤ سے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے وہیں آ کر جمع ہو گئے اور لشکر قریش کو پسپا ہوتے دیکھ کر خوشی سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے لگے کیونکہ اسلامی لشکر جو بظاہر قریب قریب شکست سے دوچار ہو چکا تھا اب پھر فاتح کی حیثیت سے وہاں جمع کھڑا تھا۔ اسی وقت ایک آیت جس کا مفہوم وہی تھا جو انس بن نضر آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر سن کر بھی دوسرے مسلمانوں خصوصاً اصحاب صخرہ کو سنا چکے تھے۔ وہ آیت یہ ہے:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴾

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان آنحضرت ﷺ کے قتل کی جھوٹی خبر سن کر خوشی سے پھولا نہیں سمایا تھا اور یہ کہتا ہوا کہ ''حنظلہ کا معبود ہبل سے بڑا معبود ہے'' اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر اس طرف بڑھ آیا تھا جہاں نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے اور وہ یہ بھی کہتا جا رہا تھا کہ قریش نے بدر کا بدلہ احد میں لے لیا ہے۔ لیکن آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کہتے ہوئے کہ ''سب سے بڑا معبود خدائے واحد ہے''۔ اس پر اور اس کے ساتھیوں پر پتھروں کی بوچھار کر کے انہیں بھگا دیا تھا لیکن یہ روایات محل نظر ہیں۔ (مؤلف)

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ربیع بن عبدالرحمٰن بن ابی سعید نے اپنے والد ابی سعید سے سن کر بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ پر پتھر پھینکنے والا عتبہ بن ابی وقاص تھا جس سے آپ کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا اور آپؐ کے نیچے ہی کے دائیں جانب کے چار دانت شہید ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ آپؐ کے رخسار مبارک پر جو پتھر لگا تھا اس سے آپؐ کے خود کی جھلم کی دو آہنی کڑیاں اس رخسار کے استخوانی حصے میں اس طرح پیوست ہوئی تھیں کہ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں نے بیک وقت مل کر انہیں بمشکل باہر نکالا تھا جب کہ آپ کا چہرہ مبارک پہلے ہی لہولہان ہو چکا تھا اور آپؐ اس گڑھے میں گر گئے تھے جو ابو عامر نے پہاڑی پر مسلمانوں کی حفاظتی کمین گاہ کے لیے بنایا تھا۔ آپ کو وہاں سے نکالنے کے لیے علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچا تھا اور طلحہ بن عبید اللہ نے

نیچے اتر کر آپؐ کے جسم کو سہارا دیا تھا جس کے بعد آپ اٹھ کر کھڑے ہوئے تھے اور مالک بن سنان ابوسعید نے آپؐ کے چہرۂ مبارک سے خون صاف کر کے آپؐ کے رخسار کے زخم کی مرہم پٹی کی تھی جس پر آپؐ نے فرمایا تھا:

''جس نے میرے چہرے سے خون صاف کیا ہے اسے (دوزخ کی) آگ نہیں چھو سکے گی''۔

پھر آپؐ نے فرمایا تھا:

''جس قوم نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ کیسے فلاح پائے گی؟''۔

عقبہ رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ:

''جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھ کر غم سے نڈھال ہو گیا تھا تو ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ نے آپ کو بٹھا کر آپؐ کے چہرے سے خون صاف کیا تھا جب کہ آپ کی زبان مبارک پر وہی الفاظ تھے جو مندرجہ بالا حدیث میں بیان کیے گئے ہیں اور اسی وقت مندرجہ بالا آیت ﴿لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ ......الخ﴾ اتری تھی''۔

یہ روایت ابن جریر نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے جو ظاہر ہے کہ ''مرسل'' ہے جسے ہم آگے چل کر ان شاء اللہ ایک الگ فصل میں تفصیل سے بیان کریں گے۔ (مؤلف)

غزوۂ احد میں قلیل التعداد اسلامی لشکر کو قریش کے کثیر التعداد لشکر پر صبح کے پہلے وقت غلبہ ہو گیا تھا جس کا سب سے بڑا ثبوت مندرجہ ذیل قرآنی آیات ہیں لیکن انہی آیات میں واقعہ کا دوسرا رُخ بھی بتا دیا گیا ہے:

﴿وَلَقَدۡ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَہُمۡ بِاِذۡنِہٖ .... الخ﴾

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ اور خود ان کے والد کے علاوہ سلیمان بن داؤد نے بیان کیا نیز انہیں عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے اپنے والد' عبیداللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول سنایا: اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کسی اور قوم کی اتنی مدد نہ فرمائی ہوگی' جتنی احد میں اس نے فرمائی لیکن درحقیقت ہم نے اس کے رسول کا حکم نہ مان کر کفران نعمت کیا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدۡ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَہُمۡ بِاِذۡنِہٖ﴾

اور اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿حَتّٰۤی اِذَا فَشِلۡتُمۡ﴾

اور یہ بھی کہ:

﴿وَلَقَدۡ عَفَا عَنۡکُمۡ وَاللّٰہُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان آیات کا حوالہ دے کر ان واقعات کی طرف صاف اشارہ کیا ہے کہ پہلے مسلمان اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کے حسب وعدہ دشمن پر غالب آ گئے تھے لیکن بعد میں جب ان کی غفلت و نادانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے صاف صاف احکام جونہی ان کے ذہن سے اترے تو انہوں نے خود جیتی بازی ہار دی لیکن خدائے رحمٰن ورحیم نے انہیں معاف فرما کر آخر میں ان کی شکست اپنے فضل وکرم سے پھر فتح میں بدل دی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خود بیان کیا ہے:

''آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے مجاہدین اسلام میں سے چیدہ چیدہ تیر اندازوں کا ایک گروہ قریش اور لشکر اسلام کے درمیان ایک خاص محفوظ پہاڑی پر متعین فرمایا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کو دشمن پر غالب آتا دیکھیں تو نہ تیر اندازی کریں نہ پہاڑی سے اتر کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں لیکن اگر مسلمان دشمن کی یلغار کے سامنے خدانخواستہ پسپا ہونے لگیں تو وہ اس پر تیر اندازی کر کے اسے آگے بڑھنے سے روکیں لیکن انہوں نے جب لشکر قریش کو اسلامی لشکر کے سامنے سے فرار ہوتے دیکھا اور ساتھ ہی قریش کی ان عورتوں کے جو اپنے لشکر کی دف بجا بجا کر حوصلہ افزائی کر رہی تھیں چمکتے دمکتے قیمتی زیورات دیکھے تو انہوں نے انجام سے بے پروا ہو کر ''الغنیمہ الغنیمہ'' (مال غنیمت مال غنیمت) کہتے ہوئے مقررہ جگہ چھوڑ دی۔ یہ نبی کریم ﷺ کے حکم کی صریحی خلاف ورزی تھی جس کا وہی نتیجہ ہوا جو ہونا تھا''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرے متعدد ہمعصر ثقہ راویوں کے حوالے سے تاریخ اسلام کے جن مستند مؤرخین نے غزوۂ احد کے بارے میں تاریخ نویسی کے میدان میں واقعہ نگاری اور حقیقت طرازی وحقائق پروری کا حق ادا کیا ہے ان سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس اسلامی جنگ میں جب مسلمان خدا اور رسول ﷺ کے بالترتیب وعدے اور بشارت سے جونہی چشم پوشی کے مرتکب ہوئے تو انہیں قدرتی طور پر اس المیے سے دوچار ہونا پڑا' جس کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔

ابن جریر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں کے اس مخصوص گروہ نے جنہیں آنحضرت ﷺ نے موقع ومحل کے لحاظ سے دشمن پر تیر اندازی کا حکم دیا تھا اور لشکر اسلام کی پیش قدمی کے نتیجے میں لشکر کفار کی پسپائی کے وقت اپنی متعینہ جگہ چھوڑنے کی صریحی ممانعت فرمائی تھی۔ یہ دیکھ کر کہ لشکر اسلام کے بہادر ودلاور غازیوں نے خدا کی راہ میں بڑھ بڑھ کر دشمنان اسلام کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے ہیں اور وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور مجاہدین اسلام ان کا تعاقب کر رہے ہیں تو وہ ہوس مال وزر کا شکار ہو گئے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اپنی پہاڑی کمین گاہ سے نبی کریم ﷺ کے حکم کے خلاف ''الغنیمہ الغنیمہ'' کہتے ہوئے نیچے اتر کر قریش کی ان عورتوں کے قیمتی زیورات کی طرف لپکے جو اپنے لشکر کے پیچھے پیچھے بھاگ رہی تھیں اور قریش کے کچھ جنگی آزمودہ کار لوگوں نے بھاگتے بھاگتے ایک طرف ہٹ کر یہ تماشہ دیکھا تو انہوں نے اپنے بے تحاشہ بھاگتے ہوئے ساتھیوں کو عربی غیرت وحمیت کا واسطہ دے کر روکا اور جب وہ جوش میں آ کر پلٹے تو مسلمانوں کی اس مکمل جیتی ہوئی جنگ کا نقشہ بدل گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی اس حفاظتی جماعت کے اکثر لوگ شہید ہو گئے جو اس پہاڑی کے دامن میں تھے جس پر نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے۔ اس کے علاوہ کئی مشہور روایات یہ ہیں کہ قریش کے اس گروہ کے علاوہ جو اس راستے سے مذکورہ بالا پہاڑی کی چوٹی تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے ان کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کافی طویل چکر لگا کر اس پہاڑی کے پچھلے دامن میں وہاں پہنچا تھا جس کا کسی کو گمان تک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ لشکر قریش کی اکثریت تو سامنے کی طرف سے پہلے ہی فرار ہو چکی تھی۔ بہرکیف جب مفرور ہوتے ہوئے لشکر قریش کا یہ آخر الذکر گروہ اس پہاڑی کی چوٹی کے قریب پہنچا اور ان میں سے ایک شخص کی سنگ باری سے جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مذکورہ بالا

دردناک واقعہ پیش آیا اور اس کے ساتھ ہی کسی طرف وہ آواز آئی کہ (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ کو قتل کر دیا گیا ہے تو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے وہاں موجود مسلمان بھی منتشر ہو گئے اور ان میں سے باستثنائے چند بہت سے لوگوں نے مدینے پہنچ کر دم لیا۔ تاہم کچھ اہل ایمان جن کے نہ صرف کانوں بلکہ گوشہائے دل تک آنحضرت ﷺ کی مکرر آواز یا ایھا الناس الی یا ایھا الناس الی (اے لوگو! میری طرف آؤ اے لوگو! میری طرف آؤ) جا پہنچی تو ان کے علاوہ جنہوں نے آپ کو گڑھے سے نکالا تھا اور آپ کی خدمت میں لگ گئے تھے' وہ بھی جو ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے آپ کے گرد و پیش آ کر جمع ہو گئے اور اس دوسرے گروہ کو پہاڑی کے نیچے دھکیل کر چھوڑا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے قتل کی افواہ کسی شک وشبہ کے بغیر شیطان مردود کی اڑائی ہوئی تھی جس کے بعد ابوسفیان نے جو پہلے بھاگتے ہوئے پہلے گروہ کے ساتھ پلٹ آیا تھا پکار کر کہا: ''اے مسلمانو! کیا تم میں محمد (ﷺ) ہیں؟'' لیکن آپؐ نے اپنے پاس موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا جواب دینے سے منع فرما دیا اور جب اس نے اس طرف خاموشی پائی تو خود ہی بولا: ''ارے محمدؐ تو قتل ہو چکے ہیں''۔ پھر اس نے آواز دی: ''ابن ابی کبشہ کہاں ہے؟ اے ابن ابی قحافہ اور اے ابن خطاب تم کہاں ہو؟'' لیکن ادھر سے جب کوئی جواب نہ ملا تو خوش ہو کر بولا: ''تو تم بھی سب ختم ہو گئے''۔ مسلم کے علاوہ بخاری بھی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو ابوسفیان کو جواب دینے سے روک دیا تھا لیکن اس کے اسی سوال کو بار بار دہرانے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا اور انہوں نے اسے بلند آواز سے جواب دیا: ''اے ملعون! ہم سب یہاں موجود ہیں''۔ اس پر وہ بولا: ''تم نے دیکھا کہ ہمارا معبود ہبل کتنا عظیم ہے کہ اس نے بدر کا بدلہ ہمیں یہیں دلا دیا'' ابوسفیان کی زبان سے یہ کلمات سن کر آنحضرت ﷺ نے اپنے ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اب تم اسے جواب دو کہ بڑا تو خدائے واحد ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں''۔ (حدیث کا مفہوم)

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا تھا اگرچہ ان کی مجموعی تعداد بارہ سے زیادہ نہیں تھی لیکن انہوں سے ہی خدا کا نام لے کر قریش کے دونوں گروہوں کو پہاڑی سے نیچے دھکیل دیا تھا اور اس کے بعد جب مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے دوسرے گروہ جو پہلے آپؐ کے قتل کی خبر سن کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے ندامت محسوس کرتے ہوئے دوبارہ از سر نو جذبہ ایمانی کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوئے تو انہوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کر کے قریش کے مذکورہ بالا دونوں گروہوں پر پے در پے ایسے بے نظیر حملے کیے کہ انہیں ایک بار پھر بھاگتے ہی بن پڑی اور اس طرح مندرجہ بالا قرآنی آیت کے آخری حصے کے الفاظ یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی پہلی لغزش کو معاف فرما دیا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مومنین پر مہربانی فرمانے والا ہے صداقت کی تصویر بن کر مجاہدین اسلام کی آنکھوں کے سامنے آ گئے۔

فصل:

ام عمارہ کا بیان

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ ام عمارہ نسیبہ بنت کعب مازنیہ غزوۂ احد میں شریک تھیں۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انہیں سعید ابن ابی زید انصاری نے بتایا کہ ام سعد بنت سعد بن ربیع نے ام عمارہ سے ایک روز کہا کہ وہ غزوۂ احد کا کچھ حال جس میں وہ شریک تھیں کچھ انہیں بھی سنائیں تو وہ یعنی ام عمارہ بولیں:

''میں صبح ہی صبح احد میں جا پہنچی تھی اور میرے پاس جو دو مشکیں تھیں ان میں پانی بھر بھر کر وہاں لے جا رہی تھی' جہاں رسول اللہ (ﷺ) تشریف فرما تھے' میں نے دیکھا کہ آپ ؐ کے گرد و پیش جمع تھے وہ بڑے چاق و چوبند اور خوش نظر آ رہے تھے لیکن جب اچھی خاصی فتح کے بعد بدقسمتی سے مسلمانوں کو نہ جانے کیوں کفار کے تعاقب میں جاتے جاتے پسپا ہونا پڑا تو میں نے دیکھا کہ کفار کے کچھ لوگ اس پہاڑی تک جا پہنچے ہیں اور وہاں لڑائی ہو رہی ہے جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ پھر جب میں نے دیکھا کہ اس پہاڑی سے مسلمانوں نے دشمن کو نیچے دھکیل دیا ہے اور وہ دم دبا کر پھر بھاگ رہا ہے تو میں ایک بار پھر کسی نہ کسی طرح پانی لے کر پھر اس پہاڑی پر جا پہنچی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ (ﷺ) سخت زخمی ہیں اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس کھڑے ہیں' میں نے ابن قمئہ سے خدا انہیں سلامت رکھے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کو یہ زخم کیسے آئے تو وہ بولے کہ ''مشرکین کے کچھ لوگ اس پہاڑی پر اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ اوپر کی طرف سنگباری بھی کرتے جا رہے تھے' انہی میں سے ایک ملعون کا پتھر رسول اللہ (ﷺ) کے رخسار مبارک پر اتنی زور سے لگا کہ آپ ؐ شدید زخمی ہو گئے''۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ تلوار لے کر اس شخص کی طرف جھپٹے جس نے آنحضرت ﷺ کا نشانہ لے کر ایک اونچے پتھر کی آڑ سے آپ ؐ پر ایک کافی بڑا پتھر پھینکا تھا اور اس کے تلوار بھی ماری۔ اسی طرح مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے لوگوں نے جن میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اس پر حملہ کیا لیکن وہ کمبخت دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ تاہم ہمارے حملوں سے وہ اور اس کے ساتھی نیچے بھاگ گئے۔ اس کے بعد ابن قمئہ نے بھی بتایا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے جب مسلمانوں کو آواز دے کر اپنے قریب بلایا تو وہ لوگ بھاگ چکے تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ لوگ بھی جو آپ ؐ کے قتل کی آواز سن کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے لوٹ آئے اور ان سب نے مل کر دوبارہ دشمن پر حملہ کیا تو وہ پھر بھاگ نکلے اور اب تم دیکھ رہی ہو کہ وہ پہلے ہی کی طرح کس تیزی سے دم دبا کر بھاگ رہے ہیں۔ اس کے بعد ام عمارہ نے ام سعد کو بتایا کہ ابن قمئہ کی زبانی یہ سب باتیں سن کر اور دشمن کو پھر پسپا ہوتے دیکھ کر وہ مطمئن ہو کر وہاں سے نیچے چلی آئیں۔

ابن ہشام ہی نے بتایا ہے کہ مشرکین پر دوبارہ حملے کے لیے مسلمانوں کو جس شخص نے دوبارہ جمع کر کے اس افواہ کے باوجود کہ رسول اللہ (ﷺ) کو دشمنوں نے قتل کر دیا ہے ان کی قیادت کی تھی وہ انس کے چچا انس بن مالک تھے۔ اس لڑائی میں ان

کے جسم پر سات زخم آئے تھے جب کہ انس بن نضر کو ستر زخم آئے تھے اور انہیں ان کی بہن نے مشکل سے پہچانا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ جب مہاجرین و انصار میں سے عمر اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے مشرکین کے دوسرے حملے کے بعد ادھر اُدھر منتشر ہونے والے مسلمانوں سے ٹھہرنے کے لیے کہا تھا تو انہوں نے جواباً کہا تھا جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی قتل کر دیئے گئے تو اب ہم ٹھہر کر کیا کریں گے؟ اس پر ان لوگوں نے ان سے کہا تھا:

''جس بات کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے مقابلے کے لیے یہاں تشریف لائے تھے تم بھی اسی کے لیے ان کافروں سے جنگ کرو''۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ انہیں کچھ باخبر لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ کفار سے مقابلے میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کم سے کم دس شدید زخم آئے تھے۔

فصل:

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو پیش آمدہ حوادث

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ غزوۂ احد میں کچھ مسلمانوں کی اپنی غفلت سے مکمل فتح کے بعد انہیں جو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اس کے بارے میں زہریؒ نے ان سے بیان کیا کہ اس افراتفری میں جب کہ ہر طرف رسول اللہ (ﷺ) قتل ہو گئے۔ کا شور مچ رہا تھا' سب سے پہلے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے مغفر کے نیچے نبی کریم ﷺ کی روشن ترین آنکھوں کی چمک سے آپ کو پہچانا اور اس لیے انہوں نے بہ آواز بلند پکار کر کہا:

''اے مسلمانو! رسول اللہ (ﷺ) تو یہ رہے''۔

زہریؒ نے ابن اسحٰق سے بیان کیا کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر آنحضرت ﷺ نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا لیکن ان کی پہلی ہی آواز پر بہت سے مسلمان اس گڑھے کے گرد جمع ہو گئے تھے جہاں آپؐ پتھر کی چوٹ سے زخمی ہو کر گر گئے تھے۔ ان لوگوں میں ابوبکر صدیق' عمر بن خطاب' علی بن ابی طالب' طلحہ بن عبید اللہ' زبیر بن عوام' حارث بن صمہ اور کچھ دوسرے ممتاز مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے مزید بیان کیا کہ جب رسول اللہ (ﷺ) کو اس گڑھے سے نکالا اور اٹھا کر بٹھا دیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ آپ کو پتھر مار کر زخمی کرنے والا ابی بن خلف تھا۔ یاد رہے کہ ابی بن خلف نے مکے میں ایک بار آپؐ سے کہا تھا:

''اے محمدؐ! اگر مجھے سوار کے لیے کوئی گھوڑا مل گیا تو میں اسے بلاغانہ اتنا گھاس دانہ کھلاؤں گا کہ وہ خوب تومند اور چست ہو جائے پھر میں اس پر سوار ہو کر تمہیں قتل کروں گا''۔

اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا تھا:

''تو دیکھ لینا کہ ایک دن ان شاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا''۔

کہا جاتا ہے کہ مکے ہی میں ایک روز اس کے حلق میں کوئی چھوٹی سی ہڈی یا کوئی ایسی ہی چیز اٹک گئی تھی جس سے اس کا دم گھٹتے گھٹتے رہ گیا تھا لیکن اس چیز نے اس کے گلے میں ایسی خراش ڈال دی تھی جس کی وجہ سے اسے ہمیشہ تکلیف رہتی تھی اور وہ کہا کرتا تھا: ''اے محمدؐ! تو نے واقعی مجھے قتل کر دیا''۔

تاہم قریش اسے بہلا پھسلا کر اور یہ کہہ کر کہ وہ کافی تندرست وتوانا ہے' اُحد میں مسلمانوں کے مقابلے کے لیے لے آئے تھے لیکن اس بزدل کو گھوڑا تو کیا نصیب ہوتا پھر بھی اس نے اپنا کہا پورا کرنے کے لیے نبی کریمؐ پر بزدلوں کی طرح چھپ چھپا کر پتھر سے حملہ کر دیا تھا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب قریش بدر کی طرح اُحد میں بھی ناکامی سے دوچار ہو کر مکے کی طرف لوٹ رہے تھے تو ابی بن خلف راستے ہی میں مر گیا تھا اور مرتے وقت بھی اس کی زبان پر یہی الفاظ تھے: ''اے محمدؐ! تو نے واقعی مجھے قتل کر

دیا ہے۔

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف کی بدانجامی اور کیفر کردار کو پہنچنے کے بارے میں دو جگہ متعدد اشعار کہے ہیں۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جس گہرے گڑھے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو کر گر گئے تھے اس کے کنارے کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو وہاں سے نکالا اور آپ کو پلانے کے لیے خود مہراس سے اتنا پانی لائے کہ انہوں نے آپؐ کے چہرۂ مبارک سے خون صاف کر کے زخموں کو بھی صاف کر دیا۔ اس سے آپؐ کے جسم میں کسی قدر توانائی آ گئی' تاہم آپؐ پھر بھی خود اپنے ہاتھ سے پانی نہیں پی سکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپؐ کے چہرے سے خون صاف کرتے وقت کہتے جا رہے تھے:

''اللہ تعالیٰ ان کمبختوں کو اپنے غضب کا نشانہ بنائے جنہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال کیا ہے''۔

ان جملہ واقعات کا ہم صحیح احادیث کے حوالے سے کافی ذکر کر چکے ہیں۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جس پہاڑی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور جہاں ہم لوگ بھی آپؐ کے پاس موجود تھے وہاں خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی آنے کی کوشش کی تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مل کر انہیں اور ان کے ساتھیوں کو پیچھے دھکیل دیا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے:

''یا اللہ! ان لوگوں (دشمنوں) کو ہمارے قریب نہ آنے دینا''۔

ابن ہشام نے بیان کیا اور عفرہ کے غلام عمر نے بھی بتایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احد کے پہاڑ سے اتار کر صخرہ میں لایا گیا تو آپؐ کے جسم مبارک سے دوہری زرہ اتارنا سخت مشکل تھا۔ تاہم طلحہ ابن عبید اللہ نے آپ کو اپنی گود میں بٹھا کر آہستہ آہستہ نرمی سے وہ زرہ اتار لی تو آپؐ نے فرمایا:

''میں نے طلحہ بن عبید اللہ کی (پرمحبت) خدمت قبول کر لی ہے''۔

اس روایت کے راویوں میں یحییٰ بن عباد بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما' ان کے والد عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور خود حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ (مؤلف)

ابن ہشام اور عفرہ کے غلام عمر نے مزید بیان کیا کہ بنی صخرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مسلمانوں نے نماز ظہر ادا کی تو انہوں نے وہاں ایک ایسے شخص کو بھی دیکھا جسے وہ پہچانتے نہیں تھے' بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شخص قزمان کے نام سے مشہور تھا اور یہ کہ وہ بہت تنومند اور بہادر تھا نیز یہ کہ اس نے جنگِ اُحد میں تنہا قریش کے سات آٹھ آدمیوں کو قتل کیا تھا لیکن جب اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ ''جہنمی'' ہے۔ یہ خبر جب قزمان کو جسے خود بھی احد کی لڑائی میں کافی زخم آئے تھے دی گئی تو وہ بولا:

''کاش میں اپنی ہی قوم کے اتنے آدمیوں کو قتل نہ کرتا''۔

مذکورہ راوی بیان کرتے ہیں کہ قزمان نے جب اسے میدانِ جنگ سے اٹھا کر بنی ظفر کے گھر لایا گیا تھا تو اس نے یہ الفاظ

گئے تھے اور اس کے بعد زخموں کی تاب نہ لاکر اپنے ہی خنجر سے خودکشی کر لی تھی اور اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کے بارے میں صحیح نکلا۔

غزوۂ خیبر میں ایک ایسے ہی واقعے کا ذکر کیا گیا ہے جس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع بیان کریں گے۔ (مؤلف)

ویسے امام احمدؒ نے فرمایا کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے زہری' مسیب اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے حوالے سے جنہوں نے غزوۂ خیبر میں شرکت کی تھی بیان کیا کہ وہاں بھی قزمان جیسا ایک شخص تھا جسے مسلمان ہونے کا دعویٰ تھا اور اس نے لڑائی میں بھی بڑی جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں بھی یہی فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے اور جب وہ زخمی ہو کر میدان جنگ سے لوٹا تو بظاہر اس کے زخم مہلک نہیں تھے لیکن انہی معمولی زخموں کی تاب نہ لاکر اس نے خودکشی کر لی تھی۔ جب اس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ اکبر' میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں''۔

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''الی النار'' یعنی یہ شخص دوزخ میں جائے گا۔ اس کے بعد آپؐ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ:

''مسلمان ہوئے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا' ویسے اہل ایمان (کی تعداد) میں اضافے کے لیے اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر لوگوں کو بھی ان میں ملا دیتا ہے''۔

یہاں غزوۂ خیبر کے حوالے سے جیسا کہ صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں عبدالرزاق کی زبانی ابن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے' یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہاں جنگ کے موقع پر ایک یہودی نے خیبر کے دوسرے یہودیوں سے کہا تھا:

''میں محمد کی طرف سے لڑائی میں حصہ لوں گا''۔

اس پر یہودی بولے تھے:

''آج تو سنیچر کا دن ہے' کیا تو سنیچر کے دن بھی لڑائی میں حصہ لے گا؟''۔

اس کے جواب میں اس نے کہا تھا:

''تمہارا کوئی سنیچر نہیں ہے' ویسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو آج جنگ کریں اور نہ چاہیں تو نہ کریں''۔

پھر اپنے قول کے مطابق وہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور پھر مسلمانوں کے دوش بدوش یہودیوں کے خلاف جنگ میں شریک ہو گیا تھا۔ مذکورہ بالا راویوں نے بیان کیا ہے کہ اس یہودی کا نام مخریق تھا اور وہ بنی ثعلبہ بن غیطون کا ایک فرد تھا۔ جب اس کے قتل کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو آپؐ نے فرمایا:

''مخریق یہودیوں میں بھلا آدمی تھا''۔

بہرحال مذکورہ بالا راویوں کے بقول فتح خیبر کے بعد مخریق کا مال مسلمانوں میں بطور مال غنیمت تقسیم کرنے کے بجائے

مدینے لایا گیا تھا اور وہاں ایک وقف قائم کیا گیا تھا جو محمد بن کعب قرظی کے بیان کے مطابق اسلام میں پہلا وقف تھا۔

اسی طرح ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے حصین بن عبدالرحمٰن بن عمرو بن سعد بن معاذ نے ابی سفیان کے غلام ابن ابی احمد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک اور شخص تھا جو نہ کبھی نماز میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوا تھا نہ اس کے کسی طرز عمل سے اس کا مسلمان ہونا ظاہر ہوتا تھا' لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسے لوگ مرنے کے بعد جنتی کہتے تھے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چونکہ اس شخص کو نہیں پہچانتے تھے اس لیے انہوں نے کسی سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی یہودی تھا اور اس کا نام اصیرم بنی عبدالاشہل عمرو بن ثابت ابن وقش تھا۔ حصین نے لوگوں کے اسے جنتی بتانے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے محمود بن اسد سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اصیرم غزوۂ بدر سے قبل ہی اسلام کی طرف راغب تھا اور پھر جب جنگ بدر شروع ہوئی تو وہ بھی پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھر مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہو گیا۔

حصین محمود بن اسد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اصیرم مسلمانوں کی طرف سے یہودیوں کے خلاف خیبر میں بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا اور زخم پر زخم کھا رہا تھا تو اچانک کسی یہودی جنگجو نے اس کے سامنے آ کر کہا:

''اصیرم! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو اپنی ہی قوم سے لڑ رہا ہے' کیا تو مسلمان ہو گیا ہے؟''

اس سوال پر اصیرم نے برجستہ جواب دیا:

''ہاں میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر مسلمان ہو گیا ہوں۔ اب یہاں میرا حال جو ہو سو ہو اور میرا حشر جو بھی ہو دیکھا جائے گا''۔

یہ تو کہیں نہیں بتایا گیا کہ اصیرم کی وفات مسلمانوں میں ہوئی تھی یا یہودیوں کے پاس جا کر لیکن جب اس کی موت کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا تھا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے اور یہی بات پھر مشہور ہو گئی تھی۔

غزوۂ احد کے موقع پر اسی قسم کے ایک اور واقعے کا ذکر کرتے ہوئے ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے ان کے والد نے بنی سلمہ کے کچھ شیوخ کے حوالے سے بیان کیا کہ مدینے میں ایک شخص عمرو بن جموح کے ایک پاؤں میں اس قدر لنگ تھا کہ وہ لنگڑا کر بھی مشکل سے چل سکتا تھا لیکن چونکہ وہ غزوۂ احد میں شرکت پر مصر تھا اس لیے اس کے چاروں بیٹوں نے اسے یہ کہہ کر محبوس کر دیا تھا کہ معذوروں پر جہاد میں شرکت لازمی نہیں ہے لیکن اس نے اصرار کیا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا جائے اور اگر آپ اسے اس جہاد میں شرکت سے منع فرما دیں گے تو پھر وہ آپ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اس جہاد میں شرکت پر اصرار نہیں کرے گا۔ چنانچہ اسے آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا اور آپ نے بھی اس سے یہی فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت تم ایسے معذوروں پر جہاد میں شرکت لازمی نہیں ہے''۔

تاہم اس نے آپ سے عاجزانہ عرض کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے اس معذوری کے باوجود جنت کے حق سے کیوں محروم فرماتے ہیں؟''۔

اس کی زبان سے یہ کلمات سن کر آپ نے اس کے بیٹوں سے فرمایا:

''تمہیں اس کو روکنے کا بھلا کیا حق ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اسے رتبہ شہادت سے سرفراز فرمانا چاہتا ہے؟''۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد وہ غزوۂ احد میں شریک ہوا اور شہادت پائی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب ہند بنت عتبہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو وہ اپنے خدم وحشم کے ساتھ وحشیوں کی طرح دوڑتی ہوئی ان کی شہادت گاہ تک چلی آئی اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور اسے چبا کر نگلنا چاہتی تھی لیکن جب وہ اس سے نگلا نہ گیا تو اس نے اسے چبا کر تھوک دیا۔ لیکن موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ خود وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ ان کا سینہ چاک کر کے نکالا تھا اور اسے ہند کے پاس لے گیا تھا تو پہلے اس نے اسے چبا کر نگلنے کی کوشش کی تھی لیکن جب اس سے نگلا نہ گیا تو اس نے اسے چبا کر تھوک دیا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ کچھ مسلمانوں کی اپنی غفلت اور لاپروائی کی وجہ سے جب قریش کو پسپا ہوتے ہوئے بھی پلٹ کر اس پہاڑی کے نیچے تک آنے کا موقع مل گیا تھا جس کے اوپر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور ابوسفیان نے یہ افواہ سنی تھی کہ (خدانخواستہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا گیا ہے تو اس نے نیچے ہی سے پکار کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا تھا:

''اے عمر بن خطابؓ! تم نے دیکھا کہ ہمارا معبود ہبل کتنا عظیم ہے' اس نے ہمارے ہاتھوں آخر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرا دیا''۔

ابوسفیان کی یہ لاف زنی سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ ابوسفیان سے کہہ دیا جائے کہ:

''اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں موجود ہے اور عظیم ترین ذات اس خدائے واحد کی ہے جس کا کوئی شریک نہیں''۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم کے مطابق ابوسفیان کو یہ جواب دیا تو وہ شرمندہ ہو کر بولا:

''اچھی بات ہے' یہاں نہ سہی ہم بدر کا بدلہ تم لوگوں سے کہیں نہ کہیں ضرور لیں گے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے جواب دیا:

''ہم تم سے ہر جگہ مقابلے کے لیے تیار ہیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر ابوسفیان اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور لشکر قریش کو چار و ناچار مکے کی طرف واپسی کا حکم دے دیا۔

غزوۂ اُحد میں نبی کریم ﷺ کی دعائیں

امام احمدؒ بیان فرماتے ہیں کہ انہیں مروان بن معاویہ الفزاری اور عبدالواحد بن ایمن مکی نے ابن رفاعہ زرقی اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ (ﷺ) غزوۂ احد کے روز طلوع سحر سے لے کر آخر وقت تک اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت وسلامتی کی دعائیں فرماتے رہے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' جب آپؐ ایک دشمن اسلام کے پتھر لگنے سے شدید طور پر زخمی ہو گئے تھے اور آپؐ کے چار دندان مبارک شہید ہونے کے علاوہ آپؐ کے خود کی دو کڑیاں آپؐ کے رخسار مبارک میں پیوست ہو کر اندرونی استخوان میں جا بیٹھی تھیں جنہیں آپؐ کے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما نے مل کر وہاں سے باہر نکالا تھا اور اس وقت اس زخم کے خون نے آپؐ کے پورے چہرہ مبارک کو تر کر دیا تھا اور اس کے علاوہ آپؐ کے نیچے کے مسوڑھوں سے بھی مسلسل خون جاری تھا اس وقت بھی آپؐ کے شگاف یافتہ لبہائے مبارک پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا' اس کا شکر ہی تھا اور آخر میں آپؐ نے صرف اتنا فرمایا تھا:

''یا اللہ! یہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے''۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رحمتِ عالم (ﷺ) کو ایسی حالت میں بھی نہ صرف عربی قوم بلکہ اس کے حوالے سے تمام بنی نوع انسان کی فلاح کی فکر لاحق تھی اور آپؐ اللہ تعالیٰ سے اس کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے متمنی تھے۔

فصل:

شہداء و مجروحین اُحد کی تلاش

ابن اسحٰق غزوۂ احد کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمن ابن ابی صعصعہ الازنی بنی نجار کے بھائی نے بیان کیا کہ غزوۂ احد کے اختتام کے فوراً بعد آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے دریافت فرمایا کہ میدانِ جنگ میں جا کر یہ معلوم کر کے کون آئے گا کہ سعد ابن ربیع زخمیوں میں ہیں یا شہید ہو گئے؟ آپؐ کے اس سوال کے جواب میں انصار میں سے ایک شخص اٹھ کر بولا: ''حضورؐ! یہ کام میں کروں گا''۔ چنانچہ وہ شخص جب میدانِ جنگ میں گیا تو اس نے دیکھا کہ سعد بن ربیع سخت زخمی حالت میں ہیں اور ان میں زندگی کی معمولی سی رمق باقی ہے۔ اس شخص نے سعد بن ربیع سے ان کے قریب جھک کر ان سے وہی کہہ دیا جو کچھ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا تھا۔ اس سے یہ سن کر ابن ربیع بولے:

''تم دیکھ رہے ہو کہ میں اب اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کرنے والا ہوں لہٰذا تم حضور نبی کریم ﷺ سے میرے سلام کے بعد عرض کر دینا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی امت کی خیر خواہی کی وہی جزا دے جس کا ایک نبی اس کے لیے مستحق ہوتا ہے۔ تم اپنی قوم یعنی سب مسلمانوں سے بھی میرا سلام کہنا اور انہیں میرا یہ پیغام دینا کہ اگر ان میں سے کسی نے اللہ کے رسولؐ کے ساتھ اخلاص و وفاداری میں ذرا بھی کمی کی تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا''۔

اتنا کہہ کر ابن ربیع رضی اللہ عنہ کی سانس اکھڑ گئی اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے بعد اس شخص نے آنحضرت ﷺ اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے پاس واپس آ کر وہ تمام باتیں دہرا دیں جو اس نے سعد ابن ربیع رضی اللہ عنہ کی زبان سے ان کے آخری وقت سنی تھیں۔

محمد بن عمر واقدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے جس شخص کو سعد ابن ربیع رضی اللہ عنہ کی بابت خبر لانے کے لیے بھیجا تھا وہ محمد بن سلمہ تھے۔ انہوں نے میدانِ جنگ میں جا کر انہیں زخمی حالت میں ڈھونڈ نکالا تھا لیکن دو بار آواز دینے کے بعد بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن جب انہوں نے ان سے کسی قدر بلند آواز میں یہ کہا کہ انہیں حضورؐ نے ان کی خیریت معلوم کرنے کے لیے بھیجا ہے تو انہوں نے بڑی کمزور آواز میں آہستہ آہستہ وہی کہا تھا جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔

متعدد مستند روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوۂ احد کے اختتام کے بعد آنحضرت ﷺ نے پورے میدانِ جنگ کا بہ نفس نفیس ایک چکر لگا کر شہداء کو دیکھا تھا اور ان کے حق میں کلمات تحسین کے بعد دعا فرمائی تھی اور انہی شہدائے احد کے بارے میں مسلمانوں کی ہدایت پر مشتمل یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴾

ابن اسحٰق اس آیت کے بارے میں بریدہ بن سفیان بن عروہ اسلمی اور محمد بن کعب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ:

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے انتہائی صبر وتحمل کا ثبوت دیا اور دشمن کی لاشوں کو جیسا کہ عرب میں دستور تھا مثلہ کرنے کی بھی مسلمانوں کو ممانعت فرما دی تھی''۔

یہ آیت مکی ہے لہٰذا سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے واقعہ اُحد سے کس طرح مربوط کیا جا سکتا ہے۔ (مؤلف)

ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر آ کر ٹھہرے تو اسے دیکھ کر آپ نے (بچشم تر) فرمایا کہ:

''ایسی مصیبت جیسی حمزہ (رضی اللہ عنہ) پر پڑی دنیا میں کسی پر نہ پڑی ہوگی''۔

آپ کو اتنا غصہ کسی اور کی لاش دیکھ کر نہیں آیا جس قدر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھ کر آیا' تاہم آپؐ نے فرمایا:

''جبریل علیہ السلام نے ابھی مجھے آ کر بتایا ہے کہ (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) ساتویں آسمان پر ''حمزہ بن عبدالمطلب اسد اللہ' اسد الرسول'' لکھ دیا گیا ہے''۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوسلمہ بن عبدالاسد رضاعی (دودھ شریک) بھائی تھے۔ ان دونوں کو ابی لہب کی کنیز ثوبیہ نے (ایک ساتھ) تین مہینے دودھ پلایا تھا۔

❀❀❀

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہدائے احد کی نماز جنازہ

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے متعدد اشخاص نے مقسم اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دھوپ سے سائے میں منگوا کر سات تکبیروں کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اسی طرح آپؐ نے دیگر شہدائے احد میں سے ہر شہید کی نماز جنازہ یکے بعد دیگرے پڑھائی اور یوں آپؐ نے الگ الگ لیکن مجموعی بہتر نمازیں پڑھائیں۔

میرے نزدیک یہ روایت غریب اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (مؤلف)

سہیلی کہتے ہیں کہ یہ بات علمائے امصار میں سے کسی فرد واحد نے نہیں بتائی۔ بہر کیف غزوۂ احد کا ذکر کرتے ہوئے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عفانؒ، حمادؒ اور عطاء بن سائب نے شعبیؒ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اس جنگ میں خواتین مجاہدین اسلام کے پیچھے پیچھے لیکن جہاں تک ہو سکا ان کے قریب رہیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی اور حسب ضرورت بلا امتیاز ان کی مرہم پٹی بھی کرتی رہیں کیونکہ اس وقت انہیں دنیا اور دنیاوی رشتوں کا مطلق خیال نہیں تھا اور مندرجہ ذیل آیت میں اللہ جل شانہٗ نے مخلص مجاہدین اسلام اور ان مسلمانوں کے علاوہ جو غفلت اور حکم رسول کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے تھے' کے (غالبًا) انہی بے لوث خواتین کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَ مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ .... الخ ﴾

احد میں جو لوگ حکم رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے تھے اور جن کی لغزش سے مسلمانوں کی فتح عارضی طور پر بظاہر شکست میں بدل گئی تھی ان میں سے سات انصار اور دو مہاجر تھے اور ساتوں انصار کفار کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے۔ شاید اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ جن لوگوں کو دشمن کی یلغار روکنے کے لیے تیر اندازی پر مقرر کیا گیا تھا اگر انصار مہاجرین میں سے ان کی تعداد مساوی ہوتی تو بہتر تھا۔

ابوسفیان نے جو کچھ کہا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم رضی اللہ عنہم کے حکم سے اسے جو جوابات دیئے تھے اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے لیکن بعض دوسری مستند روایات سے معلوم ہوا کہ ابوسفیان نے یہ بھی کہا تھا کہ:

''ذرا حمزہ (رضی اللہ عنہ) کی لاش پر تو نظر ڈالو' ہند بنت عتبہ نے اس کا کلیجہ نکال کر چبایا لیکن افسوس کہ وہ اسے نگل نہ سکی''۔

اس جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپؐ ہی کے الفاظ میں یہ دیا تھا:

''ہند حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ اس لیے نہ نگل سکی کہ اس کے جسم کے ساتھ حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم کوئی حصہ اللہ تعالیٰ کو آتش دوزخ میں جلنا منظور نہیں تھا''۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہدائے احد کے جنازوں پر الگ الگ ستر نمازیں پڑھی جانے کی وجہ بعض باخبر لوگوں نے یہ بیان کی ہے کہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ساتھ باقی دوسرے شہداء کی لاشیں ایک جگہ اکٹھی کر دی گئیں تو پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش الگ کر کے اس پر نماز جنازہ پڑھائی اور پھر اسے ایک طرف رکھ دیا گیا۔ پھر اسی طرح ہر شہید کی لاش یکے بعد دیگرے الگ کر کے اس پر نماز جنازہ پڑھائی جاتی رہی اور ان میں سے ہر ایک کو دوبارہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے برابر ایک قطار میں رکھا جاتا رہا اور اس طرح ان لاشوں پر جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش بھی شامل تھی جنازے کی نمازوں کی مجموعی تعداد ستر ہو گئی تھی۔ بخاریؒ نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے۔ جس روایت کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ سب نے ملتے جلتے الفاظ میں بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ احد میں جتنی مسلمان عورتیں موجود تھیں وہ سب اپنے اپنے قریبی عزیزوں کی لاشوں کو دیکھ کر سوگوار ہو جاتی تھیں یا گریہ زاری کرنے لگتی تھیں۔ انہی عورتوں میں صفیہ بنت عبدالمطلب بھی تھیں جو اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی حالت دیکھ کر پہلے فطرۃً زار و قطار رونے لگی تھیں لیکن انہوں نے بھی اسے ''رضائے الٰہی'' کہہ کر بڑے صبر کا ثبوت دیا تھا۔ تاہم عمرو بن جموح کی بیوی کے صبر و استقامت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی تاریخ اسلام میں بہت کم نظیر ملتی ہے۔ اسے یکے بعد دیگرے اس کے باپ، بھائی اور خاوند کی شہادت کی خبر دی گئی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے انہیں سنا ہی نہ ہو۔ وہ قدم قدم پر ہر شخص سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی سلامتی کے بارے میں پوچھتی تھی اور جب اسے ان سب نے ایک یہی جواب دیا کہ خدا کے فضل و کرم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سلامت ہیں تو اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر جب وہ اس جگہ پہنچی جہاں اس کے باپ، بھائی اور خاوند کی لاشیں پڑی تھیں تو اس کی آنکھوں میں فطرۃً آنسو اُمڈ آئے لیکن وہ فوراً ہی سنبھل کر بولی:

''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ تینوں خدا کی راہ میں اس کے دین اسلام اور اس کے رسول پر بشوق قربان ہو گئے''۔

غزوۂ احد کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مسجد میں منبر سے حاضرین کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو لشکر قریش کے مقابلے میں فدایانِ اسلام کی تعداد حد سے زیادہ کم ہونے کے باوجود ان کے اتنی تعداد میں شہید ہونے کا فطری طور پر افسوس ضرور ہوا لیکن اس سے زیادہ اس کی خوشی ہوئی کہ ان سب نے فرداً فرداً خدا کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے آخرت کمائی اور اس کے نزدیک بلاشبہ سرخرو ہو گئے''۔ (حدیث کا مفہومی ترجمہ)

یاد رہے کہ اکثر مستند روایات کے مطابق شہدائے احد کو ان کے زخموں سے چور چور جسموں کی وجہ سے بغیر غسل دیئے دو دو تین تین کر کے ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا اور ان میں سے اکثر کو ایک ہی کفن دیا گیا تھا اور زندہ بچ جانے والے مجاہدین اسلام کو یہ کہتے سنا گیا تھا کہ ''کاش ان شہداء کی جگہ ہم ہوتے'' شہیدوں کے زخموں سے چور چور جسموں کو دیکھ کر وہ کہتے تھے کہ:

''اللہ کی راہ میں ان جان دینے والوں کے یہ زخم تر و تازہ گلاب کے پھولوں کی طرح مہکیں گے بلکہ ان سے مشک کی خوشبو آئے گی''۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کیونکہ جیسا بعض مستند روایات سے معلوم ہوا ان شہیدوں کے مقابر پر ان کا کوئی عزیز فاتحہ کے لیے جب بھی گیا

اسے بلا استثناء ہر قبر سے مشک وعنبر کی خوشبو آتی محسوس ہوئی۔

جیسا کہ ابن ماجہ نے محمد بن یحییٰ، اسحاق بن محمد الفروی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی زبانی ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن جحش اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ شہید ہو گئے ہیں تو وہ بولیں: ''اللہ اس پر رحم فرمائے'' اور پھر ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ کہہ کر خاموش ہو گئیں لیکن انہیں جب ان کے شوہر کی شہادت کی خبر دی گئی تو وہ پہلے تو دم بخود رہ گئیں اور پھر آبدیدہ ہو گئیں پھر جب اس کا ذکر آنحضرت (ﷺ) سے کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ عورت کی نظر میں اس کے شوہر سے عزیز تر دنیا کی کوئی شے نہیں ہوتی۔

آنحضرت ﷺ کی احد سے مدینے کو واپسی

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ (ﷺ) غزوۂ احد سے فراغت کے بعد مدینے کی طرف واپس روانہ ہوئے تو آپ کو راستے میں مکے سے آتا ہوا ایک شخص ملا۔ آپؐ نے اس سے ابوسفیان اور اس کے ساتھی ایک جگہ پڑاؤ ڈالے ملے تھے جہاں اس نے ابوسفیان کو اپنے ساتھیوں سے کہتے سنا کہ جو جان و مال وہ احد میں لٹا آئے ہیں اس پر افسوس نہ کریں نہ مایوس و بد دل ہوں کیونکہ قوم کی شوکت اور ولولہ ابھی ان میں باقی ہے' اس لیے عروہ مسلمانوں سے مقابلے کے لیے ایک بار پھر تیاری کریں اور اب کے انہیں نیست و نابود کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ اس شخص کی زبان سے یہ سن کر آپؐ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں میں جانے کا ارادہ فرمایا اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دیا۔ عبداللہ ابن ابی نے کہا کہ اس مہم میں وہ بھی آپؐ کے ہمرکاب ہوگا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ قریش کے تعاقب میں صرف جنگ میں آزمودہ کار لوگ جائیں گے۔

محمد بن اسحٰق اپنی کتاب مغازیہ میں لکھتے ہیں کہ غزوۂ احد نصف ماہ شوال گزرنے کے بعد وقوع پذیر ہوا تھا اور اس دن سنیچر کا روز تھا اور اگلے روز یک شنبہ تھا اور اسی روز آپؐ نے اپنے منتخب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ابوسفیان کے تعاقب کا ارادہ فرمایا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب ہر طرح تیاری کے بعد آنحضرت ﷺ کے معلن نے آپ کی اجازت سے آپ کی اور آپؐ کے منتخب صحابہ رضی اللہ عنہم کی روانگی کا اعلان کیا تو بنی عبدالاشہل کے ایک شخص نے کہا کہ وہ اور اس کا بھائی گزشتہ روز غزوۂ اُحد میں شریک تھے لیکن آج شدید زخموں کی حالت میں مدینے واپس جا رہے ہیں:

"تاہم اگر ہم کسی سواری پر سوار ہونے کے قابل ہوتے تو نبی کریم ﷺ ہمارے جذبہ جہاد کے پیش نظر ممکن تھا کہ ہمیں بھی اس مہم میں شرکت کی اجازت دے دیتے"۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے ہمراہیوں نے جہاں تک ہو سکا ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا حتیٰ کہ آپؐ حمراء الاسد تک جا پہنچے جہاں سے ایک قریبی راستہ مدینے کو جاتا تھا اور مدینہ وہاں سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا لیکن اس وقت تک ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکے کی طرف بہت دور جا چکا تھا۔ اس لیے آپؐ نے حمراء الاسد میں دوشنبہ' سہ شنبہ اور چہار شنبہ کو قیام فرمایا اور اگلے روز مدینے کی طرف روانہ ہو گئے جہاں آپؐ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرما آئے تھے۔
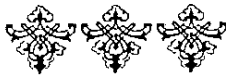
واقعہ احد پر شعرائے عرب کا سرمایہ شعری

واقعہ احد پر عرب کے مسلم وغیر مسلم دونوں شعراء نے کثرت سے شعر کہے ہیں۔ مسلم شعراء نے اس سلسلے میں جو اشعار کہے ہیں وہ دراصل عرب کے ان مشہور ومعروف شعراء کے جواب میں کہے گئے ہیں جنہیں عہد جاہلیت سے اپنے فن شعر گوئی پر ناز تھا اور ان کے ان اشعار میں بھی ہر جگہ اسی فخر ومباہات کا پرتو نمایاں ہے لیکن مسلم شعراء نے ان کے جواب میں جو اشعار کہے ہیں وہ بھی فنی لحاظ سے غیر مسلم شعراء کے اشعار سے کمتر نہیں کہے جا سکتے۔ ویسے آخر الذکر شعراء نے اپنے دینی جذبات کے اظہار میں ہر جگہ مبالغہ آرائی اور لایعنی لاف وگزاف سے دامن بچایا ہے اور صرف واقعہ نگاری پر اکتفا کیا ہے۔ یہاں یہ کہنا غالبًا بے محل نہ ہوگا کہ عرب کی رجزیہ شاعری کا دنیائے ادب میں آج تک جواب نہیں مل سکا نہ اس کی آئندہ کبھی امید ہے۔ یہ سطور قلمبند کرنے سے ہمارا مقصد موازنہ شعر وشاعری نہیں ہے بلکہ واقعہ احد کے سلسلے میں اس کے اس پہلو کو بھی تاریخی ریکارڈ پر لانا مقصود ہے۔

مؤرخین نے مسلم وغیر مسلم شعرائے عرب کے محولہ بالا اشعار کے اقتباسات بالترتیب اپنی اپنی تاریخی کتب میں دیئے ہیں جنہیں پیش کرنے سے بخوف طوالت گریز کیا گیا ہے۔

فصل:

سال سوم ہجری میں واقعہ اُحد اور دیگر واقعات کا خلاصہ

ہم پچھلے صفحات میں سال سوم ہجری کے تحت دیگر غزوات واحادث اور مہمات کے علاوہ غزوۂ اُحد کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے بیان کر چکے ہیں کہ غزوۂ احد پندرہ ماہ شوال کو وقوع پذیر ہوا تھا۔ اسی تاریخ کو ابو یعلی جنہیں ابو عمارہ بھی کہا جاتا تھا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب جنہیں حدیث نبوی کی رو سے اللہ تعالیٰ نے شیر خدا اور شیر رسول ملقب کیا تھا اور وہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رضاعی بھائی بھی تھے اور ان دونوں کے علاوہ ابوسلمہ بن عبدالاسد نے جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے رضاعی (دودھ شریک) بھائی بھی تھے اور ان دونوں کو ابولہب کی کنیز ثوبیہ نے جیسا کہ ایک حدیث نبوی سے ثابت ہو چکا ہے تین مہینے تک ایک ساتھ دودھ پلایا تھا شہید ہوئے تھے۔ واضح رہے کہ تینوں حضرات باطل کے لیے برق خاطف' بڑے صداقت پرور اور عرب کے بہادر ترین لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ غزوۂ احد میں شہادت کے روز ان کی عمریں پچاس سال سے تجاوز کر چکی تھیں۔

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ان کی بہن رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقد تو ربیع الاوّل ہی میں ہو چکا تھا لیکن ان کی رخصتی ماہ جمادی الآخر میں ہوئی۔

ابن جریرؒ نے بیان کیا ہے کہ سال سوم ہجری ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسولؐ کے بطن سے تولد ہوئے تھے اور اسی سال ان کے دوسرے بھائی حسین صلب پدر سے رحم مادر میں منتقل ہوئے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سال چہارم ہجری کے واقعات

اس سال یعنی سال چہارم ہجری ماہِ محرم میں آنحضرت ﷺ نے ابی سلمہ بن عبد الاسد ابی طلحہ اسدی کو بنی اسد کی مہم پر روانہ فرمایا تھا اور انہیں علم دے کر یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اگر یہ قبیلہ سرکشی چھوڑ کر اسلام قبول کر لے تو فبہا ورنہ ان کی متابعت کے لیے ان سے جنگ کی جائے اور ان کے لوٹے ہوئے مال کو مال غنیمت سمجھا جائے۔

واقدی متعدد حوالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ابوسلمہ غزوۂ احد میں زخمی ہو گئے تھے اور انہوں نے ماہ شوال سال سوم ہجری سے ماہ محرم سال چہارم ہجری تک سارا وقت علاج ومعالجہ میں گزارا تھا لیکن جب ماہ محرم میں آنحضرت ﷺ نے انہیں بنی اسد کی مہم پر روانگی کا حکم دیا تو وہ آپؐ کے حکم کی تعمیل کے لیے فوراً تیار ہو گئے اور ڈیڑھ سو ساتھیوں کے ساتھ قطن تک جو بنی اسد کا آبی مستقر تھا جا پہنچے۔ ابوسلمہ کی مدینے سے روانگی سے پہلے ہی خویلد کے دونوں بیٹوں طلیحہ اسدی اور سلمہ نے قبیلہ بنی اسد کے نوجوانوں کو جمع کر کے انہیں نبی کریم ﷺ کی فرستادہ جماعت سے مقابلے کے لیے مسلح کر دیا تھا لیکن حسن اتفاق سے انہی دنوں بنی اسد ہی کے ایک شخص نے مدینے آ کر اس کی اطلاع آپ کو دے دی تھی اور ابوسلمہ کی مذکورہ بالا مہم کی اصل وجہ یہی تھی لیکن ابوسلمہ اور ان کی سرکردگی میں مسلمانوں کی جو جماعت بھیجی گئی تھی اس کے قطن کے قریب پہنچنے کی خبر سنتے ہی طلیحہ' اس کا بھائی سلمہ اور ان کے ساتھی اپنا سارا مال اسباب چھوڑ کر وہاں سے فرار ہونے لگے تھے۔ تاہم ابوسلمہ اور ان کے ساتھیوں نے آگے بڑھ کر نہ صرف ان کے سامان پر قبضہ کیا بلکہ ان کے تین ممالیک (سردار) گرفتار کر لیے اور مدینے کی طرف پلٹے۔ ابوسلمہ نے اس مہم میں ہاتھ آئے ہوئے مال غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ کے لیے ایک غلام اور خمس علیحدہ کر کے باقی اپنے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں برابر تقسیم کر دیا تھا۔ بنی اسد کے اس شخص کو جس نے اس قبیلے کی بغاوت اور مسلمانوں کے مقابلے کے لیے جنگی تیاریوں کی خبر نبی کریم ﷺ کو مدینے میں پہنچائی تھی مال غنیمت میں سے سب سے زیادہ حصہ دیا گیا۔

عمر بن عثمان متعدد حوالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسد کی مہم پر آنحضرت ﷺ نے جس شخص کو بھیجا تھا وہ ابواسامہ جشمی تھے جو غزوۂ احد میں شدید زخمی ہو گئے تھے اور مدینے میں ایک جراح کے زیر علاج تھے لیکن جب نبی کریم ﷺ نے مذکورہ بالا مہم کے لیے انہیں منتخب فرمایا تو وہ اس کے لیے فوراً تیار ہو گئے لیکن جب اس مہم کے سلسلے میں دس روز مدینے سے باہر رہ کر جب واپس پہنچے تو بدقسمتی سے ان کے وہ زخم جو مندمل ہو گئے تھے اچانک پھر عود کر آئے اور کافی علاج معالجے کے باوجود وہ آخر کار ماہ

جمادی الاوّل کے اختتام سے تین روز قبل وفات پا گئے۔

متعدد مشہور روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی بیوہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آئندہ ماہ شوال میں عدت کے چار مہینے دس دن گزرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آ گئی تھیں۔ انہوں نے ماہ شوال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عقد کو شرعی لحاظ سے درست ٹھہرایا تھا۔ اس ضمن میں علمائے اسلام کے فتاویٰ پر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ماہ ذیقعدہ میں ہوئی تھی اور اس وقت ان کی عمر انسٹھ برس ہو چکی تھی۔

غزوۂ رجیع

واقدی کے بیان کے مطابق رجیع کی روداد صرف اتنی ہے کہ وہاں جو مکے اور عسفان کے درمیان اور مدینے سے صرف آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے قریش مکہ کے بعض حلیفوں نے جمع ہو کر مدینے کے مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے پخت و پز شروع کر دی تھی اور جب اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپؐ نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت دے کر انہیں ان کی سرکوبی کے لیے وہاں روانہ فرمایا تھا اور وہ اس فتنے کو دبا کر وہاں سے کامیاب و کامران مدینے واپس آئے تھے لیکن اس مہم کے ضمن میں کچھ ایسے ذیلی واقعات بھی متعدد روایات کے ذریعہ سامنے آئے ہیں جو تاریخی لحاظ سے کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس لیے یہاں انہیں بھی مختصر طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔

متعدد حوالوں کے ساتھ بخاریؒ سے مروی ہے کہ جن لوگوں کے مقابلے کے لیے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا وہ جگہ دراصل ''لحی'' کے نام سے مشہور تھی اور وہاں کے باشندوں کو مزاجاً بنولحی کہا جاتا تھا۔ وہاں املی کے درختوں کی ایک نرسری تھی جہاں سے ایک پودا مدینے لایا گیا تھا جہاں وہ تمر مدینہ کے نام سے مشہور ہوا اور بہت پھلا پھولا۔ اس سے قبل اہل مکہ املی کے نام سے واقف نہ تھے۔

عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ' عاصم بن عمر بن خطاب کے جداعلیٰ تھے۔ جب وہ اس مقام پر پہنچے تھے جسے ''فدفد'' کہا جاتا تھا تو وہاں کے باشندوں نے ان سے کہا تھا کہ ان سے اہل مدینہ کا ایک معاہدہ ہو چکا ہے لہٰذا ان کی جاں بخشی کی جائے لیکن چونکہ انہیں اہل رجیع یا بنولحیان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف بغاوت کا مرتکب پایا گیا تھا لہٰذا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ذمی نہیں ہیں اس لیے ان کی جاں بخشی نہیں کی جا سکتی۔ اس کے بعد ان کے سات آدمی جو سرکشی پر آمادہ تھے قتل کر دیئے گئے تھے اور ان لوگوں میں سے جو بھاگ کر نکل گئے تھے صرف خبیب اور زید رضی اللہ عنہما نامی دو آدمی بچے تھے۔ ان کے علاوہ ایک اور شخص بھی تھا جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ غلام تھا اور اسے مکے میں فروخت کیا گیا تھا۔ اسے خبیب رضی اللہ عنہ نے جو بنو حارث بن عامر بن نوفل میں سے تھا خریدا تھا۔ خود خبیب رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں حارث کو قتل کیا تھا اس لیے اس کے یہ کہنے کے باوجود کہ وہ لوگ اہل مدینہ کے خلاف پہلی بار بغاوت کے مرتکب ہوئے ہیں اسے اور اس کے دونوں ساتھیوں کو گرفتار کر کے مدینے لایا گیا تھا جہاں حارث کی بیٹیاں اس کے خون کی پیاسی ہو رہی تھیں۔ اسے موسیٰ کے سپرد کیا گیا تھا' جنہوں نے اسے قتل کر دیا تھا کیونکہ یہی حارث کی بیٹیوں کا مطالبہ تھا۔ قتل سے پہلے موسیٰ نے اس سے کہا تھا کہ:

''اب تو قتل ہونے سے ڈر رہا ہے لیکن تو حارث کو قتل کرتے وقت خدا سے نہیں ڈرتا تھا''۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خبیب [illegible] کو حارث کے بیٹے عقبہ بن حارث اور اس کی بیٹیوں کے سپرد کیا گیا تھا اور اسے عقبہ بن حارث نے

قتل کیا تھا۔ بتایا گیا ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ انگور کھایا کرتا تھا جن کا مکے میں آج تک وجود نہیں ہے وہ کہتا تھا کہ انگور اسے کھانے کے لیے خدا دیتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قریش مکہ نے ہر قیمت پر خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش حاصل کرنا چاہی تھی۔

بخاری متعدد حوالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ جسے خبیب رضی اللہ عنہ کے نام سے قتل کیا گیا وہ ابوسروعہ تھا جس کا نام عقبہ بن حارث تھا۔

بخاریؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابوسروعہ اور عقبہ بھائی بھائی تھے یا رضاعی بھائی تھے جن میں سے ایک مسلمان ہو گیا تھا۔

عاصم بن ثابت کی مہموں اور قتل خبیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں دوسری بہت سی روایات ہیں جنہیں مکرر ہونے کی وجہ سے اور بخوف طوالت یہاں چھوڑ دیا گیا ہے۔

❊❊❊

عمرو بن اُمیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی مہم

واقدی متعدد ثقہ راویوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابوسفیان نے ایک روز مکے میں کچھ لوگوں کو جمع کر کے یہ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینے کے بازاروں میں آزادانہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ کیا کوئی شخص مکے میں ایسا نہیں جو وہاں جا کر انہیں قتل کر دے؟ اس کے بعد ایک شخص رات کے وقت ابوسفیان کے مکان پر پہنچا اور اس سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی مہم وہ سر کرنے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ اسے ضروری سامان فراہم کر دیا جائے۔ ابوسفیان نے اسے کافی رقم دی اور اس کی درخواست پر ایک اونٹ بھی اس کی سواری کے لیے دے کر اس سے کہا: تمہاری اس مہم کی ہماری طرف سے سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ اس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے ورنہ تمہاری جان کی خیر نہیں۔ اس شخص نے کہا کہ وہ اس کے بارے میں کسی اور کے سامنے منہ سے بھاپ بھی نہیں نکالے گا اور ابوسفیان کے پاس سے چلا آیا۔ پھر وہ اگلے دن منہ اندھیرے ہی اپنی اس مہم پر روانہ ہو گیا۔ وہ مکے سے روانہ ہو کر مختلف جگہوں پر ٹھہرتا ہوا چھٹے دن مدینے جا پہنچا اور اپنے اونٹ کی مہار پکڑ کر اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ چونکہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی' اس لیے کسی نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد بنی عبدالاشہل میں پہنچ کر اس نے کسی سے کہا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے' اسے بتایا جائے کہ آپؐ سے وہ کہاں مل سکتا ہے؟ اسے مسجد نبوی کا پتہ بتا دیا گیا اور اس نے وہاں جا کر دیکھا کہ آپؐ مسجد میں اپنے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم سے گفتگو میں مصروف ہیں۔ اسے دیکھتے ہی آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ:

''اس شخص کے دل میں کھوٹ ہے لیکن میرے اور اس کے درمیان اللہ حائل ہے''۔

اسی وقت اس نے آگے آ کر کہا:

''آپ میں سے ابن عبدالمطلب کا بیٹا کون ہے؟''۔

اس کی زبان سے یہ سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں ہوں''۔

یہ سن کر وہ آپ کی طرف بڑھا اور اس طرح جیسے وہ آپ کی قدم بوسی کرنا چاہتا ہے لیکن اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کی نیت تاڑ لی' وہ اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پہلے ہی سن چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے جھپٹ کر اس کے اسی ہاتھ کو پکڑا جو وہ جھک کر اپنے پاجامے کے نیفے کی طرف بڑھا رہا تھا' اور جب اس کا وہ ہاتھ باہر نکلا تو واقعی اس میں ایک خنجر چمک رہا تھا۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ سے خنجر چھین کر اسے اچھی طرح جکڑ لیا' پھر بولے:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ نے درست فرمایا تھا' یہ آپ کا بدترین دشمن ہے۔ اس لیے اسے قتل کر دینا مناسب ہوگا بلکہ ضروری ہے''۔

تاہم آپؐ نے اسے اپنے سامنے بٹھانے کا حکم دیا اور اس سے فرمایا:

''اگر تو نے سچ بات بتادی تو تجھے معاف کر دیا جائے گا ورنہ تو اپنے کیے کی سزا پائے گا''۔

آپ کی زبان صداقت ترجمان سے یہ سن کر اس نے ساری بات اگل دی اور یہ بھی بتا دیا کہ اسے اس قبیح کام یعنی آپؐ کے قتل کے لیے ابوسفیان نے بھیجا تھا اور کامیابی پر اس سے منہ مانگے معاوضے کے علاوہ اور بھی انعام واکرام کا وعدہ کیا تھا۔ آپؐ نے اس کی یہ ساری باتیں سن کر اسے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ہی کے حوالے کر دیا اور فرمایا کہ اسے رات بھر قید میں رکھا جائے اور صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا جائے۔ جب اسے آپؐ کے حکم کے مطابق آپ کے سامنے حاضر کیا تو آپؐ نے اس سے فرمایا:

''اب تو آزاد ہے' جہاں چاہے جا سکتا ہے لیکن اس سے بہتر ایک اور بات بھی ہے''۔

اس نے پوچھا: ''وہ کیا؟''

آپؐ نے فرمایا:

''وہ بات یہ ہے کہ تو اپنی زبان سے کہے اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد الرسول اللہ''۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ سنتے ہی اس نے یہ کلمہ پڑھا اور صدق دل سے مسلمان ہوگیا۔ پھر بولا:

''واقعی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ اعلیٰ ترین سیرت وکردار کا بہترین نمونہ ہیں آپؐ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور درحقیقت آپؐ حق پر ہیں اور آپ کا دین بھی دین حق ہے جب کہ ابوسفیان بداعمالوں کا بدترین نمونہ اور شیطانی گروہ میں سے ایک ہے۔ میری کم عقلی نے مجھے غلط راستے پر ڈال دیا تھا اس لیے میں انسان' انسان میں فرق نہ کر سکا''۔

اس شخص کی یہ باتیں سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور اسے جانے کی اجازت دے دی جس کے بعد اس کا کچھ ذکر سننے میں نہیں آیا۔ اس کے بعد آپؐ نے عمرو بن امیہ ضمری اور سلمہ ابن اسلم بن حریش کو حکم دیا کہ وہ مکے جا کر ابوسفیان کی تلاش میں رہیں اور اگر وہ غرور وتکبر کا اظہار کرے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے تو اسے فوراً قتل کر دیں۔

عمرو بن امیہ ضمری کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں وہ اور ان کے ساتھ سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ اسی روز مکے کی طرف روانہ ہو گئے اور جب وہ کئی دن کے سفر کے بعد ایک روز صبح کے وقت مکے میں داخل ہوئے تو سلمہ رضی اللہ عنہ بولے کہ کیوں نہ وہ دونوں پہلے بیت اللہ کی طرف جائیں اور اس کا طواف کر کے دو رکعت نماز ادا کر لیں لیکن انہوں نے سلمہ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ:

''اہل مکہ ظلم وشقاوت کے پتلے ہیں' اگر انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تو وہ ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے کیونکہ وہ کسی منہ زور ابلق گھوڑے سے کم نہیں ہیں''۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں کہ وہ مکے میں داخل ہونے کے بعد کچھ ہی دور آگے گئے ہوں گے کہ انہیں امیہ بن ابوسفیان ملا جو زمانہ جاہلیت میں ان کا بڑا قریبی دوست تھا۔ اس نے انہیں دیکھ کر حیرت سے پوچھا:

''عمرو! تم یہاں کہاں؟''۔

وہ بولے:

''میں اور میرا یہ ساتھی اپنے عزیزوں سے ملنے آئے ہیں''۔

ان کے اس جواب پر امیہ بن سفیان ''اچھا'' کہہ کر آگے بڑھا ہی تھا کہ انہوں نے سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''آؤ یہاں سے بھاگ چلیں کیونکہ میرے مسلمان ہونے کے بعد مجھے امیہ سے کسی بھلائی کی امید نہیں اور ویسے بھی ہم تو اس کے باپ کو قتل کرنے آئے ہیں' وہ یہاں ہماری آمد کی خبر سارے شہر میں پھیلا دے گا اور پھر اس کا جو نتیجہ ہوگا اسے تم سمجھ ہی سکتے ہو''۔

چنانچہ جیسا کہ عمرو بن ضمیہ ضمری نے بیان کیا' وہ دونوں تیز تیز چلتے ہوئے مکے سے باہر نکل کر قریب کے پہاڑی علاقے میں ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے لیکن ہوا وہی جس کا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا یعنی امیہ بن سفیان کی زبانی مکے میں ان کی آمد کی خبر سن کر مکے کے بہت سے بد باطن اور دشمن اسلام اشخاص ان کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ وہ اس پہاڑی علاقے تک بھی آئے بلکہ جس غار میں یہ دونوں چھپے ہوئے اس کے اندر جھانک کر بھی دیکھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یقیناً انہیں وقتی طور پر اندھا بنا دیا تھا کہ یہ دونوں انہیں نظر نہ آئے اور وہ یہ کہتے ہوئے کہ ''کمبخت بچ کر نکل گئے''۔ شہر کی طرف واپس چلے گئے۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ اگلے دن علی الصباح اِدھر اُدھر چھپتے چھپاتے ابوسفیان کی تلاش میں پھر مکے میں داخل ہوئے کیونکہ وہ وہاں کے چپے چپے سے واقف تھے لیکن سب سے پہلے جس شخص پر ان کی نظر پڑی وہ عثمان بن مالک بن عبیداللہ تیمی تھا' وہ اس وقت اپنے دروازے کے آگے گھوڑے کو چارہ ڈال رہا تھا۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی شور مچانا چاہا لیکن عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی آگے بڑھ کر ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے سینے میں اپنا خنجر اتار دیا اور وہ دونوں پھر بھاگتے ہوئے مکے سے باہر نکلے اور اسی غار میں دوبارہ جا چھپے۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عثمان بن مالک کو انہوں نے زمین پر تڑپتے چھوڑا تھا لیکن اس نے یقیناً مرتے مرتے بھی یقیناً کسی سے کہہ دیا ہوگا کہ اس کا یہ حال کس نے کیا ہے۔ چنانچہ حسب توقع اہل مکہ کی ایک ٹولی ان کی تلاش میں پھر اسی پہاڑی علاقے میں آ پہنچی جو مکے سے قریبی مقام پر چھپنے کی بہترین جگہ تھی اور ان میں سے کچھ لوگ اس غار کے کنارے تک بھی آ پہنچے جہاں یہ دونوں چھپے ہوئے تھے۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ساتھی سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ سے کہا: ''بالکل حرکت نہ کرنا''۔ اس کے بعد انہوں نے بیان کیا کہ ان کی اس احتیاط کے علاوہ اللہ تعالیٰ جل شانہ' کی مرضی بھی یقیناً یہی تھی کہ وہ انہیں نظر نہ آئیں۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ مزید کہتے ہیں کہ اس کے بعد ان کا مکے میں مزید رکنا اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالنا تھا' اس لیے وہ دونوں رات ہوتے ہی مدینے کی طرف واپس چل پڑے اور وہاں پہنچ کر سارا ماجرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا۔

چونکہ اس مہم میں عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ہی پیش پیش رہے تھے' اس لیے اس مہم کو ''عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی مہم'' کہا جاتا ہے۔ (مؤلف)

[illegible] لیکن عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ساتھی کا نام [illegible]

بیئر معونہ کی مہم

بیئر معونہ کی مہم سال چہارم ہجری کے ماہ صفر میں وقوع پذیر ہوئی تھی لیکن اغرب مکحولؒ بتاتے ہیں کہ اس کا زمانہ وقوع غزوۂ خندق کے بعد ہے۔

بخاریؒ متعدد حوالوں کے ساتھ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ستر آدمیوں کی ایک جماعت جسے قراء یعنی قاریوں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا مدینے کے گردونواح میں اس وقت تک نازل شدہ قرآن کی تعلیم کے لیے بھیجی تھی لیکن جب وہ لوگ اس جگہ پہنچے تھے جسے بیئر معونہ کہا جاتا ہے تو بنی سلیم نے انہیں تعلیم القرآن سے روکا تھا اور جب انہوں نے کہا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے وہاں آئے ہیں تو ان دشمنان اسلام نے اس پوری جماعت کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اغرب مکحولؒ بتاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان شہداء کے حق میں ایک مہینے تک صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھ کر دعا فرماتے رہے تھے۔ اسی قسم کی ایک روایت مسلمؒ، حماد بن سلمہؒ کی زبانی ثابت اور انس کے حوالے سے بیان کی ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ قبائل رعل وذاکوان وعصیہ بیئر معونہ کے المناک واقعے سے قبل دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کا ساتھ دیتے رہے تھے' اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس انصار کے ستر قاریوں کی ایک جماعت بھیجی تھی تا کہ وہ انہیں آیات قرآنی کے صحیح لب و لہجے کے ساتھ تعلیمات قرآنی سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع فراہم کرے اور ان قاریوں کا عمل وہاں بلغو اعنا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا و ارضانا کی تعبیر تھا۔

بخاریؒ مزید فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وہاں ام سلیم کے بھائی حرام کو ان ستر قاریوں کے ساتھ روانہ فرمایا تھا لیکن وہاں مشرکین کے ایک سردار عامر ابن طفیل سے ان کی مڈبھیڑ ہوگئی جس نے ایک بار نبی کریم ﷺ سے کہلایا تھا کہ اگر اہل السہل میں سے ہیں تو میں ''اہل المدر'' میں سے ہوں۔ لہٰذا اس صورت میں دو ہی باتیں ممکن ہیں کہ یا تو میں آپ کا خلیفہ بن جاؤں یا عمر بھر آپ سے جنگ کرتا رہوں۔ اسی عامر بن طفیل نے مذکورہ بالا قبائل کو بھڑکا کر مسلمانوں کے خلاف کر دیا تھا اور ان کے ساتھ مل کر حرام کے سوا جو معذور تھے سب کو تہ تیغ کر دیا تھا۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس اہل مدینہ کے ساتھ ان کے معاہدوں کی یاددہانی کے لیے ایک قاصد بھیجا تھا لیکن عامر بن طفیل نے اسے بھی قتل کر دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اور اس کی تائید اکثر اہل خبر نے کی ہے کہ ابو براء عامر بن مالک بن جعفر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے عرض کیا تھا کہ اگر آپؐ کچھ داعیان اسلام کو اہل نجد کی طرف روانہ فرمائیں تو اسے یقین ہے کہ وہ اسلام قبول کر کے آپؐ کے مطیع ہو جائیں گے۔ آپ نے [illegible] اسلام کی دعوت دی تھی لیکن وہ وہاں سے مسلمان نہیں ہوا تھا۔ تاہم آ [illegible]

نے اس کے مذکورہ بالا مشورے کے بعد اہل نجد کے اسلام لانے اور اطاعت قبول کرنے کے بارے میں اندیشہ ظاہر کیا تھا تو البراء عامر بن مالک نے آپ ؐ سے عرض کیا تھا کہ اہل نجد اس کے ہمسائے ہیں وہ اس کی بات نہیں ٹالیں گے لیکن جب وہاں مسلمانوں کی ایک اور جماعت بھیجی گئی تو اس کا بھی وہی حشر ہوا لیکن ان میں سے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اس لیے گرفتار کرنے کے بعد بھی چھوڑ دیا گیا تھا کہ ماں کی طرف سے ان کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا۔ ان کے ساتھ ان کے ایک انصاری ساتھی کو بھی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس سانحے کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ان کے اس انصاری ساتھی ہی نے دی تھی۔ اس خبر پر اظہارِ افسوس فرماتے ہوئے آپ ؐ نے ارشاد فرمایا تھا:

''ہماری یہ لڑائی بے دین لوگوں سے تھی''۔

غزوۂ بنی نضیر

غزوۂ بنی نضیر کی وقوع پذیری کے بارے میں راویوں میں اختلاف ہے۔ بعض اسے واقعہ بدر کے بعد اور واقعہ احد سے پہلے کا واقعہ بتاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ احد کے بعد اور واقعہ خندق سے پہلے کا ہے۔

بہر کیف چونکہ اس قبیلے کی سرکشی اور فتنہ پروری کی خبریں آنحضرت ﷺ کو ایک عرصے سے مسلسل پہنچ رہی تھیں' اس لیے احکام الٰہی کے مطابق جیسا کہ ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے اسے راہِ راست پر لانے کے لیے آپ مدینے سے روانہ ہوئے تھے۔ اس قبیلے سے بھی اہل مدینہ کا معاہدہ تھا کہ جب ان لوگوں سے یعنی اہل مدینہ سے کسی کا مقابلہ ہوا تو وہ ان کا ساتھ دے گا لیکن جب کچھ یہودیوں کی سرکوبی کے لیے مدینے سے مجاہدوں کو روانہ کیا گیا تو وہ اس معاہدے سے پھر گئے تھے بلکہ اس کے بعد جب قاصدوں کو تنبیہی خط دے کر ان کے پاس روانہ کیا گیا تو انہوں نے انہیں بھی قتل کر دیا تھا۔ اس لیے ان سے اس کا محاسبہ اور ان کی سرکوبی لازم تھی۔ چنانچہ آپؐ نے وہاں پہنچ کر سات راتوں تک ان کا محاصرہ جاری رکھا اور چونکہ انہی ایام میں شراب کی حرمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا تھا' اس لیے اس قبیلے کی جائے پناہ کے گرد جو کھجور کے درخت تھے اور جن کے پھلوں سے وہاں کے لوگ شراب تیار کرایا کرتے تھے۔ آپؐ نے انہیں کٹوا کر ان میں آگ لگوا دی۔ اس پر انہوں نے بہت واویلا کرتے ہوئے آپؐ سے کہلوایا کہ:

''آپ تو اپنے بقول فتنہ وشر کو دبانا چاہتے ہیں لیکن آپؐ نے تو یہاں آ کر خود ہی اس کی ابتداء کی ہے''۔

آپؐ نے اس کا جو جواب دیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد صلح وصفائی کے امکانات روشن ہو گئے تھے کیونکہ وہ ہتھیار ڈالنے پر رضامند ہو گئے تھے اور آپؐ نے دوسری صورت سے ان کے اس مالی نقصان کی تلافی کا انہیں یقین دلایا تھا لیکن اسی روز انہیں بنی عوف بن خزرج کے کچھ لوگوں کی طرف سے جن میں عبداللہ بن ابی بھی شامل تھا پیغام ملا کہ وہ بنی نضیر کے لیے کمک لے کر آ رہے ہیں اور یہ پیغام ملنے کے بعد بنی نضیر کچھ اور تن گئے اور انہوں نے مسلمانوں سے جنگ کا تہیہ کر لیا۔ اسی دوران میں خیبر کے یہودیوں کا ایک قافلہ مال و دولت اور تجارتی سامان سے لدا پھندا شام سے لوٹ کر اسی راستے خیبر جا رہا تھا۔ لہٰذا یہ ممکن نہ تھا کہ اس قافلے کو جس کے ساتھ ساتھ یہودیوں کی عورتیں اور بچے بھی تھے اور عورتیں بیش قیمت زیورات پہنے چھم چھم کرتی اور دفوں پر گاتی بجاتی جا رہی تھیں' اطمینان سے گزرنے دیا جاتا۔ اس کے علاوہ چونکہ خیبر کے یہودیوں اور بنی نضیر کی ساز باز کا علم آنحضرت ﷺ کو ہو چکا تھا۔ اس لیے اس قافلے کو روکنے اور اس سے مال غنیمت کے حصول کو آپ نے روا رکھا بلکہ قافلے والے اپنی جانیں بچانے کے لیے اپنی ساری دولت اور دیگر سامان خود ہی چھوڑ بھاگے اور مسلمانوں کو اس کا مالک بنا گئے اور پھر اسے بطور مال غنیمت حصہ رسد احکام شریعت کے مطابق تقسیم کر دیا گیا جس کا جواز مندرجہ ذیل آیت شریفہ سے بھی ملتا ہے:

﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ ما فی السموات وما فی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ .... الخ ﴾

بخاری فرماتے ہیں اور یہی روایت مسلم نے بھی کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو بنی نضیر کے کھجوروں کے درخت کٹوا کر انہیں جلوا دیا تھا ان کی حلت مندرجہ بالا اس حکم سے:

﴿ ما قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً علی اُصُولِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ ﴾

میں پائی جاتی ہے۔

بنی نضیر کی شکست کا اندازہ سطور بالا سے لگایا جا سکتا ہے۔ (مؤلف)

عمرو بن سعدی قریظی کی قصہ

بنی نضیر بنی قریظہ سے بلحاظ شرافت کہیں بہتر تھے۔ مدینے سے ان کا اخراج مسلمانوں کے خلاف ان کی ہنگامی سازشوں کی وجہ سے ہوا تھا اور پھر جب وہ وہاں سے نکل کر دوسری جگہ آباد ہوئے تو اسلام کے خلاف ان کی ضد کی وجہ سے ان کی بستی کو خدا نے کھنڈرات میں تبدیل کر کے انہیں اہل بصیرت کے لیے وجہ عبرت بنا دیا تھا لیکن آخر کار ان کی نگاہوں کے سامنے اسلام اور اللہ کے رسول کی وہ حقانیت آ ہی گئی جس کا ذکر وہ توریت میں پڑھ چکے تھے۔

واقدی کہتے ہیں کہ جب بنونضیر مدینے سے نکلے اور اس کے بعد مسلمانوں سے بلاوجہ پرخاش رکھنے اور ان سے خواہ مخواہ جنگ کی وجہ سے ان کی بستی کا جو حال ہوا اسے ایک دفعہ عمرو بن سعدی قریظی نے ادھر سے گزرتے ہوئے دیکھا اور جب وہ وہاں سے آگے بڑھ کر بنی قریظہ کی بستی میں پہنچا تو اس بستی کے لوگ یہودی عبادت گاہ میں تھے۔ چنانچہ اس نے عبادت گاہ کا ناقوس بجا دیا جسے سن کر سب لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے۔ ان میں سے زبیر بن باطا کی نظر جب اس پر پڑی تو وہ بولا:

''ارے ابوسعید! تم آج تک کہاں تھے؟ زبیر بن باطا کے اس حیرت آمیز سوال کی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے کبھی اپنی بستی سے اتنے دن غیر حاضر نہیں رہا تھا''۔

عمرو بن سعدی نے زبیر بن باطا کو جواب دیا:

''میں یہاں سے اتنے عرصے باہر رہنے کی وجہ تو تمہیں پھر کبھی بتاؤں گا' پہلے یہ سنو کہ میں نے آج یہاں آتے ہوئے جو عبرت آموز چیز دیکھی ہے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے''۔

زبیر بن باطا نے پوچھا: ''وہ کیا؟''۔

عمرو نے کہا:

''اپنے رشتہ دار اور دوست بنی نضیر کے ویران مکان جن کی کسی دریچی سے اب کوئی متنفس جھانکتا نظر نہیں آتا۔ مدینے سے نکلنے سے قبل بھی وہ کافی خوش حال تھے لیکن اپنی اس نئی بستی میں تو ان کی شان وشوکت' ثروت وامارت اور جاہ وحشم کا کوئی اندازہ تک نہیں لگا سکتا لیکن آج ان کی وہی شان دار بستی کسی خرابے یا کھنڈر سے کم نہیں ہے''۔

اس کے بعد اس نے کہا:

''مجھے یقین ہے کہ ان کا یہ انجام اس لیے ہوا کہ انہوں نے پہلے مدینے میں محمد (ﷺ) کی مخالفت کی تھی' پھر اس نئی بستی میں آباد ہو کر بھی وہ ان کی مخالفت اور ہمیشہ ان سے جنگ پر کمربستہ رہے حالانکہ جہاں تک میرے مطالعے کا تعلق ہے' میں نے ان کے بارے میں بشارت صاف پڑھی ہے۔ اس کے علاوہ تم اپنے سب سے بڑے یہودی عالموں ابن ہیبان

ابو عمیر اور ابن حراش سے پوچھ سکتے ہو جو یہاں بیت المقدس سے علوم یہودیہ میں منتہی ہو کر لوٹے ہیں۔ ان سے پہلے بھی ہمارے ہاں کے کچھ بڑے راہب بھی جواب یہاں مدفون ہیں یہی کہتے تھے۔ چنانچہ میرے خیال میں ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت میں عجلت کرنی چاہیے''۔

ابن باطا بولا:

''ہاں میں نے بھی کتاب باطاس میں محمد کی تعریف پڑھی ہے''۔

عمرو بن سعدی کی یہ باتیں سن کر کعب بن اسد نے کہا:

''پھر اے عبدالرحمٰن تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع سے کس نے روکا ہے؟''۔

عمرو بن سعدی نے جواب دیا:

''اے کعب! تم نے کیونکہ ہم لوگوں میں اب تو تورات کی تعلیمات سے قطع نظر صرف تمہاری چلتی ہے' جو بات تم کہتے ہو سب لوگ اس پر عمل کرتے ہیں''۔

یہ جملہ روایت بیہقی کی ہے۔

غزوۂ بنی لحیان

غزوۂ بنی لحیان کے بارے میں بیہقی نے اپنی کتاب ''دلائل'' میں تفصیلی گفتگو کی ہے اور ابن اسحٰق نے ہشام کی طرح اس کے متعلق بتایا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ خندق اور واقعہ بنی قریظہ کے بعد پیش آیا تھا۔ ان آخر الذکر حضرات نے بیہقی کے بیان میں اعتماد کیا ہے اور اس کی وقوع پذیری کو ہجرت کے دو سال بعد ماہ جمادی الاوّل میں بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ خبیب اور ان کے ساتھیوں کو بنی لحیان میں پیش آنے والے واقعات کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس قبیلے کی گوشمالی کے لیے وہاں کا قصد فرمایا تھا۔ بیہقی مزید کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ آپ کا قصد بنی لحیان کے علاقے میں جانے کا نہیں ہے شام کا راستہ اختیار کیا تھا کیونکہ آپؐ قریش کو اس کی خبر ہونا نہیں چاہتے تھے لیکن جب آپؐ شام کے راستے سے مڑ کر بنی لحیان کی حدود میں پہنچے تو اس قبیلے کے لوگ پناہ لینے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔

یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کہ اگر آپؐ عسقان کی طرف سے بنی لحیان تشریف لے جاتے تو قریش سمجھتے کہ مسلمانوں نے آپ کی قیادت میں مکے کا قصد کیا ہے۔ تاہم آپؐ نے اس کے بعد عسقان ہی کا رخ کیا۔ اس وقت آپؐ کے ہمراہ دو سو مجاہدین تھے۔ عسقان پہنچ کر آپؐ نے صلاۃ الخوف ادا فرمائی اور دو سواروں کو آگے روانہ فرمایا جو ''کراع الغمیم'' تک جا کر واپس آئے اور آپ کو اطلاع دی کہ قریش کا ایک مسلح گروہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں وہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔

امام احمدؒ، عبدالرزاق، نوری کی زبانی منصور، مجاہد اور ابن عیاش کے حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر راویوں نے بتایا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے جب آپؐ عسقان پہنچے تھے تو آپؐ نے وہاں ظہر کی نماز ادا فرمائی تھی۔ اس کے بعد نماز عصر مسلمانوں نے آپ کی امامت میں اور آپؐ ہی کے حکم سے اس طرح ادا کی کہ نمازیوں کی دو جماعتیں اس طرح الگ الگ کی گئیں کہ ایک جماعت نے پہلے نصف نماز پڑھی اور دوسری جماعت پہلی جماعت کو تحفظ دینے کے لیے الگ کھڑی رہی اور جب پہلی جماعت نماز سے فارغ ہوئی تو دوسری جماعت نماز کے لیے اس کی جگہ آ گئی اور پہلی جماعت نماز کی ادائیگی تک اس دوسری جماعت کو تحفظ دیتی رہی یہی بات دوسری بار بھی کی گئی۔ یوں آنحضرت ﷺ نے ان دونوں جماعتوں کی پوری نماز کے لیے باری باری امامت فرمائی۔

امام احمدؒ مذکورہ بالا حوالوں کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اس طریقے سے آنحضرت ﷺ نے دوبارہ نماز ادا فرمائی۔ ایک بار عسقان اور دوسری مرتبہ بنی سلیم میں ادا فرمائی تھی اور پہلی نماز ظہر کے وقت یہ آیت اتری تھی:

﴿ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ﴾

صحیحین کی روایات سے ثابت ہے کہ یہ نماز جسے ''صلاۃ الخوف'' یا ''صلاۃ الحرب'' کہا جاتا ہے غزوۂ خندق اور غزوۂ خیبر میں بھی

اس طرح ادا کی گئی تھی جسے دیکھ کر مشرکین نے کہا تھا:

''ان لوگوں کو نماز تو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے''۔

مغازی کے اکثر مؤرخین نے عسفان اور بنی سلیم میں مندرجہ بالا حکم الٰہی کے تحت رسول اللہ ﷺ کی ان نمازوں کا ذکر کیا ہے لیکن بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس طرح نماز ظہر اور نماز عصر کی ادائیگی کا حکم غزوۂ خیبر کے موقع پر نازل ہوا تھا۔ تاہم راویوں کی اکثریت کا اس پر اتفاق ہے کہ اس نماز کی مشروطیت کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عسفان ہی میں آیا تھا۔

خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ اس نماز کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسی نماز مسلمانوں کو پہلی بار عسفان میں پڑھتے دیکھا تھا اور وہیں مکے کے کچھ مشرکین نے یہ کہا تھا کہ (شاید) ''نماز تو انہیں اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے''۔ بہر کیف ہم ''صلاۃ الخوف'' یا ''صلاۃ الحرب'' کی مشروطیت پر ان شاء اللہ آگے چل کر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

غزوۂ ذات الرقاع

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ غزوۂ بنی نضیر سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے ماہ ربیع الثانی اور ماہ جمادی الاوّل کا کچھ حصہ مدینے میں بسر فرمایا جس کے بعد آپؐ نے نجد کی طرف روانگی کا قصد فرمایا تا کہ بنی محارب اور قبیلہ غطفان کے بنی ثعلبہ سے نمٹا جائے جس کے بارے میں کچھ عرصے سے سرکشی کی اطلاعات آ رہی تھیں۔ مدینے سے روانگی کے وقت آپؐ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو وہاں اپنی نیابت کے لیے مقرر فرمایا۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے مدینے میں اپنی نیابت کے لیے عثمان رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مدینے سے روانگی کے بعد سفر کرتے ہوئے جہاں ایک درخت کے قریب آپ نے مجاہدین اسلام کو پڑاؤ کا حکم دیا تھا اس جگہ کا نام اسی درخت کی وجہ سے ذات الرقاع تھا اور اس درخت کو اب تک ذات الرقاع ہی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے اس غزوے کو بھی تاریخ میں غزوۂ ذات الرقاع بیان کیا جاتا ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ اس نام کی وجہ سے قریبی پہاڑ ہے جس کے پتھر کٹے پھٹے اور تیر لگے یعنی سرخ سیاہ اور سفید ہیں۔ البتہ ابوموسیٰ اس نام کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس مقام تک پہنچتے پہنچتے اس غزوے میں شریک مجاہدین کی ایڑیاں اور ٹخنے گرمی کی شدت سے پھٹ گئے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب غطفانیوں سے مجاہدین اسلام کا سامنا ہوا تو غطفانیوں نے لڑائی میں پہل نہیں کی اور جناب رسول کریم ﷺ کا حکم تو ہر جگہ یہی ہوتا تھا کہ لڑائی میں پہل ہرگز نہ کی جائے۔ بہرکیف آپؐ نے وہاں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ''صلاۃ الخوف'' ضرور ادا فرمائی۔ یہاں ''صلاۃ الخوف'' کی ادائیگی کا ذکر ابن ہشام نے کئی حوالوں سے کیا ہے لیکن اس میں غزوۂ نجد یا غزوۂ ذات الرقاع کا ذکر نہیں کیا نہ انہوں نے غزوۂ خندق سے قبل اس کا کہیں ذکر کیا ہے البتہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے اہل نجد' غطفانیوں اور بنی ثعلبہ سے مقابلے کے وقت نبی کریم ﷺ کی امامت میں ''صلاۃ الخوف'' ادا کی تھی۔ بخاریؒ ''صلاۃ الخوف'' کا آغاز غزوۂ خیبر کے بعد بتاتے ہیں اور اس کے لیے ابوموسیٰ اشعری کے علاوہ کئی اور سندات پیش کرتے ہیں کچھ روایات میں جن کے راویوں میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اس کی ابتداء غزوۂ خندق سے بیان کی گئی ہے۔ ان روایات کو صحیح بخاری میں بھی پیش کیا گیا ہے۔

واقدی کی یہ روایت کہ غزوۂ ذات الرقاع یا غزوۂ نجد کے لیے آنحضرت ﷺ کی روانگی مدینے سے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی چار سو یا بعض لوگوں کے بقول سات سو افراد پر مشتمل جماعت کے ساتھ سنیچر کے روز اس وقت ہوئی تھی جب ماہِ محرم سال پنجم ہجری کے دس روز گزر چکے تھے محل نظر ہے کیونکہ اس سے صلاۃ الخوف کی مشروطیت غزوۂ خندق کے بعد بھی خلافِ واقعہ ہو جاتی ہے کیونکہ غزوۂ خندق تو جیسا کہ مشہور ہے ماہ شوال سال چہارم ہجری میں واقع ہوا جو کہ مستند روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

غورث بن حارث کا قصہ

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع ہی کے موقع پر جب مسلمانوں کا مقابلہ غطفان ومحارب سے ہوا تھا تو غورث نے جو انہیں میں کا ایک شخص تھا ان سے کہا تھا کہ ''کیا تم چاہتے ہو کہ میں محمد کو قتل کر دوں؟'' ان لوگوں نے کہا: ''ہم چاہتے تو ہیں مگر تم انہیں کس طرح قتل کرو گے؟'' وہ بولا:

''میں ان کے معتقد کی حیثیت سے یا بطور قاصد ان کے پاس جاؤں گا اور پھر تم سن لینا کہ میں نے انہیں قتل کر دیا ہے''۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ غورث اپنے ان لوگوں سے یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایسا ظاہر کیا کہ وہ اپنی قوم کی طرف سے کوئی پیغام لایا ہے اور اس کی گفتگو سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسلمان ہونے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن اس نے آپ کی تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''آپؐ اپنی یہ تلوار دیکھ رہے ہیں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''ہاں دیکھ رہا ہوں'' اس نے آپؐ کی تلوار اٹھا کر آپؐ سے کہا: ''کیا آپ مجھ سے خائف نہیں ہیں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''نہیں'' اس کے بعد وہ بولا: ''اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''اللہ'' یہ سن کر اس نے تلوار میان سے نکال کر آپؐ پر حملہ کرنا چاہا لیکن تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور ایسا معلوم ہوا کہ ایسے ہی مواقع سے دو چار ہونے پر مسلمانوں کے حق میں مندرجہ ذیل وحی آپؐ پر نازل ہوئی:

﴿ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ .... الخ ﴾

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بنی نضیر کے بھائی عمرو بن جحاش سے متعلق ہے لیکن انہوں نے بھی اس کا نام غورث ہی بتایا ہے لیکن ایک دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت آپ کی تلوار درخت کی اس شاخ پر ٹنگی ہوئی تھی جس کے نیچے آپؐ تشریف فرما تھے اور غورث نے وہ تلوار وہیں سے اتاری تھی اور اس کے بعد وہی واقعہ پیش آیا جس کا سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس دوسری روایت میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت نے غورث کو مسلمان ہونے کی ہدایت فرمائی تھی۔ تاہم وہ مسلمان تو نہیں ہوا لیکن اس نے آپؐ سے یہ عہد کر لیا تھا کہ وہ آپؐ کے مقابلے میں پھر کبھی نہیں آئے گا اور نہ کبھی آپؐ سے جنگ کرنے والوں کا ساتھ دے گا۔

بیہقی نے غزوۂ ذات الرقاع کا ذکر کرتے ہوئے جہاں اس موقع پر صلاۃ الخوف کا ذکر کیا ہے وہیں یہ واقعہ بھی اسی طرح بیان کیا ہے جیسے مذکورہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ صلاۃ الخوف کا یہ ذکر حافظ بیہقی نے کتاب الاحکام میں کیا ہے۔ واللہ اعلم

اس عورت کا قصہ جس کا شوہر گم ہو گیا تھا

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے ان کے چچا صدقہ بن یسار نے عقیل بن جابر اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر جہاں آنحضرت ﷺ نے مدینے سے روانگی کے بعد پہلی بار ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا وہاں ایک عورت جس کا نام بعد میں یومزان بتایا گیا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ اس کا شوہر آپ کی خدمت میں یہیں آیا تھا لیکن واپس نہیں پہنچا۔ چنانچہ اس شخص کو اِدھر اُدھر تلاش کیا گیا لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ وہ بولی:

''اگر میرے شوہر کا پتہ نہ چلا تو میں بھی یہیں جان دے دوں گی''۔

اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھے تو وہ عورت بھی پیچھے پیچھے لگی چلی آئی لیکن کچھ دیر کے بعد خود بخود غائب ہوگئی۔

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ اس منزل کے بعد آنحضرت کا پڑاؤ ایک پہاڑ کی گھاٹی میں ہوا تو آپؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ اس رات کو پہرے پر کون رہے گا؟ جس پر ایک مہاجر اور ایک انصاری نے اس کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ محمد بن اسحاق کے بقول وہ دو اشخاص عمار بن یاسر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہما تھے۔ ان دونوں نے باہم مشورہ کر کے طے کرنا چاہا کہ ان میں سے اوّل شب کون پہرہ دے گا اور آخر شب پہرے پر کون ہوگا۔ مہاجر نے اوّل شب کے لیے اپنی خدمات پیش کیں تو ان کا ساتھی انصاری ان کے ساتھ نماز پڑھ کر سو گیا۔ اور مہاجر پہرہ دینے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے محسوس ہوا کہ کچھ فاصلے پر کوئی شخص کھڑا ہے۔ چنانچہ اس نے فوجی قواعد کے مطابق پہلے بلند آواز میں پکار کر دو بار پوچھا: ''کون ہے؟'' لیکن جب دوسری بار بھی کوئی جواب نہ ملا تو اس نے اسے دشمن کا کوئی جاسوس سمجھ کر اس کا نشانہ لیا اور تیر چلا دیا۔ نشانہ خطا نہیں ہوا تھا لیکن وہ شخص پھر بھی اس طرح تنا کھڑا تھا۔ مہاجر نے دوسرا تیر چلایا اور پھر تیسرا لیکن وہ شخص اب تک اسی طرح کھڑا تھا۔ یہ دیکھ کر اس پہرے دار نے اپنے انصاری ساتھی کو بیدار کر کے سارا ماجرا سنایا۔ پھر ان دونوں نے گھاٹی کے کنارے پہنچ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ البتہ ایک خوب صورت بڑا سا پرندہ ایک ستون نما ابھرے ہوئے پتھر کے پاس مردہ پڑا تھا۔

ان دونوں پہرے داروں نے جب صبح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پچھلی رات کا واقعہ سنایا اور اس پرندے کو بھی پیش کیا تو آپؐ نے ان سے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے:

''کوئی شخص آیا ضرور تھا لیکن ان چٹانوں میں یہ پرندہ بسیرا کر رہا تھا اور اس کی آہٹ سن کر پھڑ پھڑایا تھا تو اس شخص نے اسے مار ڈالا اور خود فرار ہو گیا۔ اس پرندے کی پھڑ پھڑاہٹ پر پہلا پہرے دار چونکا تھا اور پھر آواز دینے کے بعد ادھر

سے جواب نہ ملنے پر کسی جاسوس کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے تین تیر اس جانب پھینکے لیکن وہ تینوں تیر اس ستون نما ابھرے پتھر پر لگے کیونکہ تمہیں خبردار دیکھ کر اس شخص نے اسی پتھر کی آڑ لے لی تھی اور پھر چپکے سے فرار ہو گیا۔ میں تصور میں یہ سب باتیں دیکھ رہا ہوں۔ بہر حال یہی پرندہ ہمارے آڑے آیا۔ یہ اتنا خوبصورت پرندہ اپنی جان سے گیا۔ لیکن ہمارے لیے اس کے فرخ فال ہونے میں کچھ شک نہیں ہے''۔

واقدی نے جہاں اس موقع پر ''صلاۃ الخوف'' کی تفصیل بیان کی ہے اس کے ساتھ ہی اس واقعے کو بھی تفصیلاً بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کا قصہ

ابن اسحٰق کہتے کہ ان سے وہب بن کیسان نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے انہی کی زبانی یہ قصہ بیان کیا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب وہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں غزوۂ ذات الرقاع کے لیے مدینے سے روانہ ہو کر اس درخت کے قریب ٹھہرے جسے لوگ ذات الرقاع کہتے تھے اور اسی درخت کے نام سے اس غزوے کا نام بھی ابھی تک غزوۂ ذات الرقاع چلا آتا ہے اور پھر وہاں سے آگے روانہ ہوئے تو ان کا بوڑھا اونٹ چلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''جابر رضی اللہ عنہ! تم اس اونٹ کا کوڑا یا اس درخت سے ایک لکڑی ہی توڑ کر مجھے دے دو۔ پھر دیکھو کہ یہ اونٹ کس طرح دوڑتا ہے''۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابھی آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے ہی تھے کہ ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا کیونکہ اب ان کا اونٹ دوسرے مجاہدوں کے اونٹوں سے بھی تیز رفتار سے چل رہا تھا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حیران دیکھ کر غالباً اس اونٹ کے بارے میں میری حیرت کم کرنے کے لیے مجھ سے دریافت فرمایا: ''جابر تمہاری شادی ہوگئی ہے'' میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے والد نے جو سات کنیزیں اپنی زندگی میں خریدی تھیں ان میں سے ایک کنیز مجھے دی تھی اور میں نے اسی سے شادی کر لی تھی۔ پھر غزوۂ احد میں ان کی شہادت کے بعد میرے حصے میں بس یہ بوڑھا اور کمزور اونٹ ہی آیا ہے''۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان سے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

''کیا تم یہ بوڑھا اور کمزور اونٹ میرے ہاتھ ایک درہم میں فروخت کرو گے؟''۔

پھر خود ہی فرمایا: ''چلو دو درہم لے لو''۔

پھر اس کے بعد دوسری منزل تک آپ اس ناکارہ اونٹ کی قیمت بڑھاتے ہی چلے گئے حتیٰ کہ آخر میں آپؐ نے اس کی قیمت ایک فوطیہ (پاؤ چھٹانک) سونا تک لگا دی۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے اس کریمانہ طرزِ عمل پر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی لیکن آپؐ نے انہیں رضامند دیکھ کر وہ آخری قیمت انہیں اسی وقت ادا فرما دی۔ تاہم ان سے وہ اونٹ مدینے میں واپسی کے بعد بھی طلب نہ فرمایا تو انہوں نے خود ہی اپنی بیوی کے ہاتھ اسے آپ کی خدمت میں بھجوا دیا۔ آپؐ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی

بیوی نے اس اونٹ کو مسجد کے دروازے کے قریب درخت کی شاخ سے باندھا تو آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا: ''بی بی تمہارا شوہر کہاں ہے؟'' وہ بولی: ''حضورؐ وہ گھر ہی پر ہیں''۔ پھر جب آپؐ نے اس کے شوہر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا تو دوڑ کر انہیں بلا لائی اور جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا پھر نہایت شفقت سے ارشاد فرمایا:

''جابر رضی اللہ عنہ! تمہیں مبارک ہو کہ تمہارے باپ نے شہادت پائی ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا جان و مال خود خرید رکھا ہے''۔

جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ ﴾

اور پھر وہ اپنے ارشاد کے مطابق:

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ﴾

ان کے اعمال حسنہ سے زیادہ اضافہ فرماتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ مومن شہادت کے بعد مردوں میں شامل نہیں ہوتے بلکہ زندہ رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت میں رہ کر کھاتے پیتے رہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾

اس کے بعد آپؐ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

''شہیدوں کی جان و مال اللہ تعالیٰ کا خصوصی عطیہ ہوتے ہیں جس کی قیمت ساری کائنات بھی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا تم اپنا اونٹ لے جاؤ اور میں نے تمہیں اس کی قیمت کے طور پر جو کچھ دیا ہے اسے میری طرف سے انعام سمجھو''۔

(حدیث کا مفہومی وتشریحی ترجمہ)

عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس واقعے کے بارے میں فرمایا:

''انسان کے لیے اس کی روح تک اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہوتی ہے۔ اس لیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ان کے اونٹ کی جو قیمت دی تھی وہ بھی خدا کا عطیہ ہی تھی اور آپؐ نے ان کا جو اونٹ واپس کیا وہ بھی ان کے لیے عطیہ خداوندی ہی سمجھ کر کیا''۔

اس واقعے کو حافظ بیہقی نے ''کتاب الدلائل'' میں (''دلائل النبوۃ'') کے عنوان سے پیش کیا ہے۔

غزوۂ بدر آخر

غزوۂ بدر آخر وہی غزوہ ہے جس کے لیے ابوسفیان نے احد سے پسپا ہوتے ہوئے آخری بار ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کو دعوتِ مبارزت دی تھی اور آپؐ نے اسے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر قبول فرمالیا تھا جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع سے مدینے واپسی کے بعد رسول اللہ (ﷺ) نے وہاں جمادی الاوّل کے باقی دن اور جمادی الآخر اور رجب کے دونوں مہینے گزارے پھر موعودہ مقام بدر کے قصد سے ماہ شعبان کے آغاز میں مدینے سے روانہ ہوئے۔ یہ میعاد اتنی ہی تھی جس کے بعد ابوسفیان نے دوبارہ بدر میں آکر مسلمانوں سے جنگ کا وقت مقرر کیا تھا۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول کے بیٹے عبداللہ کو مدینے کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مدینے سے روانہ ہوکر نبی کریم ﷺ سیدھے بدر پہنچے اور آٹھ روز تک ابوسفیان کی آمد کا انتظار فرماتے رہے۔

ادھر ابوسفیان جب مکے سے اپنے ساتھی مشرکین قریش کو ساتھ لے کر ظہران کی سرحد مجنہ پہنچا یا جیسا کہ بعض لوگ بیان کرتے ہیں عسفان تک آیا تو وہاں چند روز قیام کے بعد اسے مکے واپسی کی سوجھی۔ لہٰذا وہ اپنے ساتھیوں سے بولا:

''اے اہل قریش! تم جانتے ہو کہ اس مہینے میں ہم اپنے درختوں کی دیکھ بھال اور ان کی آبیاری کرتے ہیں اور اس مہینے میں سیر ہوکر دودھ بھی پیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ مہینہ ویسے بھی جہاں تک مجھے معلوم ہے ہمارے حق میں لڑائی کے لیے خوش آئند نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس وقت ہم واپس لوٹ چلیں اور پھر کسی دوسرے مناسب موقع پر مسلمانوں سے بدر میں آکر دو دو ہاتھ کریں''۔

چنانچہ مشرکین قریش ابوسفیان کی اس رائے سے انصاف کرتے ہوئے مکے واپس چلے گئے لیکن انہوں نے دوسروں کے سامنے اپنی ندامت مٹانے کے لیے اس بے فائدہ مہم کا نام ''جیش سویق'' یعنی مکے سے باہر جاکر ستو یا شراب پینے والا لشکر رکھ دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ اتنے دن مکے سے باہر شراب نوشی کرنے اور داد عیش دینے گئے تھے۔

ادھر جب رسول اللہ (ﷺ) کو بدر میں ٹھہرے ہوئے آٹھ دن گزر گئے تو آپؐ کے پاس مخشی بن عمرو ضمری آیا جس نے غزوۂ ودان کے موقع پر بنی ضمرہ کی طرف سے آپ سے گفتگو کی تھی۔ اس نے آپ سے کہا:

''یا محمد! کیا آپؐ قریش مکہ سے مقابلے کے لیے بدر کے اس آبی مقام تک آئے ہیں؟''۔

آپؐ نے اسے جواب دیا:

''یہ درست ہے لیکن تمہارے سامنے بنی ضمرہ کے ساتھ (غزوۂ ودان کے موقع پر) جو ہمارا معاہدہ ہوا تھا اگر تم اسے توڑنے میرے پاس آئے ہو تو یہ الگ بات ہے''۔

مخشی بن عمرو ضمری نے جواب دیا:

''میں تو آپ کی خدمت میں صرف یہاں آپ کی آمد کا مقصد معلوم کرنے آیا تھا ورنہ نہیں آپ کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کو توڑنے کا خیال تک نہیں ہے''۔

چونکہ قریش مکہ کی آمد کے انتظار میں اب کافی وقت ہو چکا تھا اور اس کے علاوہ مخشی بن عمرو ضمری سے مندرجہ بالا گفتگو کے بعد بنی ضمرہ کی طرف سے بھی مخاصمت کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ بدر سے مدینے واپس تشریف لے آئے۔

واقدی کا بیان ہے کہ آنحضرت (ﷺ) اس دفعہ پندرہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ماہ ذی قعدہ سال سوم ہجری میں مدینے سے بدر کی طرف روانہ ہوئے تھے اور اپنی جگہ مدینے میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا لیکن یہ واقعہ یعنی سال سوم ہجری میں آپ کا مدینے سے بدر کا قصد تو غزوۂ بدر اوّل کا ہے اور اس موقع پر بھی آپ مدینے سے ماہ شوال میں بدر کی طرف روانہ ہوئے تھے جس کا تفصیلی ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اس لیے غزوۂ بدر آخر کے بارے میں ہم ابن اسحاق (رحمۃ اللہ علیہ) ہی کی روایت کو درست سمجھتے ہیں بلکہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اب کے مسلمان بدر سے ایک درہم کے دو درہم کر کے لوٹے تھے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴾

فصل:

سال چہارم ہجری کے واقعات کا خلاصہ

ابن جریر کہتے ہیں کہ اس سال ماہ جمادی الاوّل میں رقیہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ نے وفات پائی' ان کی عمر اس وقت چھ سال تھی' ان کی نماز جنازہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی اور انہیں قبر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ نے اتارا۔

کہا جاتا ہے کہ اسی سال ابوسلمہ عبداللہؓ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم مخزومی قرشی نے بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برأہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے وفات پائی۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ انہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو ثوبیہ نے جو ابولہب کی کنیز تھی ایک ساتھ دودھ پلایا تھا۔ ابوسلمہ، ابوعبیدہ، عثمان بن عفان اور ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم چاروں ہی ایک دن مسلمان ہوئے تھے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مکے سے حبشہ کو ہجرت کی تھی جہاں ان کی اولاد بھی پیدا ہوئی تھی۔ پھر وہ حبشہ سے مکہ واپس آ کر پہلے خود وہاں سے دوبارہ ہجرت کر کے مدینے گئے تھے اور پھر اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بھی' جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے' وہیں بلوالیا تھا۔ وہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد دونوں میں شریک ہوئے تھے لیکن غزوۂ احد میں بڑے شدید زخمی ہو گئے تھے اور بعد میں انہی زخموں کی تکلیف سے وفات پا گئے تھے۔ ان کی اس شدید علالت' ان کی حد درجہ تکلیف اور وفات کے بارے میں صرف ایک ہی روایت ہے جسے ہم آگے چل کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد کے ذکر سے قبل ان شاء اللہ تفصیلاً بیان کریں گے۔ (مؤلف)

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ اسی سال یعنی سال چہارم ہجری میں ماہ شعبان کی چند راتیں گزرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت امام حسینؓ' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ اسی سال ماہِ رمضان المبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ بنتِ خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ ہلالیہ سے شادی کی تھی۔

ابوعمرو بن عبدالبر نے علی بن عبدالعزیز جرجانی کے حوالے سے پہلے بیان کیا کہ اس سال آپؐ کے عقد میں آنے والی میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن بنت حارث تھیں لیکن بعد میں اس کی تصحیح کر کے بتایا کہ وہ زینب بنت خزیمہ بن حارث ہی تھیں۔

زینبؓ بنت خزیمہ بن حارث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وہی زوجہ تھیں جنہیں عموماً ام المساکین کہا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مساکین پر حد سے زیادہ مہربان تھیں اور انہیں ہمیشہ صدقات وخیرات سے بہت زیادہ نوازتی رہتی تھیں لیکن ان کی طرف سے یہ صدقات ماہِ رمضان المبارک میں خصوصاً بہت بڑھ جاتے تھے۔ وہ آپ کی زوجیت میں آنے سے قبل طفیل بن حارث کی بیوی تھیں جس نے انہیں طلاق دے دی تھی۔

ابوعمر بن عبدالبر علی بن عبدالعزیز جرجانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ طفیل بن حارث سے طلاق کے بعد ان سے طفیل کے بھائی عبیدہ بن حارث نے نکاح کر لیا تھا لیکن ابن اثیر نے اپنی کتاب ''غابہ'' میں بیان کیا ہے کہ طفیل بن حارث سے طلاق کے بعد وہ عبداللہ بن جحش کے عقد میں آئی تھیں جو غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے۔

ابوعمر کہتے ہیں کہ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران ہی میں وفات پا گئی تھیں اور یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی زوجیت کا دوران کی وفات تک دو تین ماہ سے زیادہ نہیں رہا۔

واقدی کہتے ہیں کہ اسی سال ماہِ شوال میں آنحضرت ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنت ابی امیہ سے عقد کیا تھا جو اس سے قبل ابوسلمہ بن عبدالاسد کے نکاح میں تھیں لیکن غزوۂ احد میں وہ زخمی ہو گئے تھے۔ تاہم اس وقت ان کے زخم علاج کے بعد ٹھیک ہو گئے تھے اور انہوں نے ایک مہم میں بھی حصہ لیا تھا جس میں انہیں بطور مالِ غنیمت بہت ساز رنقد اور سامان ملا تھا لیکن اس مہم کے بعد ان کے پہلے زخم پھر عود کر آئے تھے اور انہی کی شدید تکلیف کی وجہ سے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' وہ سترہ دن بعد جب کہ ماہ جمادی الاوّل سال چہارم ہجری کے تین روز باقی تھے۔ وفات پا گئے تھے اور ان کی زوجہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے عقد کر لیا تھا آپؐ نے جب عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا تھا تو انہوں نے کہا:

''ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بعد میری غیرت تقاضا نہیں کرتی نہ اجازت دیتی ہے کہ میں کسی اور کی زوجیت میں جاؤں۔ اس کے علاوہ میرے بچے ابھی صغیر سن ہیں' ان کی کفالت کون کرے گا؟''۔

اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

''جوان بیوہ کا دوسری شادی نے انکار عذابِ الٰہی کا باعث ہوتا ہے اور تمہارے بچوں کی کفالت کے لیے خدا اور خدا کے رسول ﷺ کافی ہے' کیا تمہیں ان پر اعتماد نہیں ہے؟''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے وہ قائل ہو کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ عقد پر راضی ہو گئی تھیں۔

آپؐ کے ساتھ اس نکاح کے بارے میں از روئے شریعت امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، اور امام مالکؒ کی جو آرائیں ہیں ان پر ہم ان شاء اللہ اپنی کتاب احکام الکبیر میں کتاب النکاح کے تحت تفصیلی گفتگو کریں گے۔

امام احمدؒ مختلف حوالوں سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیان کرتے ہیں جنہوں نے فرمایا:

''ایک روز ابوسلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہو کر میرے پاس آئے تو بولے: ''آج میں نے رسول اللہ (ﷺ) سے جو بات سنی اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی''۔ آپؐ نے فرمایا: ''جب کسی مسلمان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ گھبراتا نہیں بلکہ اس پر صبر کرتا ہے اور ناامید نہیں ہوتا اور اللہ سے دعا کرتا ہے کہ 'یا اللہ مجھے اس مصیبت میں صبر کی توفیق دے اور اس کا بہتر اجر دے اور اس کے ذریعہ میرے آئندہ نیک مقاصد میں اضافہ فرما دے اور مجھے ان پر عمل کی توفیق عطا فرما''۔ (حدیث کا تشریحی ترجمہ)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے ان کی زبانی رسول اللہ (ﷺ) کا جو ارشاد سنا تھا

اس پر عمل کیا لیکن میں سوچتی تھی کہ ان کی وفات پر جو میں نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی اس سے بہتر جزا کے لیے دعا مانگی تو ابو سلمہؓ سے بہتر آخر مجھے کیا مل سکتا ہے؟ پھر جب رسول اللہ (ﷺ) نے مجھے نکاح کا اپنے لیے پیغام بھیجا اور میں نے چارو ناچار آپؐ سے عقد کر لیا تو اس کے بعد میں نے ایک روز آپؐ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) مجھے معاف فرما دیجیے کہ میں اوّل اوّل یہ سوچ کر آپؐ کے ساتھ نکاح پر رضا مند نہ تھی کہ میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے بعد کسی دوسرے مرد کی بیوی کیسے بنوں کیونکہ میری غیرت مجھے اس سے روکتی تھی۔ اس کے علاوہ مجھے اپنی زیادہ عمر اور اپنے بال بچوں کا بھی خیال تھا کہ میرے نکاح کے بعد ان کا کیا ہوگا یعنی ان کی پرورش اور نان نفقے کا کون ذمہ دار ہوگا لیکن پھر میں نے سوچا کہ کہیں میں اپنی اس سوچ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی مستحق نہ ٹھہروں اس لیے آپؐ سے عقد کی اجازت دے دی''۔

یہ سن کر رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

''میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ غیرت وحمیت کے اظہار پر تمہیں اللہ تعالیٰ عذاب دے گا نہ تمہاری عمر کا مجھے خیال تھا نہ اس کا ذکر کیا تھا کیونکہ خود میری عمر بھی کچھ کم نہ تھی۔ رہی تمہارے بال بچوں کی بات تو تمہارے بچے بھی اب میرے ہی بچے ہیں''۔ (حدیث کا بامحاورہ مفہومی وتشریحی ترجمہ)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ انہوں نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر جو صبر کیا تھا اور اس پر خدا سے بہتری کی امید رکھی تھی وہ اس صورت میں پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے یقینی طور پر بہتر شوہر رسول اللہ (ﷺ) کی شکل میں عطا فرمایا جو ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ہی سے بہتر نہیں بلکہ ساری بنی نوع انسانی میں بہترین ہیں۔

یہ روایت ترمذی ونسائی نے حماد بن سلمہ کی زبانی ثابت اور ابن عمر بن ابو سلمہؓ کے حوالے سے پیش کی ہے اور ابن ماجہؒ نے اسے ابی بکر بن ابی شیبہ' یزید بن ہارون' عبدالملک بن قدامہ اور ان کے والد قدامہ اور عمر بن ابو سلمہؓ کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ ابو سفیان کی دھمکی کے جواب میں مقررہ وقت پر موعودہ مقام یعنی بدر تک پہنچے اور وہاں آٹھ روز تک مسلسل قیام کے بعد بھی اور ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کی آمد کے کچھ آثار نظر نہ آئے تو آپؐ وہاں سے واپس مدینے تشریف لے آئے اور مدینے ہی میں ماہِ ذوالحجہ کے ختم ہونے تک قیام فرمایا اور یہ سال سال چہارم ہجری تھا۔

واقدی کہتے ہیں کہ اسی سال یعنی سال چہارم ہجری میں رسول اللہ (ﷺ) نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ کتاب یہود کا مطالعہ کریں اور صحیح بخاری میں درج روایت کے مطابق انہوں نے یہ مطالعہ پندرہ دن میں ختم کر لیا تھا۔ واللہ اعلم

سال پنجم ہجری کے واقعات

غزوۂ دومۃ الجندل:

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ سال چہارم ہجری میں غزوۂ بدر آخر کے بعد سال پنجم ہجری میں آنحضرت ﷺ غزوۂ دومۃ الجندل کے لیے مدینے سے تشریف لے گئے۔ ابن ہشام اسے اس سال کے ماہ ربیع الاوّل کا واقعہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس موقع پر آپؐ نے مدینے کی حفاظت ونگرانی کے لیے سباع بن عرفتہ غفاری کو مقرر فرمایا تھا۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ وہاں کے راستے میں آپ کا مشرکین کے کسی گروہ سے سامنا نہیں ہوا۔ اس لیے آپ کسی سے جنگ کے بغیر مدینے واپس تشریف لے آئے تھے اور باقی سال وہیں گزارا تھا۔

واقدی اپنے شیوخ اور اسلاف کی ایک جماعت کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (ﷺ) نے دومۃ الجندل یعنی شام کی سرحد کے اس قریبی مقام کا قصد فرمایا تھا تو اس کی وجہ قیصر روم کی طرف وہاں گڑبڑ کی اطلاع تھی اور آپ کو بتایا گیا تھا کہ دومۃ الجندل میں قیصر کے لوگ کثرت سے جمع ہو کر وہاں کے لوگوں پر ظلم کر رہے ہیں اور وہاں خرید وفروخت کے لیے انہوں نے بازار لگا رکھے ہیں اور وہ عنقریب مدینے پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ اسی لیے آپؐ مدینے سے دومۃ الجندل کے ارادے سے ایک ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کو باقاعدہ مسلح کر کے روانہ ہوئے۔ آپؐ نے قریبی راستہ بتانے کے لیے بنی عذرہ کا ایک رہبر لے لیا تھا جسے ''رہبر خیریت'' کہا جاتا تھا۔ آپؐ دن بھر سفر فرماتے اور رات کے وقت قیام فرماتے تھے۔ اس کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ جب آپؐ دومۃ الجندل کے قریب پہنچے تو مذکورہ بالا رہبر نے بتایا کہ اس سے ذرا آگے بنی تمیم کی بستی تھی جو آپؐ کے وہاں پہنچنے پر آپؐ کے پاس آ کر طرح طرح کی باتیں بتا رہے تھے۔ اس لیے آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ دومۃ الجندل روانہ فرمایا جس نے لوٹ کر بتایا کہ اس بستی کا ایک ایک شخص عیسائیوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر بستی خالی کر کے اِدھر اُدھر بھاگ گیا ہے۔ تاہم ان کے ہاتھ قیصر کا ایک آدمی لگ گیا تھا جسے گرفتار کر کے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی اور وہ اسے قبول کر کے مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ مدینے واپس تشریف لے آئے تھے۔

واقدیؒ کے بیان کے مطابق اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے مدینے سے باہر ایک مہینہ گزارا تھا۔

غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب

غزوۂ خندق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائی ہیں:

﴿ یـٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْجَآءَ تْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا .... الخ ﴾

ہم نے ان آیات شریفہ کی مکمل تفسیر اپنی ''کتاب التفسیر'' میں بیان کی ہے۔ یہاں ہم صرف متعلقہ واقعے پر مختصر گفتگو کریں گے۔

ابن اسحٰق' عروہ' ابن زبیر' قتادہ اور بیہقی نیز جملہ علمائے سلف وخلف نے بیان کیا ہے کہ غزوۂ خندق ہجری سال پنجم کے دوران ماہِ شوال میں واقع ہوا تھا۔ تاہم موسیٰ بن عقبہ نے زہری کے حوالے سے بتایا ہے کہ غزوۂ خندق کا واقعہ ماہ شوال سال چہارم ہجری میں گزرا تھا۔ امام مالکؒ بن انس نے احمد بن حنبلؒ کی زبانی موسیٰ بن داؤد کے حوالے سے اس سلسلے میں جو روایت پیش کی ہے اس میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔ البتہ بیہقی یہ بھی کہتے ہیں کہ ان جملہ حضرات کی مراد سال چہارم ہجری سے متفقہ طور پر یہ ہے کہ یہ واقعہ سال چہارم کے بالکل آخر میں یا سال پنجم کے اختتام سے قبل گزرا تھا۔

بہرکیف اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ غزوۂ احد کے بعد مشرکین جن کا سربراہ ابوسفیان تھا جاتے جاتے مسلمانوں کو بدر کے مقام پر ایک اور جنگ کی دھمکی دیتے گئے تھے لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے وہ عسقان ہی تک دوبارہ آئے تھے اور وہیں سے بہانہ بنا کر لوٹ گئے تھے۔ تاہم جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مشرکین کی دھمکی کے جواب میں بدر کے مقام موعود تک ماہ شعبان سال چہارم ہجری میں تشریف لے گئے اور وہاں آٹھ دن تک مشرکین کی آمد کا انتظار کر کے مدینے واپس آ گئے تھے۔ اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ غزوۂ خندق اس کے صرف دو مہینے بعد کا یعنی سال چہارم کا واقعہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نیز اسی سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ غزوۂ خندق کا واقعہ ماہ شوال سال پنجم ہجری ہی میں گزرا تھا۔ واللہ اعلم

غزوۂ خندق کی وقوع پذیری کے بارے میں راویوں میں اختلافات کے باوجود یہ بات اب متحقق ومشہور ہو چکی ہے اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے کہ غزوۂ خندق کا واقعہ ماہِ شوال سال پنجم ہجری میں گزرا تھا۔ واللہ اعلم

ابن اسحٰق غزوۂ خندق کے بارے میں جملہ روایات کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں یہی کہتے ہیں کہ درحقیقت یہ واقعہ ماہ شوال سال پنجم ہجری میں گزرا تھا۔

اس کے بعد ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے یزید بن رومان نے عروہ وغیرہ نیز عبیداللہ بن کعب بن مالک' محمد بن کعب قرظی'

زہری، عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر کے حوالے سے بتایا کہ:

غزوۂ خندق کی وجہ یہ تھی کہ یہود کے کچھ لوگ جن میں سلام بن ابی الحقیق نضری، حی بن اخطب نضری، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، ہوذہ بن قیس وائلی، ابوعمار وائلی اور بنی نضیر کے چند دوسرے لوگ جمع ہو کر مشرکین قریش کے پاس مکے گئے اور ان سے کہا کہ اگر وہ لوگ آنحضرت ﷺ سے واقعی پھر نبرد آزما ہونا چاہتے ہیں تو وہ ان کا ساتھ دیں گے''۔

اس پر مشرکین قریش نے انہیں جواب دیا کہ:

''تم خود اہل کتاب ہو اور محمد ﷺ کا مذہب تمہارے مذہب سے ملتا جلتا ہے، پھر تم کس بنیاد پر ہمارا ساتھ دینا چاہتے ہو جب کہ محمدؐ سے ہمارا تنازعہ محض مذہبی اختلاف کی وجہ سے ہے''۔

مشرکین قریش کی اس دلیل کے جواب میں بنی نضیر کے مذکورہ بالا یہودیوں نے ان سے کہا:

''ہمارے نزدیک تمہارا قدیمی مذہب محمدؐ کے نئے دین سے بہتر ہے اور اس کے علاوہ ہم انہیں خدا کا نبی مانتے ہی نہیں ہیں''۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف یہود کی اس سازش کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئی تھیں:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ .... الخ ﴾

جب بنی نضیر کے مذکورہ بالا افراد نے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا، مشرکین مکہ کے پاس جا کر انہیں آنحضرت ﷺ کے خلاف جنگ پر اُبھارا، ان کے دین کو دین محمدی سے قدیم تر اور بہتر بتایا اور ساتھ ہی جنگ میں ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تو مشرکین قریش حد درجہ مسرور ہوئے اور غزوۂ بدر، غزوۂ احد میں اپنی شکستوں اور جانی و مالی نقصانات کی تلافی کے لیے ایک بار پھر آپؐ کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے تو یہودیوں کی وہ جماعت شاداں وفرحاں مکے سے لوٹ کر قیس عیلان کے علاقے میں قبیلہ غطفان کے پاس آئی اور اسے بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کر کے ان سے کہا کہ صرف وہ لوگ ہی نہیں بلکہ بنی نضیر کے علاوہ دوسرے تمام قبیلے بھی ان کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوں گے اور ان سے یہ بھی کہا کہ قریش مکہ کا ایک کثیر التعداد لشکر بھی ان کے پیچھے پیچھے اس جنگ میں شرکت اور ان کی مدد کے لیے آ رہا ہے۔ یہ سن کر یہ لوگ بھی بخوشی مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ ہو گئے اور جب اس کے بعد مشرکین قریش کا جیسا کہ ان یہودیوں نے کہا تھا، ایک بھاری لشکر بھی وہاں پہنچ گیا تو قبیلہ غطفان کے قائد جن میں سے عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر کا تعلق غطفان کی ایک شاخ بنی فزارہ سے تھا، حارث بن عوف بن ابی حارثۃ المری کا بنی مرہ سے اور مسعر بن رخیلہ بن نویرہ ابن طریف بن سحمہ بن عبداللہ بن ہلال بن خلاوہ بن اشجع بن ریث بن غطفان کا تعلق خود اپنے خاص قبیلے غطفان سے تھا اچھی طرح مسلح ہو کر دوسرے تمام جنگی ساز و سامان سے بھی لیس ہو گئے تو ان کی پیروی میں ان قبائل کے دوسرے بہادر نوجوان اور جنگ میں آزمودہ کار سب لوگ ان کا ساتھ دینے کے لیے جمع ہو گئے اور پھر یہ سب لوگ مذکورہ بالا یہودیوں اور مشرکین مکہ کے اس لشکر کے ساتھ مل کر مدینے پر حملے کی تیاری کرنے لگے۔

جب نبی کریم ﷺ کو یہ اطلاع ملی اور اس کی تصدیق بھی ہو گئی تو آپؐ نے مدینے کے گرد ایک خندق کھودنے کا حکم دیا۔

ابن ہشام بعض چشم دید گواہوں کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس کا مشورہ آپ کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ طبری اور سہیلی بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں سب سے پہلے ایسی خندق منوچہر بن ایرج بن فریدون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کھدوائی تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی نمونے کی خندق مدینے کے گرد کھدوائی تھی تا کہ دشمن مدینے میں آسانی سے داخل نہ ہو سکے اور مسلمان اس کی جارحیت سے محفوظ رہیں جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہے تمام جوان اور بوڑھے مسلمانوں کے علاوہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس اس کام میں آخر تک شریک رہے۔ البتہ منافقین کا ایک گروہ اس کام میں ضعیفی کا عذر کر کے شریک نہیں ہوا۔ ویسے انہی میں سے کچھ لوگ دوسروں سے چھپ کر صرف کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانے اور آئندہ الزام سے بچنے کے لیے تھوڑا سا کام کر لیتے تھے اور آپؐ سے اجازت لیے بغیر ہی چلے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات اسی سلسلے میں نازل فرمائی تھیں:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ .... الخ ﴾

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مدینے کے مسلمان جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا خندق کی کھدائی میں برابر لگے رہے۔ انہی میں ایک شخص جعیل نامی اتنی تندہی سے کام کرتا تھا کہ دوسرے لوگ اسے عمرو کہہ کر اور کبھی ظہر کے نام سے بلانے لگے تھے حتیٰ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے انہی ناموں سے پکارنے لگے تھے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن محمد' معاویہ بن عمرو اور ابواسحٰق نے حمید کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کبھی علی الصباح سردی سے کانپنے اور دھوپ میں پسینے سے شرابور اور بھوکے پیاسے رہنے کے باوجود انتہائی تندہی سے خندق کی کھدائی میں مصروف دیکھا تو فرمایا:

''یا اللہ! عیش (درحقیقت) عیش آخرت ہے (بہرحال) ان انصار ومہاجرین کی مغفرت فرما''۔

اسی روایت کے مطابق وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تاثرات اور اپنے حق میں اللہ تعالیٰ سے رحمت ومغفرت کی دعا فرمانے کے جواب میں یک زبان ہو کر کہتے تھے:

''ہم وہ لوگ ہیں جو بدست محمدؐ جہاد کے لیے بکے ہیں اور جب تک زندہ ہیں ہمیشہ اس میں مصروف رہیں گے''۔

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں یہ روایت شعبہ کی زبانی معاویہ بن قرہ اور انس کے حوالے سے اس طرح درج ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابومعمر اور عبدالوارث نے عبدالعزیز اور انس کے حوالے سے بیان کیا کہ جب انصار ومہاجرین مدینے کے گرد خندق کھود رہے تھے تو وہ ترنم سے کہتے جاتے تھے:

نحن الذین بایعو محمدا علی الاسلام مابقینا أبدا .

اور ان کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

اللّٰهم انه لاخير الاخير الآخرة فبارك في الانصار و المهاجره

بخاریؒ یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس وقت ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھانے کے لیے جو کی روٹی کا کوئی ٹکڑا مشکل ہی سے ملتا تھا۔

بخاریؒ مزید فرماتے ہیں کہ اس موقع پر خندق سے مٹی نکالتے وقت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اور جسم مٹی سے اٹ جاتا تھا یا غبار آلود ہو جاتا تھا۔

بیہقی کہتے ہیں کہ مدینے کے گرد خندق کی کھدائی کے لیے سب سے پہلے کدال خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر اٹھایا تھا۔ بخاریؒ یہ روایت غندر کی زبانی شعبہ کے حوالے سے بیان کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ خندق کی کھدائی کے دوران میں اگر کھانے کے لیے شہر سے کوئی چیز آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے مہاجرین و انصار میں تقسیم فرما دیتے تھے لیکن جب تنوری روٹیاں زیادہ تعداد میں آتیں اور ان کے ساتھ کافی مقدار میں شہد یا گوشت آتا تو اسے بھی آپؐ ان تین سو مہاجرین وانصار میں تھوڑا تھوڑا تقسیم فرما دیتے یا کبھی کبھی خود بھی تھوڑا سا چکھ لیتے جب کہ آپ شکم مبارک پر اکثر پتھر کی پتلی سلیں باندھے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر آپ کی زبانِ مبارک پر جاری رہتا۔ البتہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں مسلسل دعا فرماتے رہتے تھے۔

بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے گرد چودہ گز چوڑی اور اسی قدر گہری خندق کھدوائی تھی اور جب اس میں سے سفید چمک دار مٹی نکال کر آپ کو دکھائی گئی تو پہلے آپؐ نے فرمایا کہ ''اس میں مجھے شام کی فتح کے آثار نظر آ رہے ہیں'' دوسری بار آپؐ نے فرمایا کہ ''اس میں کسریٰ کے محلات کے آثار ہیں اور اس میں فارس کی فتح کی نشانیاں ہیں'' اخیر میں تیسری بار فرمایا کہ ''اس مٹی میں یمن وصنعاء کی مٹی کے آثار ہیں، جنہیں مسلمان ان شاء اللہ جلد فتح کریں گے''۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپؐ کے ان اقوال مبارک میں کس قدر صداقت پوشیدہ تھی۔ (مؤلف)

متعدد مستند روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا خندق کے کامیابی سے اختتام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جنہوں نے اس خندق کی کھدائی کا مشورہ دیا تھا فرمایا تھا ''سلمان میرے اہل بیت میں سے ہیں''۔ اور ان کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ البتہ منافقین صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس محنت ومشقت پر ہنستے اور اسے کارِ فضول بتا کر انہیں طعنے دیتے رہے اور کہتے رہے کہ آپؐ انہیں مدینے کے گرد اس خندق میں قصور حیرہ اور کسریٰ کے محلات مدائن دکھا رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل آیت انہی منافقین کے بارے میں اُتری تھی:

﴿ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا ﴾

متعدد مستند روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضربات کے بعد رہ رہ کر خندق کے کنارے تشریف فرما ہو کر فرق مبارک پر اپنی ردائے پاک ڈال لیتے اور سلمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے کہ:

''اس میں منہ ڈال کر دیکھو تو تمہیں قصور قیصر وکسریٰ نظر آئیں گے جنہیں ان شاء اللہ وہی مسلمان فتح کریں گے جو اس وقت یہ خندق کھودنے میں مصروف ہیں''۔

اس کے جواب میں وہ مناظر دیکھ کر سلمان رضی اللہ عنہ عرض کرتے:

''یارسول اللہ (ﷺ) آپ نبی برحق اور صادق القول ہیں''۔

کہتے ہیں کہ جب مذکورہ بالا خندق اختتام کو پہنچی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی اس کامیابی پر خوش ہو کر اطمینان کا سانس لیا تو آنحضرت ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی

﴿ وَ تَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جن ممالک کے قصور ومحلات اوران کے گردونواح کے مناظر آنحضرت ﷺ نے سلمان رضی اللہ عنہ کو اپنی ردائے مبارک کے اندر دکھائے تھے وہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ادوار خلافت میں اور اس کے بعد مسلمانوں نے فتح کر لیے تھے اور یہ سب کچھ اسی بشارت کا نتیجہ تھا جو مذکورہ بالا خندق کی کھدائی کے وقت رب العزت نے آپ کو دی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ مسلمان اپنی بلند حوصلگی کے باوجود اس بشارت کو ایمان کامل کے سہارے حق الیقین سمجھے بغیر اتنی وسیع و عریض اور طاقت ور سلطنتیں کیسے فتح کر سکتے تھے یقیناً اسی بشارت کی بنیاد پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

ان اللّٰہ زوی لی الارض مشارقھا و مغاربھا و سیبلغ امتی مازوی لی منھا.

''یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کے کچھ مشرقی ومغربی حصے مجھے بخشے ہیں جو عنقریب میری امت کی ملکیت بنیں گے''۔

❀❀❀

فصل:

غزوۂ خندق کے بعد

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ خندق کے کام سے فارغ ہوئے تو آپؐ جیسا کہ سنا گیا تھا مشرکین مکہ اور ان کے ساتھ شریک قبائل کی مدینے کی طرف آمد کے منتظر رہے جس کے بعد حسب توقع وہ لوگ آہی پہنچے۔ مشرکین قریش اپنے دس ہزار ٹڈی دل لشکر کے ساتھ جن میں حبشیوں کی کثیر تعداد کے علاوہ ان کے حامی بنی کنانہ اور دوسرے تہامی قبائل کے لوگ بھی شامل تھے۔ جب وہ غطفان پہنچے تھے تو غطفانی قبائل بھی ان کے ساتھ ہو لیے اور اس کے بعد اہل نجد بھی ان میں شریک ہو گئے یہاں تک کہ وہ احد کی طرف ''ذنب نقمی'' تک پہنچ گئے اور ان کا رخ مدینے کی طرف ہوا تو آنحضرت ﷺ تین ہزار مجاہدین اسلام کے ساتھ مدینے سے آگے بڑھے حتیٰ کہ ان دشمنان اسلام اور مسلمانوں کے درمیان حد فاصل خندق رہ گئی۔ دشمن کے مقابل جانے سے قبل آپؐ نے مدینے کی خواتین کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی اپنی چھتوں سے لڑائی کا مشاہدہ کریں لیکن شہر کی حدود سے آگے آنے کی کسی حالت میں کوشش نہ کریں۔

جب مشرکین نے میمنہ ومیسرہ کو پھیلا کر مدینے کے بالائی اور نشیبی دونوں طرف لڑائی کے لیے محاذ بنایا تو مسلمانوں کو بھی آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے پوزیشن لینے کا حکم دیا۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس موقع پر بھی نبی کریم ﷺ نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہی کو مدینے کی اندرونی نگرانی اور انتظامات کے لیے مقرر فرمایا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل آیت اللہ تعالیٰ نے اسی موقع پر نازل فرمائی تھی:

﴿ وَاِذْ جَآؤُكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴾

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عثمان بن ابی شیبہ اور عبید نے ہشام بن عروہؓ ان کے والد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا کہ اس آیہ شریفہ کی شانِ نزول غزوۂ خندق ہی کا دن ہے۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ جب مشرکین مکہ اور ان کے حامی قبائل (احزاب) گروہ در گروہ مدینے کے گردو پیش پہنچے تو بنی قریظہ بھی ان کی مدد کے لیے آ گئے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جس وقت حیی ابن اخطب نضری اپنے قبیلے کی صفوں سے نکل کر آگے بڑھا تو یہ دیکھ کر کعب بن اسد قرظی جو اس قبیلے کے حل وعقد اور معاہدوں میں پیش پیش رہ کر ان کے معاملات طے کیا کرتا تھا بھاگتا ہوا اوّل الذکر کے قریب پہنچا اور اس سے کہا:

''اے حیی! تمہارا مقصد کیا ہے؟ کیا تم ہم سے آگے اور علیحدہ رہ کر اہل مدینہ کے خلاف جنگ میں پہل کرنا چاہتے ہو؟''۔

حیی ابن اخطب تیوری چڑھا کر بولا:

''تم میرا راستہ چھوڑ دو''۔

کعب نے کہا:

''اے حیی! مجھے تم پر افسوس ہے' میں یہاں تم لوگوں کو یہی یاد دہانی کرانے کے لیے آیا ہوں کہ محمد (ﷺ) سے ہمارا معاہدہ صلح ہو چکا ہے جس میں ان کی طرف سے اب تک سرِمو فرق نہیں پڑا ہے بلکہ وہ ہمارے ساتھ اب تک ہمیشہ بھلائی سے پیش آئے اور ایفائے عہد کے پابند رہے ہیں' پھر بتاؤ کہ میں ان کے خلاف جنگ میں کیسے شریک ہو سکتا ہوں یا تمہیں اس کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں؟''۔

حیی بولا: ''میں تم سے کہتا ہو کہ تم میرا راستہ چھوڑ دو''۔

کعب نے کہا:

''معلوم ہوتا ہے کہ تم قریش مکہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر اور مدینے کی لوٹ مار میں شریک ہو کر مال و دولت حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کیا تمہیں محمد (ﷺ) کے ساتھ اپنے معاہدے کی مطلق پروا نہیں ہے؟''۔

حیی ابن اخطب نے جواب دیا:

''چلو یہی سہی لیکن کیا تمہیں بھی محمد (ﷺ) کی طرف اپنے اس عمل کے صلے میں مال و دولت اور انعام و اکرام کی خواہش نہیں ہے؟ جبکہ تم مجھے یقین ہے قریش مکہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ تکلیف اٹھا کر یہاں تک صرف اسی لیے آئے ہو''۔

یہ سن کر کعب نے یہ کہتے ہوئے حیی ابن اخطب نضری کا راستہ چھوڑ دیا کہ:

''بہر حال میں اس معاملے میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں اور اب اپنے لوگوں کی حفاظت کے تم خود ذمہ دار ہو''۔

موسیٰ بن عقبہ بتاتے ہیں کہ حیی ابن اخطب اور کعب کی اس گفتگو کے باوجود بنی قریظہ اور بنی نضیر کی بعد میں گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ اگر قریش مکہ ان کے ان نوے معزز لوگوں کو چھوڑنے کا وعدہ کریں جو ان کے پاس کسی معاہدے کے تحت رکے ہوئے تھے تو وہ آنحضرت ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ صلح توڑ کر ان کا ساتھ دینے کو تیار ہیں اور اس کے بعد جب قریش مکہ نے موقع غنیمت جان کر اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے یہ وعدہ کر لیا تو یہ لوگ آپؐ سے نقض معاہدہ پر تیار ہو گئے جن میں خود کعب بن سعد نضری بھی شامل تھا لیکن بنی سعد کے اسد' اسید اور ثعلبہ ان کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے آپ کی طرف چلے آئے۔

جب آنحضرت ﷺ کو بنی نضیر اور بنی قریظہ کے بارے میں نقض عہد کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ان کے پاس سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو ان دنوں بنی اوس کے سردار تھے اور سعد بن عبادہ جو بنی خزرج کے سردار تھے بھیجا اور وہ کسی نہ کسی طرح ان کے

پاس پہنچ گئے اور وہاں جا کر ان سے کہا کہ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدۂ صلح کی پابندی کرنا چاہیں تو صرف اتنا کریں کہ مشرکین مکہ کا ساتھ دینے کی بجائے اپنے اپنے گھروں کولوٹ جائیں۔ اس پر بنی نضیر تو نیم راضی تھے لیکن بنی قریظہ اپنی بات پر اڑے رہے بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے سے ہی انکار کر دیا اور بولے:

''کون محمدؐ؟ وہی جنہوں نے تم مسلمانوں کو فارس وروم کی فتح قیصر وکسریٰ کے قصور ومحلات اوران کی دولت کثیر پر قبضے کے خواب دکھائے ہیں لیکن پہلے وہ ان سے صرف اپنی جان ہی بچا کر دکھا دیں' ہم ایسے جھانسوں میں آنے والوں میں سے نہیں ہیں''۔

موسیٰ بن عقبہ بتاتے ہیں کہ سعد بن عباد رضی اللہ عنہ نے بنی قریظہ کو اپنی طرف سے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ کسی طرح نہ مانے۔ انہوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں بنی نضیر کے انجام سے بھی انہیں آگاہ کر کے ان سے کہا کہ کہیں بعد میں انہیں بھی انہی کی طرح بعد میں مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر ان سے معاہدۂ صلح پر مجبور نہ ہونا پڑے لیکن وہ پھر بھی اپنی ضد پر اڑے رہے تو یہ دونوں وہاں سے واپس آ گئے اور بنی قریظہ کی ضد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا اس پر آپؐ نے مجاہدین اسلام کو مشرکین کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

''مجھے بنی قریظہ کی طرف سے پہلے ہی کسی بھلائی کی امید نہیں تھی' بہر حال ہم نے اپنی طرف سے حجت تمام کر دی ہے''۔

(تشریحی ترجمہ)

موسیٰ بن قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اگلی صبح کو دونوں طرف سے کچھ لوگ آگے بڑھے لیکن ان میں ایک دوسرے پر تیراندازی وسنگ باری کے علاوہ کسی شدید جنگ یا دست بدست لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

سعید بن میبؒ کہتے ہیں کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرماتے رہے:

''یا اللہ! میں تجھ سے تیرا وعدہ پورا کرنے کی استدعا کرتا ہوں (یقیناً) تو یہ نہیں چاہے گا کہ تیری عبادت کرنے والا (زمین پر) کوئی باقی نہ رہے''۔

لیکن دوسری طرف مسلمانوں ہی میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو دیسے تو خود کو مسلمان کہتے تھے لیکن وہ بھی وہی کہتے تھے جو سعد بن معاذ اور سعد بن عباد رضی اللہ عنہ سے بنی قریظہ نے کہا تھا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعدہ کہ مسلمان بہت جلد قیصر وکسریٰ کے قصور ومحلات کے مالک بنیں گے (نعوذ باللہ) صرف وعدے ہی تک محدود تھا جب کہ آپ کا غائط تک صحیح وسلامت پہنچنا بھی ان کے نزدیک ناممکنات میں سے تھا اور تو اور خود اوس بن قیظی نے آپؐ سے کہا تھا کہ چونکہ ان کی عورتیں ان کے گھروں پر تنہا رہ گئی ہیں اس لیے اسے اور اس کے ساتھیوں کو اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت دی جائے۔

بات دراصل یہ تھی کہ یہ لوگ مشرکین سے خائف تھے اور ڈرتے تھے کہ وہ ان سے جنگ کر کے کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو منافق فرمایا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے صاف ظاہر ہے۔

﴿ وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ ...... الخ ﴾

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب مشرکین مدینے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے جو قریباً بیس شب وروز یا ایک مہینے تک جاری رہا تو اس زمانے میں رسول اللہ (ﷺ) برابر یا تو اللہ تعالیٰ سے مسلمانوں کی کامیابی کی دعا فرماتے رہے یا مجاہدین اسلام کی دلجمعی اور صبر و استقامت کی تلقین فرماتے رہے۔ تاہم اس دوران میں مشرکین کی طرف سے کبھی تیراندازی اور ادھر سے جوابی تیراندازی ہی کے سوا کوئی اور خاص لڑائی نہیں ہوئی لیکن جب اس طرح محصور رہ کر فدائیان اسلام کے مصائب میں روز بروز اضافہ ہونے لگا تو جیسا کہ عاصم بن عمر بن قتادہ زہری کے حوالے سے بتاتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کے پاس جو دونوں بنی غطفان کی قیادت کررہے تھے مدینے کے تین تازہ پھل اس پیغام کے ساتھ کچھ لوگوں کو بھیجنے کا قصد فرمایا کہ وہ آپؐ کے ساتھ پہلے معاہدہ صلح کی رو سے اور اس کی پابندی کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس چلے جائیں۔ تاہم یہ ان کی مرضی پر منحصر ہے اور اس سلسلے میں ان پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہے نیز یہ کہ اگر وہ آپؐ کے ساتھ کوئی تازہ معاہدہ کرنا چاہیں تو فی الحال زبانی کر لیں جسے بعد میں باقاعدہ ضبط تحریر میں لایا جا سکتا ہے۔ البتہ اس سے قبل آپؐ نے اس سلسلے میں پہلے سعدین یعنی سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ طلب فرمایا لیکن وہ دونوں یک زبان ہوکر بولے:

''یارسول اللہ (ﷺ) اس وقت اللہ تعالیٰ آپؐ سے جو کچھ چاہتا ہے آپؐ اس پر عمل فرمایئے' ہم ان شاء اللہ ہر حالت میں آپ کی اطاعت کریں گے۔ اس کے علاوہ بھی آپؐ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس پر صدق دل سے عمل کریں گے''۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ اہل عرب باہمی تفرقہ اندازی چھوڑ کر متحد ہوجائیں تاکہ اقوام عالم میں ان کی بے عزتی نہ ہو''۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر مذکورہ بالا دونوں حضرات یک زبان ہوکر بولے:

''یارسول اللہ (ﷺ) ہم پہلے جب متحد تھے تو شرک جیسی لعنت میں مبتلا تھے اور انہی عربوں کی طرح بتوں کو پوجتے تھے۔ اب بھی وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہم ان سے اتحاد کر کے پھر ویسے ہی ہو جائیں حالانکہ اب اللہ نے آپؐ کے ذریعہ اسلام کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے' ہمیں یقین ہے کہ جن لوگوں کو آپؐ یہ تازہ پھل بھیجنا چاہتے ہیں وہ انہیں چکھیں گے بھی نہیں وہ انہیں فروخت کردیں گے یا یونہی کسی کو دے دیں گے۔ لہٰذا ہم انہیں اپنی کوئی چیز کھانے کو کیوں دیں۔ ہم ایسا ہرگز نہیں چاہتے' ہم تو انہیں صرف اپنی تلواروں کا مزہ چکھانا چاہتے ہیں''۔

آنحضرت ﷺ نے ان حضرات کی یہ طول طویل تقریر سن کر فرمایا:

''(میرا یہ مطلب نہیں تھا جو تم سمجھتے ہو) بہرحال اب تم جیسا مناسب سمجھو کرو (یعنی میں تمہیں اس سے نہیں روکوں گا)''۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ سن کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بنی غطفان وغیرہ کے نام آپ کا تحریری پیغام منہ میں رکھ کر نکل گئے اور پھر آپؐ سے اجازت لے کر مشرکین سے جہاد کے لیے اپنی اپنی صفوں کی طرف لوٹ گئے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ بھی دوسرے وہاں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنی جگہ واپس تشریف لے گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں اور مشرکین میں کوئی قابل

ذکر بڑی جنگ تو نہیں ہوئی۔ البتہ مشرکین قریش میں سے کچھ سوار آگے بڑھ کر خندق کے کنارے تک آئے ان میں پہلا شخص عمرو بن عبدود بن ابی قیس بن عامر بن لوئی میں سے تھا اور دوسرا عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ اس کے بعد اسی طرح ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی اور ضرار بن خطاب بن مرداس جس کا تعلق بنی محارب سے تھا یکے بعد دیگرے وہاں تک آئے لیکن پھر فوراً ہی اپنی صفوں کی طرف پلٹ کر بنی کنانہ کی قیام گاہ میں چلے گئے اور ان سے کہا:

''اے کنانہ والو! کیا تم اب گھوڑوں پر سوار ہونا بھول گئے ہو؟''۔

اس کے بعد وہ دوبارہ اپنی اپنی صفوں میں کچھ دیر توقف کے بعد پھر خندق کی طرف بڑھے اور اس کے کنارے پہنچ کر اندر کی طرف دیکھتے ہوئے بولے:

''ایسا پرفریب جال عرب میں آج تک کسی نے نہیں پھیلایا''۔

پھر عمرو بن عبدود بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر خندق کے پار آ گیا اور کچھ رجزیہ کلمات کے بعد بولا:

''کون ہے جو میرے مقابلے کے لیے آئے؟''۔

اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑھ کر آگے آئے جو پیدل تھے' یہ دیکھ کر وہ بھی گھوڑے سے کود پڑا اور ان سے پوچھا:

''تم کون ہو؟''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں علیؓ ہوں''۔

اس نے پوچھا: ''علی بن عبد مناف؟''۔

حضرت علیؓ نے جواب دیا: ''علی بن ابی طالب'' اس کے بعد انہوں نے اسے دعوتِ اسلام دی لیکن اس کے انکار پر فرمایا:

''پھر میرے مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ''۔

یہ سن کر وہ بولا:

''تم چونکہ میرے بھائی کے بیٹے ہو۔ اس لیے میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''لیکن میں تو تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں''۔

یہ سن کر عمرو بن عبدود نے طیش میں آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنے گرز سے بھرپور وار کیا۔ وہ ایک انتہائی طاقت ور پہلوان تھا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وار کو خالی نہ دیتے تو یقیناً ان کا سر پاش پاش ہو جاتا لیکن انہوں نے اس کا وار خالی دے کر اپنی تلوار سے اس پر ایسا سخت وار کیا کہ وہ تڑپ کر خندق میں جا گرا اور وہیں تڑپ تڑپ کر جہنم واصل ہو گیا۔ اس کے اس طرح تڑپ کر خندق میں گرتے وقت مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تھا اور اسی نعرۂ تکبیر کو سن کر مسلمانوں کی پچھلی صفوں کے لوگ سمجھ گئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عبدود کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

ابن ہشام نے مذکورہ روایت زیادہ تفصیل سے بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ مشرکین نے عمرو بن عبدود کی لاش لینے

کے لیے دس ہزار دینار کی پیشکش کی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا تھا کہ

''ہم لاشیں رکھنا پسند کرتے ہیں نہ لاشوں کی قیمت لے کر اس کا استعمال ہمارے لیے جائز ہے''۔ (مفہومی ترجمہ)

ابن اسحٰق نے یہ روایت بیہقی کے حوالے سے بیان کی ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ مشرکین کی جس لاش کو بھی انہوں نے قیمتاً مسلمانوں سے لینا چاہا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی ایک جواب دیا تھا یعنی جس کا سطور بالا میں ذکر آ چکا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مشرکین نے عمرو بن عبدود کی لاش کی قیمت بارہ ہزار دینار لگائی تھی۔

ترمذیؒ اس روایت کو سفیان ثوریؒ کی زبانی ابن ابی لیلیٰ، حکم، مقسم اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے اسے روایت غریب بتایا ہے۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ مشرکین نے غزوۂ خندق کے موقع پر جب بھی اپنے کسی مقتول کی لاش مسلمانوں سے مانگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا:

''ہمیں اس لاش کو اپنے ہاں رکھنے سے کوئی فائدہ ہے نہ ہم مشرکین کو اسے لے جا کر دفن کرنے سے روکنا چاہتے ہیں''۔

یونس بن بکیر ابن اسحٰق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن عبدود کے بعد نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی نے اسی کی طرح مسلمانوں سے مبارز طلب کیا تھا لیکن اس دفعہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ہی وار میں دو ٹکڑے کر کے خندق کی نذر کر دیا تھا۔

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ جب نوفل حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں شدید زخمی ہو کر خندق میں گرا تو کچھ مسلمانوں نے اوپر سے اس پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ اس نے اس پر چلا کر کہا:

''اے عربو! اس طرح تکلیف دے کر مارنے سے بہتر ہے کہ تم مجھے ایک ہی دفعہ قتل کر دو''۔

اور اس کی یہ فریاد سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے خندق میں اتر کر قتل کر دیا تھا۔

بیہقی متعدد حوالوں سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ وہ بھی یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما غزوۂ خندق کے روز دوسرے بچوں کے ساتھ ایک چھت پر بیٹھے مشرکین اور مسلمانوں کی لڑائی کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ جب اس کے اختتام پر ان کے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مدینے میں لوٹ کر اپنے گھر آئے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا:

''ابا جان! یہ کن لوگوں کی لاشیں تھیں جنہیں آپ خندق سے نکال نکال کر دوسری طرف لوگوں کو دے رہے تھے''۔

بیٹے کے اس سوال پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پیار سے بولے:

''جان پدر! وہ ان مشرکین کی لاشیں تھیں جنہیں ہم نے قتل کر دیا تھا اور میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم سے انہیں اٹھا اٹھا کر مشرکین ہی کے بھیجے ہوئے لوگوں کے حوالے کر رہا تھا''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے اپنے والد جناب عباد کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت

صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب دوسری عورتوں اور بچوں کے ساتھ جناب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مکان کی چھت پر تشریف فرما تھیں جب کہ خود جناب حسان رضی اللہ عنہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق ان سب کی نگرانی پر مامور تھے۔ شام کا جھٹپٹا ہو چلا تھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جناب حسان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''ذرا دیکھئے تو سہی کہ یہ چھت پر چڑھنے کی کون کوشش کر رہا ہے؟''۔

پھر وہ خود ہی بولیں:

''مجھے تو یہ کوئی یہودی معلوم ہوتا ہے:

جناب حسان رضی اللہ عنہ چونک کر بولے:

''ٹھہریئے میں دیکھتا ہوں''۔

اتنے میں وہ خود ہی اس طرف جھپٹیں جہاں اب کسی مرد کا سر چھت کی منڈیر سے ابھر رہا تھا اور اپنا گرز لے کر اس ابھرتے ہوئے سر پر اس طرح رسید کیا کہ وہ شخص جو کوئی بھی تھا ایک لمبی چیخ کے ساتھ چھت کی منڈیر پر ہاتھ جماتے ہوئے نیچے جا پڑا۔

جناب حسان رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر بولے:

''ارے! آپؓ نے تو کمال کر دیا''۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''وہ شخص یقیناً مر چکا ہوگا لیکن وہ مرد تھا' اس لیے میں اس کے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتی۔ لہٰذا آپ نیچے اتر کر اس کی لاش اوپر لے آیئے''۔

چنانچہ جب حسان رضی اللہ عنہ مکان کی سیڑھیوں کے راستے چھت سے نیچے اتر کر اس شخص کی لاش اوپر اٹھا لائے اور جب اسے غور سے دیکھا گیا تو واقعی وہ مدینے ہی کا ایک یہودی تھا جو یقیناً اس چھت پر چڑھ کر عورتوں اور بچوں کو خوف زدہ کر کے ان کی چیخوں سے نیچے جنگی محاذ پر موجود مجاہدین کو ان کی پشت کی جانب متوجہ کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ گھبرا کر اس اچانک افتاد پر یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کہیں دشمن نے کسی طرف سے شہر پر حملہ تو نہیں کر دیا اس طرف متوجہ ہوں اور مشرکین مکہ کو جن سے مدینے کے یہ یہودی اور کچھ دوسرے منافقین پہلے ہی سے ساز باز کر رہے تھے خندق پار کر کے سامنے سے شہر پر حملہ کرنے اور اس میں داخل ہونے کا موقع مل جائے۔

یحییٰ بن عباد نے مذکورہ بالا حوالوں سے بتایا کہ جناب حسان بن ثابت نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اس حیرت انگیز کارنامے پر ان کی مدح میں متعدد اشعار بھی کہے تھے۔

موسیٰ بن عقبہ غزوۂ خندق کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ مشرکین نے مدینے کا قریباً ایک مہینے تک اس طرح محاصرہ کیے رکھا جیسے وہ اپنے کسی بڑے سے بڑے دشمن کے ناقابل تسخیر قلعے کا محاصرہ کیے پڑے ہوں۔ ان کا جو شخص بھی دن کے یا رات [illegible] کے ہاتھ [illegible] قتل [illegible] ان کی بہت سے جنگجوئی مجاہد اسلام سے

دست بدست لڑائی میں کام آ چکے تھے۔ آخر انہوں نے تنگ آ کر یہ طریقہ اختیار کیا کہ کسی ناپاک جانور یا غلیظ پرندے کی گردن میں مغلظات سے پر کاغذ باندھ کر انداز سے سے اس جگہ پھینک دیتے جہاں ان کے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہو سکتی تھی۔ تاہم کوئی نہ کوئی مسلمان اس ہاتھ پاؤں بندھے جانور یا ٹانگیں بندھے پرندے کو مار کر انہی کی طرف پھینک دیتا۔ پھر بھی ان کی یہ حد سے زیادہ قبیح حرکت جو کسی بڑے سے بڑے موذی مگر اصول جنگ کی پابندی کرنے والے دشمن کی طرف سے بھی تصور میں نہیں آ سکتی مسلمانوں کے لیے اتنے دنوں تک دردسر بنی رہی۔

اس کے علاوہ وہ موقع بہ موقع اس طرح تیراندازی وسنگ باری کرتے کہ مسلمانوں کو رات دن یہ اندیشہ رہتا کہ وہ اس کے بعد اپنی کثرتِ تعداد کے زعم میں کسی نہ کسی طرح خندق پار کر کے ان پر چڑھ دوڑیں گے۔ ان کی یہ تیراندازی وسنگ باری خاص طور پر سہ پہر سے لے کر غروبِ آفتاب تک جاری رہتی جس کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کے علاوہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اکثر نماز عصر ادا کرنا ناممکن ہو جاتا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم آ چکا تھا کہ: ﴿ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰةِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ﴾ یعنی ہر وقت کی نماز خصوصاً عصر کے لیے وقت کی پابندی کیا کرو لیکن چونکہ مشرکین کی طرف سے ہر وقت خصوصاً اس وقت حملے کا اندیشہ رہتا تھا اس لیے صلاۃ الخوف یا صلاۃ الحرب کی طرح جس کا غزوۂ ذات الرقاع کے ذکر کے ساتھ پہلے ذکر آ چکا ہے یہاں یہ نماز پڑھنا ناممکن تھا۔

بہرکیف عصر سے لے کر عشاء تک جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا وہ غروبِ آفتاب کے بعد پہلے نماز عصر کے لیے اذان دیتے جس کے بعد مسلمان آپ کی قیادت میں پہلے نماز عصر ادا کرتے اور پھر اسی طرح یکے بعد دیگرے مغرب اور عشاء کی اذانیں دی جاتیں اور بالترتیب وہ نمازیں ادا کی جاتیں۔

اسی لیے ان دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے:

''ان لوگوں نے ہمیں عصر تک کی نماز کی ادائیگی سے روکے رکھا' اللہ تعالیٰ ان کے شکموں اور دلوں کو آگ سے بھرے گا''۔

بعض روایات میں آپ کی اس حدیث کے آخر میں لفظ ''قبور'' بھی لکھا گیا ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالصمدؒ ثابت اور ہلال نے عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب کفار سے لڑائی کے اندیشے کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عصر قضا ہو جاتی تو آپؐ فرماتے:

اللّٰھم من حسبنا عن الصلوٰة الوسطیٰ فاملأ بیوتھم ناراً و املأ قبورھم ناراً.

''یعنی یا اللہ جن لوگوں نے ہمیں نماز عصر ادا کرنے سے قاصر کر رکھا ہے ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے''۔

یہی روایت ایک اور ثقہ راوی ہلال بن خباب العبدی کوفی کی ہے جسے ترمذی وغیرہ نے بطور حدیث صحیح پیش کیا ہے نیز دیگر علماء نے اس حدیث نبوی سے استدلال کر کے [illegible]

﴿ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾

میں ''صلاۃ الوسطیٰ'' کو نماز عصر بتایا ہے۔

حافظ ابوبکر البزار کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن معمر مومل یعنی ابن اسماعیل اور حماد یعنی ابن سلمہ نے عبدالکریم یعنی ابن ابی المخارق' مجاہد اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق کے موقع پر مسلسل لڑائی کی وجہ سے نماز ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی ادائیگی سے قاصر رہے تو آپؐ نے پہلے روز غروب آفتاب کے بعد بلال کو حکم دیا کہ وہ ظہر کی اذان دیں جس کے بعد آپؐ نے اور آپ کی قیادت میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پہلے ظہر کی نماز ادا کی' پھر اس کے بعد آپؐ کے حکم سے بلال رضی اللہ عنہ نے عصر کی اذان دی جس کے بعد عصر کی نماز ادا کی گئی' پھر اسی طرح بلال (رضی اللہ عنہ) نے یکے بعد دیگرے مغرب اور عشاء کی اذانیں دیں اور پھر بالترتیب مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھی گئیں۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

''آپ لوگوں کے علاوہ روئے زمین پر کوئی دوسرے ایسے لوگ نہیں ہیں جوان (صبر آزما) اوقات (وحالات) میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوں''۔

البزار نے غزوۂ خندق کے سلسلے میں نماز ظہر سے لے کر نماز عشاء تک اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ادائیگی نماز کی وجہ سے یہ روایت بطور خاص پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے راویوں نے بھی عبدالکریم' مجاہد' ابی عبیدہ اور عبداللہ کے حوالے سے اس روایت کو پیش کیا ہے۔

فصل:

غزوۂ خندق کے دوران میں آنحضرت ﷺ کی دعائیں

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو عامر زبیر یعنی ابن عبداللہ اور ربیع بن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے غزوۂ خندق کے روز آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ:

''حضورؐ کوئی ایسی بات ارشاد فرمایئے جسے ہم بیان کریں تو وہ لوگوں کے دلوں میں اُتر جائے''۔

ربیع بن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے والد بیان کرتے ہیں کہ ان کی اس گزارش کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''اچھا''۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل دعا کی تلقین فرمائی اور خود بھی اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی:

ترجمہ: ''یا اللہ ہماری عورتوں کے ستر پوشیدہ اور ہماری عزت وآبرو محفوظ رکھ''۔

اس کے بعد ابی سعید کے والد بیان کرتے ہیں کہ:

''آپ کی اس دعا کا اثر فوراً ہی ظہور پذیر ہوا یعنی اللہ تعالیٰ نے تیز وتند ہوا سے آپؐ کے دشمنوں کے آناً فاناً منہ پھیر دیئے''۔

اس روایت کو ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اپنے والد یعنی العقدی' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے غلام زبیر بن عبداللہ ربیع بن عبدالرحمٰن بن ابی سعید اور آخر الذکر کے والد یعنی ابی سعید کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اسے بالکل صحیح بتایا ہے جو یقیناً درست ہے۔

امام احمدؒ مزید فرماتے ہیں کہ ان سے حسین نے ابن ابی ذئب اور بنی سلمہ کے ایک شخص کے علاوہ جابر ابن عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک روز مسجد احزاب میں تشریف لے گئے' وہاں اپنی روائے پاک بچھائی' اس پر دیر تک کھڑے رہے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے رہے لیکن اس وقت آپؐ نے نماز ادا نہیں فرمائی لیکن دوبارہ جب آپؐ وہاں تشریف لے گئے تو اسی طرح دعا فرما کر پھر نماز پڑھی۔

اس روایت کو صحیحین میں اندراج کے بعد اسماعیل بن ابی خالد کی زبانی عبداللہ بن ابی اوفی کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ آخر الذکر کے بیان کے مطابق احزاب کے بارے میں مندرجہ دعا (بددعا) فرمائی تھی:

''یا اللہ کہ تو کتاب نازل فرمانے والا اور سریع الحساب ہے احزاب کو شکست سے دوچار فرما۔ یا اللہ انہیں شکست دے اور ان کے پاؤں اکھیڑ دے''۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''یا اللہ! انہیں شکست دے اور ہمیں ان پر فاتح بنا دے''۔

بخاری نے قتیبہ' لیث' سعید مقبری' سعید مقبری کے والد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ غزوۂ خندق کے اختتام پر آپ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جس نے اپنے لشکر یعنی مسلمانوں کو عزت بخشی اور اپنے بندے (نبیؐ) کی مدد فرمائی نیز احزاب (دشمنوں کو) مغلوب کیا اور انہیں ان کی حد تک پہنچا۔ اب (ان کے لیے) باقی کیا رہ گیا ہے؟''۔

غزوۂ خندق کے دوران میں نبی کریم (ﷺ) کا ذکر سطور بالا میں پہلے ہی آ چکا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہی ایام میں جب کہ کفار نے مدینے کو اس کے بالائی اور نشیبی دونوں حصوں کی طرف سے محاصرے میں لے رکھا تھا ایک روز نعیمؓ بن مسعود ابن عامر بن انیف بن ثعلبہ بن قنفذ بن ہلال بن خلادہ بن اشجع ابن ریث بن غطفان نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن اس کی خبر چونکہ میری قوم کو نہیں ہے اس لیے آپؐ جہاں چاہیں میں وہیں آپؐ کے حکم سے جانے کو تیار ہوں''۔

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے یہ جواب دیا:

''تم جہاں تک ممکن ہو ہم سے دور رہو کیونکہ جنگ بڑی ہلاکت خیز اور تباہ کن ہوتی ہے''۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ سن کر نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ آپؐ کے پاس سے واپس ہوا اور سیدھا بنی قریظہ میں پہنچا جہاں کے لوگوں سے زمانہ جاہلیت میں دوستی تھی اور ان کے ساتھ اس کا ہر وقت اٹھنا بیٹھنا تھا۔ وہاں جا کر اس نے ان سے کہا:

''اے بنی قریظہ! آپ لوگ جانتے ہیں کہ میرے آپ لوگوں کے ساتھ کتنے گہرے دوستانہ تعلقات رہے ہیں''۔

اس پر وہ سب یک زبان ہو کر بولے:

''اور ہمیں تو اب بھی تم سے کوئی شکایت نہیں ہے''۔

ان سے یہ سن کر نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

''دیکھو! یہ بستی تمہاری ہے' یہاں تمہاری عورتیں ہیں تمہارے بال بچے ہیں' تمہاری زرعی زمینیں اور باغات ہیں' غرض تمہارا سارا مال و متاع یہیں ہے لیکن اگر تم اس لڑائی میں محمدؐ کے خلاف قریش کا جو اپنا سب کچھ مکے میں چھوڑ آئے ہیں ساتھ دیتے ہو جیسا کہ دے رہے ہو تو سوچو کہ اگر قریش کو شکست ہو گئی تو وہ پھر بھی واپس اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور ان کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن اس کے بعد تمہارا کیا حال ہو گا کیونکہ تم تو مسلمانوں کے پڑوس میں۔ کیا قریش سے مل کر اور ان سے جنگ کر کے تم مسلمانوں سے کسی اچھے سلوک کی امید رکھتے ہو؟''۔

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں سن کر بنی قریظہ بولے:

''تمہاری ان باتوں سے تو کھلی شرارت ٹپک رہی ہے''۔

بنی قریظہ پر اپنی ان باتوں کا اثر نہ دیکھ کر وہ وہاں سے قریش کے پاس پہنچا اور وہاں جا کر ابوسفیان بن حرب سے کہا:

''آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں محمدؐ سے الگ ہو کر اب آپ لوگوں کے ساتھ ہو گیا ہوں اور یہ بات کسی طرح انہیں بھی معلوم ہو گئی' اس لیے وہ اب مجھ سے اکثر باتیں چھپانے لگے ہیں۔ تاہم مجھے جو معلوم ہو سکا وہ میں اس لیے کہ آپ لوگوں کے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں آپ کو بتانے چلا آیا ہوں۔ لہٰذا اگر آپ اسے سن کر میری بات پر عمل کریں گے تو یقیناً بڑے نقصانات سے بچ سکیں گے''۔

ابوسفیان نے نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بات سن کر کہا:

''مسلمانوں کا کوئی راز اگر تمہیں معلوم ہو تو وہ تم مجھے ضرور بتاؤ۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بارے میں تمہارے مشورے پر ضرور عمل کروں گا''۔

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ ابوسفیان کی زبان سے یہ سن کر خوش ہوتے ہوئے بولا:

''تو سنو! وہ بات یہ ہے کہ بنی قریظہ کے یہودی محمد کی مخالفت کر کے اب پشیمان ہو رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے اس پیغام کے ساتھ ان کے پاس بھیجا تھا کہ اگر وہ ان کی قریش کی حمایت کرنے کی غلطی معاف کر دیں تو وہ اب اس کے لیے تیار ہیں کہ وہ قریش کے چند معزز لوگوں کو پکڑ کر ان کے پاس بھیج دیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ قریش کے ان معزز لوگوں کو فوراً قتل کر دیں۔ اس کے بعد ہم تن من دھن سے ان کے ساتھ ہو جائیں گے یہ بات چونکہ محمدؐ نے مان لی ہے لہٰذا تمہیں میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر بنی قریظہ ان کے خلاف تمہارا مزید ساتھ دینے کے لیے تم سے بطور ضمانت تمہارے کچھ معزز لوگ اپنے پاس رکھنے کے لیے طلب کریں تو تم اپنا ایک آدمی بھی انہیں نہ دینا۔ بہرحال میں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر تمہیں یہ اطلاع دی ہے اس لیے اس معاملے میں تم جو بھی قدم اٹھاؤ اس میں میرا نام نہ آنے پائے ورنہ میری خیر نہیں ہوگی''۔

ابوسفیان سے اس گفتگو کے بعد نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اٹھتے ہوئے کہا:

''اچھا اب میں چلتا ہوں ورنہ مسلمانوں میں میری غیر حاضری شبہ کی نظر سے دیکھی جائے گی''۔

ابوسفیان نے جس طرح نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا تھا اسی طرح اسے بڑی گرم جوشی سے رخصت کرتے ہوئے قریش کے لیے اس کے خلوص و ہمدردی اور جس اطلاع کا ابھی ذکر کیا گیا ہے اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے پاس اٹھ کر بنی غطفان میں جا نکلا۔ اس نے وہاں بھی وہی کچھ کہا جو اس سے قبل ابوسفیان سے کہہ آیا تھا۔ اس سے پہلے اس نے بنی غطفان سے اپنی قربت اور رشتے کا ذکر کیا تھا اور بنی غطفان نے اس کی باتوں کو خلوص پر مبنی جان کر اس کے مشورے پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس روز تمام دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اور اس کے علاوہ بنی قریظہ' بنی غطفان اور قریش پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اسے ان تینوں کو مذکورہ بالا اطلاعات فراہم کرنے کی بناء پر مسلمانوں سے اپنی جان کا خطرہ [illegible]

اگلے روز ماہ شوال سال پنجم ہجری کو جب کہ سنیچر کا دن تھا قریش نے اپنے منصوبے کے مطابق کہ اس روز بنی قریظہ اور بنی غطفان کو ساتھ لے کر مدینے پر آخری بار بھر پور حملہ کیا جائے گا ان دونوں قبیلوں کے پاس عکرمہ بن ابوجہل اور چند دیگر شرفائے مکہ کو بھیجا تاکہ وہ اس کے لیے تیار رہیں لیکن انہوں نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ دن ان کا ''یوم السبت'' ہے اور اس روز وہ کوئی کام نہیں کرتے بلکہ سارا دن عبادت میں گزارتے ہیں لیکن جب اگلے روز ان دونوں قبائل نے قریش کا ساتھ دینے کی وہی شرط رکھی کہ ان کے چند معزز لوگ بطور ضمانت ان کے سپرد کیے جائیں تو قریش کھٹکے اور انہیں نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اطلاع کا یقین آ گیا لیکن اس کے باوجود قریش نے ان قبائل کو منانے کی کوشش جاری رکھی تو انہوں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ جب تک ان کے پاس قریش کے اتنی ہی تعداد میں معزز لوگ بطور ضمانت نہیں چھوڑے جائیں گے جتنے ان دونوں قبائل کے لوگ باہمی معاہدۂ صلح کے تحت قریش کے پاس اب تک موجود ہیں وہ صرف قریش کے وعدوں پر ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں لہٰذا ان کی یہ شرط پوری کیے بغیر وہ مسلمانوں سے بطور خود جس طرح نمٹنا چاہیں نمٹ سکتے ہیں۔

ان قبائل کے یہودیوں کے اس جواب سے قریش کو نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا بیان کی مزید تصدیق ہوگئی اور انہوں نے ان دونوں قبائل کے پاس اپنا ایک آدمی بھی جیسا کہ انہیں نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا بطور ضمانت چھوڑنے سے انکار کیا تو وہ قبائل بھی نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس بات پر غور کرنے لگے کہ قریش کا ساتھ دینے کے باوجود اگر قریش کو شکست ہوئی جو خلاف قیاس نہیں تھا اور وہ وہاں سے مکے کو لوٹ گئے تو وہ دونوں قبائل مل کر بھی مسلمانوں کا مقابلہ کس طرح کر سکیں گے جب کہ خود قریش کو ان کے مقابلے میں دو بار یعنی غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں منہ کی کھانا پڑی ہے اس لیے اس وقت قریش کا ساتھ دے کر مسلمانوں سے ہمیشہ کے لیے بات بگاڑ لینا مناسب نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مذکورہ بالا شرط منوائے بغیر قریش کا ساتھ دینے سے قطعی طور پر انکار کر دیا۔

ادھر قریش ان کی یہ شرط کس طرح تسلیم کرتے جب کہ انہیں بقول نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ یقین تھا کہ ان قبائل کے پاس ان کے مکفول آدمیوں کی تعداد کے برابر اپنے آدمی بطور ضمانت رکھنا انہیں دانستہ اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں دھکیلنا ہوگا۔

چنانچہ اس کا وہی نتیجہ ہوا جس کی نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنی مذکورہ بالا دوڑ دھوپ کے بعد پوری پوری امید تھی بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے عین مطابق کہنا چاہیے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ متعدد ثقہ راویوں نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے اسی رات لشکر قریش کے رُخ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسی سرد وخشک اور تیز وتند ہوا کے جھکڑ چلے کہ انہیں اس برفیلی ہوا کی برودت سے اس کے باوجود کہ انہوں نے آگ کے الاؤ روشن کر کے ان میں ہر امکانی کوشش سے فراہم شدہ خشک لکڑیوں کے علاوہ تیر تک ان میں جھونک دیئے نجات نہ مل سکی اور رات بھر ان کے دانت سے دانت بجتے رہے۔

یہ سب کچھ یقیناً اللہ تعالیٰ کے حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مذکورہ بالا دعاؤں کا اثر تھا جو آپ قریش کے خلاف مسلسل فرماتے رہے تھے۔

ابن اسحاق نے موسیٰ بن عقبہ کی طرح نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قصے اور ان جملہ واقعات کو نہایت حسن وخوبی سے تفصیلاً بیان کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو قریش کی حالت معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا اور انہیں حکم دیا کہ وہ خاموشی سے قریش کے لشکر کا حال معلوم کر کے آپ کو بتائیں۔ چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ آپ کے اس حکم کی تعمیل میں اسی طوفانی رات میں جب کہ یخ بستہ ہوا کی آواز رعد کی کڑک سے اور اس کی تیزی بجلی سے کم نہ تھی لشکر قریش کا حال معلوم کر کے آئے تھے۔ ابن اسحاق کے علاوہ متعدد دیگر راویوں نے قریش کے جگہ جگہ برفیلی ہوا کی شدت سے بچنے کے لیے آگ کے الاؤ روشن کرنے اور ان میں اپنے تیر تک جھونک دینے کا واقعہ بھی حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما ہی کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ لشکر قریش میں ہر شخص کے دانت سے دانت بجنے اور ان سب کی زبان پر جن میں ابوسفیان بھی شامل تھا الرحیل الرحیل کی مسلسل پکار کا قصہ بھی حذیفہ بن یمان ہی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس حالت میں لشکر قریش کا چکر لگا کر ان کی حالت کی اطلاع آپ کو دینے کے صلے میں جنت کی بشارت دی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ روز قیامت بھی آپ کے رفیق کی حیثیت سے آپ کے ساتھ ہوں گے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر قریش پر نزولِ عذاب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور مسلمانوں کی نصرت کے بارے میں اس روایت کی تصدیق مندرجہ ذیل قرآنی آیہ شریفہ سے بھی ہوتی ہے:

﴿ یـاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْجَآءَ تْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ کَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴾

❁❁❁

فصل:

غزوۂ بنی قریظہ

پچھلی فصل میں مذکورہ دشمنانِ اسلام کو جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا غزوۂ خندق کی طویل مدت کے دوران میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے معاہدوں کی خلاف ورزی اور خود قریش کو غزوۂ احد میں پے در پے شکستوں کے بعد اس دفعہ بھی انتہائی شد و مد سے آپ کے خلاف جنگی تیاریوں کے باوجود کوئی فائدہ نہ پہنچا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بموجب آخرت کے دردناک عذاب کو دانستہ اپنے سر لے لیا بلکہ غضب خداوندی میں مبتلا ہو کر دنیا و آخرت دونوں میں خسارے کے مستحق ٹھہرے اور ان کے مقابلے میں اہل اسلام رضائے الٰہی کے مطابق راہِ خدا میں جہاد کر کے سرخرو اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَّ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا .... الخ ﴾

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن مقاتل، عبداللہ اور موسیٰ بن عقبہ نے سالم، نافع اور عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ ان جملہ غزوات میں رکاوٹ کے باوجود انہیں حج و عمرہ کی ابتدا تصور فرماتے اور زبان پر آواز خفیف نعرۂ تکبیر لا کر ارشاد فرماتے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ.

محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم ﷺ غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد مدینے میں واپس تشریف لائے تو آپؐ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہتھیار اور زرہ بکتر جسم سے اتار کر کچھ دیر آرام کیا تھا کہ ظہر کا وقت ہو گیا اور اسی وقت جبریل علیہ السلام نے جو زرق برق لباس میں ملبوس تھے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ:

''حضور (ﷺ) آپؐ تو غیر مسلح ہو گئے ہیں لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں اس حکم کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپؐ غزوۂ بنی قریظہ کے لیے قبیلہ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیے، ادھر میں ابھی سے وہاں پہنچتا ہوں اور انہیں آپ کی اس طرف روانگی کی اطلاع دے کر ان میں کھلبلی ڈالتا ہوں''۔

جبریل علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سن کر آپؐ نے مسجد میں اذان کا حکم دیا۔ پھر ظہر کی نماز سے قبل صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطلاع دی اور نماز ظہر سے فارغ ہوتے ہی اتنی جلد اس طرف روانہ ہوئے کہ نماز عصر وہیں جا کر ادا کی۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس موقع پر بھی رسول اللہ (ﷺ) نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہی کو مدینے کا والی مقرر فرمایا تھا۔

بخاریؒ کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن ابی شیبہ اور ابن نمیر نے ہشام' ان کے والد اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا اور آخر الذکر کی زبانی بتایا کہ جونہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے فارغ ہو کر گھر میں تشریف لائے تو غسل سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینے سے روانگی کا حکم دے دیا۔ آپؐ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا ''روانگی کس طرف ہوگی؟''۔ تو جبریل علیہ السلام بنی قریظہ کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے بولے: ''اس طرف'' پھر بولے:

''آپؐ غیر مسلح ہو گئے لیکن مجھے اور میرے ساتھی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے غیر مسلح ہونے کا حکم نہیں دیا تھا اور اب ہم اس کے حکم سے اسی طرف جا رہے ہیں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جبریل علیہ السلام سے یہ سن کر آپ فوراً بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے حسن اور حماد بن سلمہ نے ہشام بن عروہ' ان کے والد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے نمٹ کر گھر تشریف لائے اور غسل سے فارغ ہو چکے تو انہوں نے ایک دیوار کے روزن سے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام آپؐ کے پاس اس حالت میں آئے کہ ان کے بالوں پر غبار تھا اور انہوں نے آپؐ سے اللہ کی طرف سے کچھ کہا تو آپؐ فوراً روانگی کی تیاری فرمانے لگے۔ انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی قریظہ کی طرف روانگی کا حکم دیا ہے جب کہ خود جبریل علیہ السلام اور دوسرے فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلے ہی ادھر روانہ ہو گئے ہیں۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے موسیٰ اور جریر بن حازم نے حمید بن ہلال اور انس بن مالک کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے بتایا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینے سے روانگی سے قبل بنی غنم کی ایک پگڈنڈی پر حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں سے غبار اٹھتا دیکھا تھا۔

بخاریؒ مزید فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن محمد بن اسماء اور جویریہ بن اسماء نے نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یوم احزاب کے متعلق فرمایا کہ اس روز آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بنی قریظہ پہنچنے سے قبل نماز عصر ادا نہیں کی تھی حالانکہ عصر کا وقت وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔

بیہقی مختلف حوالوں سے کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ جبریل علیہ السلام نے آپؐ سے عرض کیا تھا کہ انہوں نے اور ان کے ساتھی فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس وقت تک ہتھیار نہیں اتارے تھے اور انہوں نے آپؐ سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ آپؐ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فوراً ہتھیار بندی کا حکم دیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سے بنی قریظہ کی طرف فوراً روانہ ہو کر نماز عصر وہیں ادا فرمائیں۔

زہریؒ نے متعدد حوالوں سے بتایا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بنی قریظہ پہنچنے سے قبل ہی آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ اس لیے وہاں بھی مقام خندق کی طرح غروب آفتاب کے بعد ہی نماز عصر ادا کی گئی تھی۔

بیہقی متعدد حوالوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی مزید بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوم خندق سے واپس آ کر غسل کے بعد فوراً ہی سلاح بند ہونے لگے تو انہوں نے آپؐ سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا:

''یہ جبریل علیہ السلام ہیں' انہوں نے بنی اللہ کی طرف سے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فوراً احزاب کے تعاقب میں بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جاؤں''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی فوری تیاری کا حکم دیا اور جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا بنی قریظہ کا رخ کر کے حمراء اسد کی طرف روانہ ہو گئے۔

کچھ لوگ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت اتنا وقت تو تھا نہیں کہ آنحضرت راستے میں کسی جگہ ٹھہر کر باجماعت نماز عصر کا حکم دیتے' اس لیے جسے جہاں موقع ملا اس نے وہیں نماز عصر ادا کی اور پھر سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنے اگلے ساتھیوں سے جا ملا لیکن کچھ لوگ بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے غروب آفتاب کے بعد بنی قریظہ کے قریب پہنچ کر آپؐ کے ساتھ نماز عصر ادا کی تھی۔ تاہم آپؐ نے دوسرے لوگوں سے اس کے بارے میں باز پرس نہیں کی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ بنی قریظہ پہنچ کر آپؐ نے ایک طرف اشارہ کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا:

''یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو ہم سے پہلے ہی دشمنانِ اسلام پر رعب ڈالنے اور ان کے دلوں میں گھبراہٹ پیدا کرنے کے لیے یہاں پہنچ گئے ہیں''۔

بتایا گیا ہے کہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مذکورہ بالا گفتگو کے بعد آپؐ نے انہیں ایک طرف ہٹنے کا حکم دیا تاکہ آپؐ اس قبیلے کے لوگوں سے گفتگو فرما سکیں۔ تاہم آپ کی صلح پسندانہ گفتگو کے بعد بھی وہ لوگ سرکشی سے باز نہ آئے بلکہ کہنے لگے:

''اے ابوالقاسم! آپؐ اِدھر اُدھر کی فضول باتیں نہ کریں' ہم آپؐ کے سامنے جھکنے والے نہیں ہیں''۔

چنانچہ آپ نے مجبوراً اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بستی کے محاصرے کا حکم دے دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد اس بستی کے کچھ لوگ جو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے باہمی فیصلے کے لیے ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ جو لوگ مسلمانوں سے جنگ کریں گے انہیں قتل کیا جائے گا۔ تاہم معذوروں اور عورتوں اور بچوں سے کوئی تعارض نہیں کیا جائے گا۔

بختری کے بقول یہ بات فیصلہ کن نہیں ہے کہ محصورین سے یہ بات سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہی تھی یا کسی اور نے۔ واللہ اعلم

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مدینے سے روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم دے کر ان کی جماعت کے ساتھ آگے روانہ فرما دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا ایک تسمہ کسی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا اس لیے جبریل علیہ السلام آپ کو موضع جنائز کی مسجد کے دروازے تک اپنی سواری پر لائے تھے جہاں آپؐ اپنی اُمت کے دوسرے افراد سے آ ملے تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں سے اڑتے ہوئے غبار کا جو ذکر کیا وہ جبریل علیہ السلام کی اسی

سواری کے پیچھے چھوٹے غبار سے متعلق ہے جب آنحضرت ﷺ جبریل علیہ السلام کے ساتھ ایک ہی سواری پر سفر فرما رہے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ کو مذکورہ بالا مسجد کے دروازے پر اتار کر آپ سے عرض کیا تھا کہ وہ اپنے ساتھی فرشتوں کے ہمراہ اس کے بعد بنی قریظہ کے لوگوں کی طرف جا رہے ہیں تا کہ آپ کے وہاں پہنچنے اور ان سے جنگ کرنے سے قبل ہی وہ لوگ رعب میں آ کر دہشت زدہ ہو جائیں۔

اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ بنی غنم میں جو آپ کے منتظر تھے پہنچے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آیا آپ سے قبل کوئی سوار تیزی کے ساتھ ادھر سے گزرا تھا تو انہوں نے بتایا کہ ہاں ادھر سے سفید گھوڑے پر سوار دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ جس کے گھوڑے کی زین پر دیباج مڑھا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے جو اس وقت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے مشابہ تھے اور اس لیے وہ انہیں دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سمجھے تھے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنی غنم سے فرمایا کہ وہ بنی قریظہ تک آپ کا اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ساتھ دیں۔

سطور بالا میں جن لوگوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے بنی قریظہ پہنچنے سے قبل راستے ہی میں نماز عصر پڑھ لی تھی ان سے جب ان لوگوں نے جنہوں نے بنی قریظہ پہنچ کر غروب آفتاب کے بعد آنحضرت ﷺ کی قیادت میں نماز عصر پڑھ لی تھی جب یہ کہا کہ انہوں نے راستے میں رک کر نماز عصر ادا کرنے میں آپ کے حکم سے انحراف کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ:

''ان دونوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ پہلے لوگوں نے عصر کی نماز کے سلسلے میں حکم الٰہی کی پابندی کا خیال رکھا ہے اور دوسرے لوگوں نے موقع محل کے لحاظ سے آپ کے حکم کی پابندی کی ہے''۔

بہر کیف جب آنحضرت ﷺ نے بنی قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو اس سے قبل حیی بن اخطب اس وقت جب قریش غزوۂ خندق کے موقع پر مذکورہ بالا طوفان باد سے گھبرا کر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب بن کر ان پر نازل ہوا تھا صبح ہوتے ہی مکے کی طرف فرار ہوئے تھے بنی قریظہ میں چلا آیا تھا اور اب انہیں آپ کے خلاف جنگ پر ابھار رہا تھا۔

جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قلعہ بنی قریظہ کی جانب آگے بڑھایا تو انہوں نے اتمام حجت کے لیے قلعہ پر حملہ کرنے سے قبل وہاں کے ان سربراہوں سے گفتگو کرنا چاہی جو قلعہ کی فصیل پر آ گئے تھے لیکن انہوں نے اسلام اور داعی اسلام ﷺ دونوں کو اس صلح جوئی کے جواب میں سب وشتم سے نوازا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پلٹ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ:

''میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان لوگوں سے نمٹ لوں گا لیکن آپ آگے تشریف نہ لائیں''۔

آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ دریافت کی تو وہ بولے:

''یہ بدنہاد اسلام اور آپ کو نعوذ باللہ گالیاں دے رہے ہیں''۔

اس کے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس سے قبل قریش اور ان کے یہی حلیف اسلام کو اور مجھے اس سے زیادہ سب وشتم سے نوازتے رہے ہیں''۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنی قریظہ کے قلعہ پر آگے بڑھ کر ایسا بھرپور حملہ کیا کہ اہل قلعہ کے سرداروں کو یقین ہو گیا کہ جب سارے مسلمان مل کر ان پر حملہ آور ہوں گے تو قلعہ ضرور فتح ہو جائے گا۔ اس لیے انہوں نے اپنا ایک آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ ان کے پاس ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجیں تا کہ ان سے کچھ بات چیت ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے ان کی یہ درخواست قبول فرما کر ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو قلعہ میں بھیج دیا۔

واضح رہے کہ ابولبابہ بھی نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح عہد جاہلیت میں اسلام لانے سے قبل اس قبیلے کے یہودیوں کے دوست رہ چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے وہاں جا کر انہیں سمجھانے کی ہزار کوشش کی اور اس کے علاوہ وہاں موجود کعب بن اسد نے ان سے کہا کہ وہ تین باتوں میں سے ایک بات قبول کر لیں۔ پہلی بات یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نبی کی حیثیت سے تسلیم کر کے داخل اسلام ہو جائیں کیونکہ آپ کے بارے میں توریت میں بشارت موجود ہے دوسری بات یہ کہ وہ آپ سے آپ ہی کی شرائط پر صلح کر لیں اور تیسری بات یہ ہے کہ ان سے جنگ کریں اور شکست کی صورت میں اپنی عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں لیکن چونکہ بنی قریظہ کے یہودیوں کو حیی بن اخطب نے آپ کے خلاف پہلے ہی حد سے زیادہ بھڑکا رکھا تھا' اس لیے انہوں نے کعب بن اسد کی پہلی دونوں باتیں ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ البتہ جب انہی میں سے کسی نے ابوالبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ سے جنہیں اہل قلعہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کر کے بلایا تھا پوچھا کہ مسلمان ان کی شکست کی صورت میں ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ کیا سلوک کر سکتے ہیں؟ تو انہوں نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کر کے اس پر خنجر کی طرح پھیر دیا۔ پھر بولے:

''اس صورت میں ان کا تمہارے بچوں اور عورتوں کے ساتھ ان کا کم سے کم یہ سلوک ہو سکتا ہے''۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے وہاں موجود عورتیں اور بچے کانپنے اور زار و قطار رونے لگے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر خود ابولبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہوگئی اور جب وہ قلعہ سے پلٹے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے بجائے مسلمانوں کی نظروں میں سے کسی نہ کسی طرح بچ کر مدینے واپس چلے گئے لیکن وہاں پہنچ کر اپنے اس فعل پر اس قدر نادم ہوئے کہ مسجد نبوی کی بیرونی دیواروں سے اپنا جسم رگڑ رگڑ کر زخمی کر لیا اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینے میں واپسی پر یہ سنا تو انہیں معاف فرما دیا تھا۔ سورۂ توبہ کی ایک شان نزول یہ بھی ہے۔

بہر کیف چونکہ ابولبانہ رضی اللہ عنہ نے انہیں یعنی بنی قریظہ کو مسلمانوں سے حد درجہ خائف کر دیا تھا اس لیے وہ آپس میں کہنے لگے کہ اپنے بچوں اور عورتوں کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑنے سے یہی بہتر ہوگا کہ جب تک ممکن ہو ان سے جنگ کی جائے لیکن اس فیصلے کے بعد انہوں نے یک زبان ہو کر کہا: ''کل یوم السبت ہے'' اس لیے ہم مسلمانوں سے جنگ تو کر نہیں سکتے۔ تاہم مسلمانوں سے کہا جائے کہ کل ''یوم السبت'' یعنی ہماری عبادت کا دن ہے' اس لیے ہم ان سے جنگ کے لیے آمادہ ہونے کے باوجود جنگ کر نہیں سکتے''۔ چنانچہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا قاصد بھیج کر یہ درخواست کی کہ اگلے روز جنگ موقوف رکھی جائے تو آپ نے ان کی یہ درخواست فوراً قبول فرمالی۔

بعض ثقہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مہلت کے بعد بنی قریظہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلایا کہ آپ ان کے پاس سعد بن

معاذ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں تاکہ وہ ان سے مشورے کے بعد صلح یا جنگ کے بارے میں آپ کو جواب دیں گے۔

جیسا کہ متعدد راویوں نے بیان کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے پاس سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھیجا جنہوں نے حسب معمول پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن ان کے انکار پر انہیں بتایا کہ اگر ان کے قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا تو پھر ان کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں گے یا گرفتار کر لیے جائیں گے اور ان کی عورتیں اور مال' مال غنیمت سمجھا جائے گا۔

جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بنی قریظہ کے پاس سے واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ:

''ان لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے؟'' سعد رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیا جو ان سے جنگ کی صورت میں وہ بنی قریظہ کو دے آئے تھے۔ ان کا جواب سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

''تمہارا فیصلہ حکم خدا اور حکم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق ہے''۔

چنانچہ جب اگلے روز بنی قریظہ کے قلعہ پر مسلمانوں نے نعرہ ہائے تکبیر لگا لگا کر بھرپور حملہ کیا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم پیش پیش تھے تو بنی قریظہ نے جن میں حیی بن اخطب اور کعب بن اسد قابل ذکر ہیں بڑی جی داری سے مزاحمت کی کوشش کی اور چند مسلمانوں کو شہید بھی کر دیا لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمانوں نے قلعہ فتح کر ہی لیا۔

غزوۂ بنی قریظہ میں مجاہدین اسلام کی تعداد جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ سے مقابلے کا حکم جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے دیا تھا۔ مسلمانوں کی اس تعداد سے زیادہ نہ تھی جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی جن میں اللہ تعالیٰ کے فرستادہ فرشتے بھی شامل تھے اور بعض ثقہ راویوں کے بقول ان کی تلواروں کی چمک دیکھی اور سنسناہٹ سنی گئی تھی جب کہ بنی قریظہ کے صرف آزمودہ کار لڑنے والوں کی تعداد نوسو تک بتائی گئی ہے۔

بہرکیف جیسا کہ اکثر ثقہ راویوں نے بیان کیا ہے مسلمانوں کے قلعہ بنی قریظہ میں داخلے کے بعد اس قبیلے کے جن لوگوں نے تنبیہ کے باوجود ہتھیار نہیں ڈالے انہیں قتل کر دیا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق باقی لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان میں جن لوگوں نے معافی طلب کرنے کے بعد اسلام قبول کر لیا انہیں رہا کر دیا گیا اور متحارب اشخاص کی عورتوں اور مال کو حسب معمول خمس نکال کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ جب حیی بن اخطب کو گرفتار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے جنہیں اسی رسی سے اوپر اٹھا کر اس کے گلے میں باندھ دیا گیا تھا۔ وہ اب بھی اپنی حرکات پر پشیمان نہیں تھا۔ اس نے بڑے متکبرانہ لہجے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا:

''میں نے آپ کی مخالفت اور عداوت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور حتی الامکان آپ پر غالب آنے کی کوشش میں آپ کو اب بھی نبی نہیں مانتا اور اب تک یہی سمجھتا ہوں کہ عزت وذلت سب تقدیری امور ہیں''۔

جیسا کہ اکثر روایات میں بیان کیا گیا ہے حیی بن اخطب کو قلعہ بنی قریظہ ہی میں قتل کر دیا گیا تھا۔

جو مجاہدین اسلام غزوۂ بنی قریظہ میں شہید ہو گئے یا زخمی ہو کر وفات پا گئے تھے ان کی فرداً فرداً نماز جنازہ کے بعد وہیں دفن کر دیا گیا۔

ابن اسحٰق ایوب بن عبدالرحمٰن کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب سلمٰی بنت قیس یعنی منذر کی ماں کو جسے مسلمان ہو جانے کے شک کے باوجود بنی قریظہ نے حسن اتفاق سے قتل نہیں کیا تھا اور اس کے شوہر رفاعہ بن شموال کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو سلمٰی نے اپنے مذکورہ بالا شوہر رفاعہ کی اشارہ کر کے آپؐ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) یہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ عنقریب نماز پڑھا کرے گا اور اونٹ کے سوا کسی اور جانور کا گوشت نہیں کھایا کرے گا''۔

سلمٰی کی اس بات پر آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر اس کے ساتھ اس کے شوہر رفاعہ بن شموال کو بھی آزاد کر دینے کا حکم دے دیا۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا کہ غزوۂ بنی قریظہ کے دوران میں کوئی عورت قتل نہیں کی گئی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جتنی عورتیں بنی قریظہ سے گرفتار ہو کر آئی تھیں ان میں ایک عورت بڑی خوب صورت اور طرحدار تھی لیکن وہ رات دن مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتی تھی جب کہ اس کے قبیلے کے لوگوں کو قتل کیا جا رہا تھا۔ جب کسی نے آواز دے کر پوچھا کہ ''فلاں عورت کہاں ہے؟'' تو وہ آگے بڑھ کر بولی: ''میں ہوں'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے پوچھا: ''تمہیں کیوں بلایا جا رہا ہے؟'' وہ بولی: ''قتل کرنے کے لیے''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے پوچھا: ''تمہیں کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟'' وہ بولی: ''اس لیے کہ میں نے آج تک اسلام اور مسلمانوں کو بلکہ محمد (ﷺ) تک کو برا کہنے کے سوا کبھی اچھا نہیں کہا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بقول بنی قریظہ کی یہی وہ ایک عورت تھی جسے قتل کیا گیا تھا۔

امام احمدؒ نے اس روایت کو یعقوب بن ابراہیم' ان کے والد اور محمد بن اسحٰق کے حوالے سے انہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ:

''یہی وہ عورت تھی جس نے بنی قریظہ کے قلعہ میں خلاد بن سوید پر جوتا پھینکا تھا اور اسے اس لیے قتل کیا گیا تھا کہ اس نے آخر تک اسلام' خدا اور خدا کے رسول کو برا بھلا کہنے بلکہ سب وشتم سے زبان نہیں روکی تھی''۔

اس روایت کے آخر میں اس عورت کا نام نباتہ بتایا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ وہ الحکم قرظی کی بیوی تھی۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بنی قریظہ کا مال غنیمت خمس نکالنے کے بعد ان مجاہدین اسلام میں جو غزوۂ بنی قریظہ میں شریک تھے برابر برابر تقسیم کر دیا تھا لیکن آخر میں یہ بھی بتاتے ہیں کہ آپؐ نے ہر سوار کو مال غنیمت میں اس کے حصے کے علاوہ تین تین تیر بھی دیئے تھے جن میں سے ایک تیر اس کی اپنی بہادری اور دو اس کے گھوڑے کی پھرتی اور چستی و چالاکی کا انعام تھا۔

ابن اسحٰق نے یہ بھی بتایا ہے کہ غزوۂ بنی قریظہ میں سوار مجاہدین کی تعداد چھتیس تھی۔

ابن اسحٰق ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بنی قریظہ کے بعد بنی قریظہ ہی کے ایک شخص سعید بن زید بسایا کو جو مسلمان ہو گئے تھے ایک مسلح جماعت کے ساتھ نجد کے سرکش قبائل کے مقابلے کے لیے بھیجا تھا۔

ابن اسحٰق یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بنی قریظہ کی جو عورتیں بطور مال غنیمت مدینہ لائی گئی تھیں آنحضرت ﷺ نے اپنی کنیزی کے لیے ان میں سے بنی عمرو بن قریظہ کی ایک عورت کو پسند فرمایا تھا اور وہ آپ کی وفات تک آپؐ کے ساتھ رہی تھی۔ ویسے آپؐ نے اسے مسلمان ہونے اور اپنی زوجیت میں لینے کی دعوت دی تھی لیکن شروع میں انکار کے بعد کچھ عرصہ بعد اس نے اسلام قبول کر لیا تھا جس سے آپ کو بہت مسرت ہوئی تھی لیکن آپؐ نے اپنی زوجیت کے بارے میں اسے اختیار دے دیا تھا اور وہ آپ کی زوجیت میں نہ آنے کے باوجود آپ کی وفات تک بڑی لگن اور خلوص دل سے آپ کی خدمت کرتی رہی۔

ابن اسحاق نے غزوۂ خندق اور غزوۂ بنی قریظہ کے ضمن میں سورۂ احزاب کی جن ابتدائی آیات کا حوالہ دے کر انہیں پیش کیا ہے ان کی تشریح وتفسیر ہم اپنی کتاب ''کتاب التفسیر'' میں پیش کر چکے ہیں۔

ابن اسحٰق غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں دوسرے چند مسلمانوں کے علاوہ خلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو خزرجی بھی شہید ہو گئے تھے۔ انہیں نباتہ نے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے اظہار حقارت کے لیے جوتے کے تلوے میں پیوست کر کے اپنے مکان کی چھت سے دو دھاری خنجر پھینک مارا تھا جس سے انہیں اتنا شدید زخم آیا تھا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے تھے۔ ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس میں دو شہیدوں کے اجر کی بشارت دی تھی۔

ممکن ہے کہ بنی قریظہ کی جس واحد عورت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اسے قتل نہیں کیا گیا تھا وہ نباتہ کے علاوہ کوئی اور عورت ہو۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ''بنی قریظہ کے محاصرے کے دوران میں بنی اسد بن خزیمہ کے ابوسنان بن محصن بن حرثان فوت ہو گئے تھے جنہیں بنی قریظہ کے قبرستان ہی میں دفن کر دیا گیا تھا اور ان کی قبر آج بھی وہاں موجود ہے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حبان بن عرفہ نے غزوہ خندق کے روز سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ایسا تاک کر تیر مارا تھا جو ان کی پیشانی میں دونوں ابروؤں کے درمیان پیوست ہو گیا تھا اور باوجود اس کے کہ اس تیر کو نکال کر ان کی پیشانی کے اس زخم کو داغ دیا گیا تھا اور کچھ عرصہ بعد وہ زخم بھی مندمل ہو گیا تھا لیکن ان کی دونوں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔

بہر کیف سعد اللہ میاں سے عاجزانہ دعا کیا کرتے تھے کہ ان کی وفات سے قبل ان کی بینائی بحال ہو جائے تا کہ وہ بنی قریظہ کے مقابلے میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہو سکیں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب بنی قریظہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جملہ معاہدوں اور مواثیق کے باوجود آپؐ کے خلاف سازشیں شروع کر دی تھیں اور مسلمانوں کو یقین ہو چکا تھا کہ اس فتنے کو دبانے کے لیے انہیں بنی قریظہ سے عنقریب جنگ کرنا پڑے گی۔

مدینے کے مسلمانوں کی یہ بات واقعی سچی نکلی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی قریظہ کی روز افزوں مخالفت اور سرکشی کے پیش نظر اس فتنے کو ہمیشہ کے لیے دبانے کے لیے ان پر لشکر کشی کرنا پڑی۔

اس زمانے میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ منتخب مجاہدین اسلام کو وہاں کے یہودیوں کے خلاف جنگ کے لیے بنی قریظہ کی طرف سفر کی تیاری کا حکم دیا تو اچانک سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی صدق دل سے عاجزانہ دعاؤں کی قبولیت کا وقت آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کی دونوں آنکھیں روشن فرما دیں۔

جیسا کہ غزوۂ بنی قریظہ کے ابتدائی ذکر میں بتایا جا چکا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مجاہدین اسلام نے قلعہ بنی قریظہ کا محاصرہ تنگ کیا اور وہاں کے یہودیوں کو صاف نظر آنے لگا کہ مسلمان ان پر ضرور غالب آ جائیں گے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا کہ آپؐ ان کے پاس ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجیں تا کہ وہ ان سے مشورہ کر کے صلح کے لیے آپ کی پیش کردہ شرائط پر غور کر کے باہم کچھ فیصلہ کر سکیں۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی دعوت اسلام رد کرنے کے بعد جب بنی قریظہ نے قلعہ فتح ہونے کی صورت میں ان سے مسلمانوں کا ردعمل پوچھا تو انہوں نے اس کا جو جواب دیا وہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور یہ بھی پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ اپنے اس سخت جواب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کے خیال سے جسے وہ گناہ عظیم سمجھتے تھے آپؐ کے پاس واپس آنے کی بجائے مسلمانوں کی نظریں بچا کر واپس مدینے چلے گئے۔ اپنے اس عمل پر ان کی ندامت وغیرہ کا حال بھی پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

بہر کیف جب ابولبابہ کا کچھ پتہ نہ چلا تو بنی قریظہ کے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قاصد بھیج کر کہلوایا کہ آپ ان کے پاس سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھیجیں کیونکہ وہ بھی عہد جاہلیت میں ان کے قریبی دوست رہ چکے تھے۔ انہوں نے آپ

سے یہ بھی کہلوایا کہ وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے مشورے پر ضرور عمل کریں گے تاہم جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا تو انہوں نے ان سے جو کچھ کہا اس کا لب ولہجہ اگرچہ بہت نرم تھا لیکن انہوں نے بھی ان سے دوسرے لفظوں میں وہی کہا جو اس سے قبل ان سے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہہ چکے تھے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنی قریظہ نے جو جوابات دیئے ان سے بظاہر یہی مترشح ہوتا تھا کہ وہ ان کے مشورے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں کیونکہ وہ ان کی ہر بات پر صحیح اور درست کہتے رہے اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے لیکن دراصل وہ ان کے مسلمان ہو جانے کی بناء پر انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پیروکار سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ ہر بات آپؐ ہی کے اشارے پر کر رہے ہیں اس لیے انہوں نے ان کا مشورہ بظاہر قبول کرنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کیا بلکہ اپنے مخالفانہ طرز عمل پر اور زیادہ جم گئے۔ اس کا نتیجہ جو ہوا وہ غزوۂ بنی قریظہ کے واقعات کے ساتھ آخر میں بتایا جا چکا ہے۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بینائی تو غزوۂ بنی قریظہ ہی میں لوٹ آئی تھی اور وہ اس کے لیے اکثر بارگاہ رب العزت میں سجدۂ شکر ادا کرتے رہتے تھے لیکن سوئے اتفاق سے ان کا وہ زخم جو پہلے مندمل ہو چکا تھا اب پھر رسنے لگا تھا اور وہ اس کی وجہ سے بہت نحیف اور لاغر ہو گئے تھے حتیٰ کہ وہ اپنے خیمے سے جو مسجد نبوی کے قریب ہی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے بھی جسے وہ ہر روز اپنے لیے لازم سمجھتے تھے معذور ہو گئے تھے۔

ابن اسحٰق مزید بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز وہ اپنے خیمے سے ایک پستہ قد گدھے پر بمشکل سوار ہو کر مسجد نبوی کے دروازے تک بھی نہ پہنچ سکے۔ انہیں لوگوں نے اس گدھے کی پیٹھ سے مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچنے سے پہلے ہی اتار لیا کیونکہ وہ ڈگمگانے لگے تھے۔

اس کے بعد انہیں ان کے اصرار پر سہارا دے کر مسجد کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا گیا اور انہوں نے اس حالت میں بھی ان آداب کو جنہیں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت حاضری کے وقت ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے ملحوظ رکھنا چاہا لیکن آپؐ نے ان کی یہ حالت دیکھ کر اور اپنے ساتھ ان کی اس لامحدود محبت کو ملاحظہ فرماتے ہوئے خود اُٹھ کر انہیں اپنے پہلو میں بٹھایا اور دیر تک ان کی مزاج پرسی اور ان کے حق میں دعا فرماتے رہے۔

اس سے قبل جیسا کہ ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے انہیں غزوۂ بنی قریظہ ہی میں شہادت کی تمنا تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدینے میں واپسی کے بعد پورا کر دیا کیونکہ وہاں سے واپسی کے فوراً بعد جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ان کا پہلا زخم عود کر آیا اور اس سے برابر خون جاری رہنے لگا اور اس حالت میں ایک روز شب کے وقت انہوں نے اپنی جان جانِ آفرین اور اپنے مالک حقیقی کے حضور پیش کر دی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ غزوۂ بنی قریظہ کے بعد سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخم پھر کھل گیا اور اسی سے وہ وفات پا کر رتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

ابن اسحٰق مزید فرماتے ہیں کہ ان سے معاذ بن رفاعہ زرقی اور ان کی قوم کے دوسرے اکثر لوگوں نے بیان کیا کہ جس رات

کو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اس رات جبریل علیہ السلام [illegible] کے سر پر ابرق کی طرح چمکتا ہوا [illegible] تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے عرض کیا:

''یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کس فوت ہونے والے کی میت ہے؟ جس کی آمد کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل گئے ہیں اور عرش تک خوش ہو رہا ہے؟''۔

جبریل علیہ السلام سے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً کھڑے ہو گئے اور اپنی ردائے مبارک اوڑھ کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے خیمے میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ واقعی وہ وفات پا چکے ہیں۔

حافظ بیہقی اپنی کتاب ''الدلائل'' میں فرماتے ہیں کہ ان سے ابوعبداللہ الحافظ ابوالعباس محمد بن یعقوب محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کے علاوہ خود ان کے والد اور شعیب بن لیث نے بیان کیا اور آخر الذکر دونوں کو لیث بن سعد نے یزید بن ہاد معاذ بن رفاعہ اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے بتایا کہ جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ سے پوچھا کہ:

''یہ نیک بندہ کون ہے جس کی وفات پر آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور عرش تک خوشی کا اظہار کیا جا رہا ہے؟''۔

اس کے بعد بیہقی انہی حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جا کر دیکھا تو اس آدھی رات کو وفات پانے والے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر جب ان کی تدفین کا وقت آیا تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی قبر کے پاس بیٹھ گئے اور آپؐ نے دو مرتبہ سبحان اللہ فرمایا اور ان کی تدفین کے بعد آپؐ نے ان کی مغفرت کے لیے دعا فرمائی۔ اور سارے صحابہ رضی اللہ عنہم آپؐ کے ساتھ اس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد آپؐ نے تکبیر کہی اور آپ کے ساتھ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی تکبیر کہی جس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

''اس مردِ صالح کو قیامت تک قبر میں کسی تکلیف کا سامنا بڑی حیرت انگیز بات ہوگی''۔

احمد ونسائی رحمہما اللہ یزید بن عبداللہ بن اسامہ بن ہاد اور یحییٰ بن سعید کے ذریعہ اور معاذ بن رفاعہ اور جابر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر پر فرمایا:

''سبحان اللہ! اس نیک بندے کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل گئے اور عرش الٰہی بھی حرکت میں آ گیا اور جب تک اسے قیامت کے دن اس قبر سے اٹھایا جائے گا اس پر اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا رہے گا''۔

ابن اسحٰق بیان فرماتے ہیں کہ ان سے معاذ بن رفاعہ نے محمود بن عبدالرحمٰن بن عمرو بن جموح نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے حوالے اور انہی کی زبانی بیان کیا کہ:

''جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دفن کیا تو ہم بھی وہاں موجود تھے۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد ان کی بخشش کے لیے دعا فرمائی اور اس کے بعد اللہ اکبر فرمایا جس میں ہم لوگ بھی شریک ہوئے''۔

[illegible] کے بعد حاضرین نے آپ [illegible] سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے ان کی قبر پر لمبی (طویل) تسبیح کیوں پڑھی اور اس کے بعد آپ کی زبان مبارک پہ اللہ اکبر اتنی دیر تک کیوں رہا؟''۔

اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''ان کی قبر قیامت تک ان کے لیے کشادہ اور باعث راحت رہے گی یعنی اس وقت تک جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس قبر کو کھول کر انہیں اٹھایا جائے گا''۔ (حدیث نبوی کا تشریحی ترجمہ)

اسی طرح امام احمدؒ نے یعقوب بن ابراہیم بن سعد ان کے والد اور ابن اسحٰق کے حوالے سے یہ روایت پیش کی ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت کا ثبوت مجازاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''ہر قبر کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر ناجی شخص کو جیسے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے (روز قیامت تک) راحت سے رکھے''۔

یہ وہی حدیث نبوی ہے جسے بیان کرتے ہوئے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ نے شعبہ' سعد ابن ابراہیم' نافع اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا کہ:

''ناجی کے سوا جیسے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے ہر قبر تنگ ہو جاتی ہے''۔

اس حدیث کی صحت کا ایک اور ثبوت اس کا صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں اندراج ہے۔ (مؤلف)

امام احمدؒ متعدد دوسرے حوالوں کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بھی بیان فرماتے ہیں کہ ان سے رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

''سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کے موقع پر ستر ہزار فرشتگان رحمت آسمان سے اترے تھے اور یہ کہ اس سے قبل کسی دوسرے کی وفات پر نہ اتنی تعداد میں (رحمت کے) فرشتے زمین پر اترے تھے اور نہ اس کی تدفین تک اس کی قبر پر ٹھہرے تھے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ:

''سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر نافع مسلسل روتے رہے تھے''۔

بعض احادیث سے یہ بھی قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو خود آنحضرت ﷺ نے قبر میں اتارا تھا اور ان کے والدین کو جنت میں ان کی آمد کا جشن اور تزک و احتشام دکھانے کے لیے تا سر عرش اٹھایا اور پھر زمین پر اتار دیا گیا تھا۔ (مؤلف)

کہا جاتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ایک لشکر لے کر کیدر دومہ تشریف لے گئے تھے تو وہاں کے لوگوں نے آپ کی خدمت میں زری سے تیار کردہ ایک لباس فاخرہ پیش کیا تھا جسے زیب تن فرما کر آپؐ نے ممبر سے لوگوں سے خطاب فرمایا تھا اور جب آپؐ [illegible]

''تم لوگ اس لباس کو حیرت سے کیوں دیکھ رہے ہو' اس سے کہیں بہتر لباس تو جنت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے پہن رکھا ہے''۔

اس حدیث کو ترمذی و نسائی نے محمد بن عمرو کے حوالے سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اسے حدیث صحیح و حسن بتایا ہے۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر ایک انصاری شاعر نے حدیث نبوی کے حوالے سے اہتزاز عرش کے بارے میں مندرجہ ذیل کہا تھا۔

وما اهتزّ عرش الله من موت هالك سمعنا به الا لسعد ابی عمرو

ابن اسحٰق مزید کہتے ہیں کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کی والدہ یعنی کبیشہ بنت رافع بن معاویہ بن ثعلبہ الخدریہ الخزرجیہ نے جب ان کے بیٹے سعد کی میت اٹھائی جا رہی تھی فی البدیہہ نوحہ کہہ کر پڑھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

''سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اس نوحے کے علاوہ اور سب نوحے پر تکذیب ہوتے ہیں''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت فرمایا ہے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک بڑا پر درد مرثیہ کہا تھا نیز یہ کہ اس سے قبل کبھی کسی کی وفات پر اتنے لوگوں کو روتے نہیں دیکھا گیا تھا۔

فصل:

غزوۂ خندق اور غزوۂ بنی قریظہ پر اشعار

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے حجاج بن منہال نے متعدد حوالوں سے عدی بن ثابت کی زبانی البراء بن عازب کا یہ قول بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے سنا کہ:

''مشرکین کی جتنی ہو سکے ہجو کرو جس میں جبریل علیہ السلام تمہارا ساتھ دیں گے''۔

بخاریؒ کے بقول غزوۂ بنی قریظہ کے روز اور ابن اسحٰق کے بقول غزوۂ خندق کے دن بنی محارب بن فہر کے بھائی ضرار بن الخطاب بن مرداس نے اشعار کی صورت میں مجاہدین اسلام کی ہجو کا ایک طومار باندھ دیا تھا۔[1]

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبعری السہمی نے بھی غزوۂ خندق کے موقع پر ایسا ہی کہا تھا۔[2]

ابن اسحٰق نے مذکورہ بالا شاعروں کے جواب میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو پر مغز اشعار کہے تھے وہ بھی بیان کیے ہیں۔ ان کے علاوہ کعب بن مالک، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب وغیرہ نے جو اشعار مذکورہ بالا دونوں موقعوں پر کہے تھے اور ان کے علاوہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات اور غزوہ بنی قریظہ کے شہداء پر جو مراثی کہے تھے ان سب کا ریکارڈ عربی ادب میں موجود ہے جس سے شائقین ادبیات استفادہ کر سکتے ہیں۔

---

❶ یہ اس مشہور عربی شاعر کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا قصہ ہے۔ (مؤلف)

❷ بھی عبداللہ [illegible] اسلام لانے سے قبل کا واقعہ ہے۔ (مؤلف)

مقتل ابورافع یہودی

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد مجاہدین اسلام کو بنی قریظہ کے سرکشوں اور فتنہ پردازوں کی سرکوبی کا حکم دیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی قیادت کے لیے خود بھی بہ نفس نفیس اس طرف روانہ ہوئے تو آپؐ نے انہیں بطور خاص یہ حکم بھی دیا تھا کہ سلام بن حقیق جہاں بھی ملے اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ یہ شخص جو ابورافع کے نام سے مشہور تھا' مسلمانوں کو مصائب میں مبتلا کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہا تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا جو قبیلہ خزرج کی مخالفت اور دشمنی میں ہر موقع پر آگے آگے رہتا تھا اس لیے آپ نے قبیلہ خزرج کے ان لوگوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے اور اس وقت مسلمانوں کے ساتھ تھے ابورافع کو قتل کرنے کا بطور خاص جو حکم دیا اس سے خزرجی لوگ حد سے زیادہ خوش ہوئے تھے اور وہ اس کی تاک میں تھے ویسے چونکہ اس وقت جب غزوۂ احد سے قبل اوس والوں نے خزرج کے مشہور شخص کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا۔ ابورافع کے خیبر میں پائے جانے کی اطلاع ملی تھی اس لیے اب سے پہلے ہی خزرجی لوگوں کو اس کے فوری قتل کا حکم دیا گیا تھا۔

ابن اسحٰق محمد بن مسلم زہری اور عبداللہ بن کعب بن مالک کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت کی مکے سے مدینے کو ہجرت کے وقت مدینے میں سکونت پذیر اوس وخزرج کے جو لوگ مسلم انصار میں شامل ہوئے تھے اس وقت بھی اوس کے جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ آپ کا ساتھ دینے سے انہیں کیا فائدہ ہوگا' ان کا سرغنہ یہی ابورافع تھا اور خزرج کے جو لوگ کسی غرض اور مال و دولت کے لالچ کے بغیر آپ کا ساتھ دینے پر ہر طرح آمادہ ہو گئے تھے ان کا سربراہ کعب بن اشرف تھا جسے اکثر لوگوں کے بقول جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا' غزوۂ احد سے پہلے ہی ابورافع نے ان دونوں قبائل میں قدیم دشمنی اور اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی نصرت کے معاملے میں کعب بن اشرف کی حمایت کی وجہ سے اسے دانستہ قتل کیا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا جب آنحضرت ﷺ نے خزرج والوں کو ابورافع کے قتل کی اجازت دی تھی وہ اس وقت خیبر میں تھا۔

بہرکیف ابن اسحٰق نے مذکورہ بالا حوالوں سے ابورافع کے قتل کا واقعہ جس طرح بیان کیا ہے اسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''جب آنحضرت ﷺ نے اہل خزرج کو ابورافع کے قتل کی اجازت دی تھی تو ان میں سے ابن اشرف کے علاوہ جو لوگ ابورافع کی تلاش میں نکلے تھے وہ بنی سلمہ کے پانچ افراد عبداللہ بن عتیک' مسعود بن سنان' عبداللہ بن سنان' ابوقتادہ الحارث ابن ربعی تھے جن میں ان کا حلیف خزاعی ابن اسود بھی شامل تھا۔ ویسے آخر الذکر کا تعلق خزرج کی ایک شاخ بنی اسلم سے تھا۔ تاہم جب یہ لوگ ابورافع کی تلاش میں روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن عتیک کو تاکید کی تھی

کہ ولید یا اس کی بیوی کو کسی حالت میں قتل نہ کیا جائے''۔

''جب یہ لوگ خیبر پہنچے تو رات ہو چکی تھی لیکن انہوں نے خود کو اجنبی ظاہر کرنے کے خیال سے بھی کسی اور کے دروازے پر دستک دینا مناسب نہ سمجھا بلکہ سیدھے ابن ابی حقیق کے دروازے پر پہنچ گئے اور وہاں بھی اہل خانہ کو بلند آواز سے پکارنے کے بجائے اس کے دروازے پر اس قدر دستک دی کہ پڑوسیوں کو بالکل خبر نہ ہونے پائے جو بیدار ہو کر کسی گڑبڑ کی صورت میں اس کی مدد کو آ سکتے تھے''۔

''بہر حال دروازے پر دستک سن کر ابورافع کی بیوی نے دروازہ کھولا اور ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟''

وہ بولے: ''ہم عرب ہیں اور مسافر ہیں' چونکہ رات کو اس وقت کھانے کو ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اس لیے آپ کے پاس بچا ہوا کھانا ہو تو ہمیں دے دو''۔

وہ بولی: ''میرے شوہر اس وقت اوپر کی منزل میں کھانا کھا رہے ہیں' تم اپنے ایک آدمی کو اندر بھیج دو تاکہ وہ اوپر جا کر ان سے کھانا لے آئے''۔

لیکن جیسا کہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے:

''اس عورت نے پیچھے ہٹ کر ان میں سے ایک آدمی کو اندر آنے کی اجازت دی ہی تھی کہ یہ سب کے سب ایک دوسرے کے پیچھے مکان میں گھستے چلے گئے۔ وہ پہلے تو حیرت زدہ ہو کر کھڑی رہی لیکن جب ان لوگوں نے اوپر جانے کے لیے سیڑھیوں کا رخ کیا تو وہ اپنے خاوند کو خبردار کرنے کے لیے ان کے پیچھے بھاگی لیکن ان لوگوں نے اوپر پہنچتے ہی ابورافع پر جو واقعی کھانا کھا رہا تھا تلواروں سے حملہ کر دیا جس سے وہ شدید زخمی ہو کر کچھ دیر فرش پر تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا''۔

''ابورافع پر پہلے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا تھا اور پہلے ہی وار میں اپنی تلوار اس کے پیٹ کے آر پار کر دی تھی۔ جب اس کی بیوی نے مزاحمت کرنا چاہی تو ان لوگوں نے اسے بھی قتل کرنا چاہا لیکن عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم یاد دلا کر روک دیا کہ ولید اس کی بیوی یا کسی دوسرے کی بیوی کو کسی حالت میں قتل نہ کیا جائے''۔

''عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی بصارت کمزور تھی اس لیے وہ اس مکان سے رات کے اندھیرے میں بھاگ نکلنے میں تکلیف محسوس کر رہا تھا بلکہ اسے ایک آدھ جگہ ٹھوکر بھی لگ گئی تھی اور وہ گر کر زخمی ہو گیا تھا اس لیے اسے اٹھا کر راستے سے الگ لے جایا گیا' اس کا زخم صاف کیا اور تھوڑا سا پانی اسے پلا بھی دیا گیا''۔

جب ابن عتیک رضی اللہ عنہ سنبھل کر بیٹھا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا:

''وہ خدا کا دشمن مر بھی گیا ہوگا یا نہیں؟''۔

اس کے جواب میں ان کا ایک ساتھی بولا:

''میں چپکے سے جا کر دیکھتا ہوں''۔

''اس نے ابورافع کے مکان پر پہنچ کر دیکھا کہ اس کے پڑوسی اس کی بیوی کی چیخیں سن کر اس کے دروازے پر جمع ہو گئے تھے اور دو دو چار مل کر پرسش حال کے لیے اندر جا رہے تھے۔ چنانچہ یہ بھی انہیں میں شامل ہو گیا اور پھر انہی کے ساتھ مکان کی بالائی منزل پر بھی چلا گیا جہاں ابورافع کی بیوی نے ایک قریب تر کر لوگوں کو اس کی صورت دکھا رہی تھی جو مر چکا تھا''۔

ابن عتیک رضی اللہ عنہ کے اس ساتھی کو اتفاق سے اس وقت بھی کسی نے نہیں پہچانا تھا جب اس نے کہا تھا:

''میں نے ابن عتیک رضی اللہ عنہ کی آواز تو تھوڑی دیر پہلے کہیں قریب ہی سنی تھی لیکن میں نے سوچا کہ بھلا وہ ان اطراف میں خصوصاً ہماری اس بستی کی طرف کیسے آ سکتا ہے''۔

جب ابن عتیک رضی اللہ عنہ کے اس ساتھی نے اسے اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو ابورافع کے مکان سے کسی طرح چھپ چھپا کر واپسی میں اس کے مرنے کی اطلاع دی تو ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا:

''مجھے اس کی حسین اور جوان بیوی پر بڑا ترس آیا جو کم بخت اپنے شوہر کی قبیح حرکات کی وجہ سے اس عمر میں بیوہ ہو گئی ہے''۔

بہرحال جب یہ لوگ خیبر سے لوٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان میں سے ہر ایک کا یہی دعویٰ تھا کہ ابورافع کو اسی نے قتل کیا ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلواریں باری باری سے لے کر ملاحظہ فرمائیں پھر ارشاد فرمایا:

''عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی تلوار پر کھانے کے کچھ باریک ذرات ابھی تک موجود ہیں جو مقتول کے پیٹ سے ان کی تلوار پر اس وقت جم کر رہ گئے تھے جب یہ تلوار مقتول کے پیٹ سے گزری تھی اگرچہ یہ ذرات بظاہر کسی کو شاید اب بھی نظر نہ آئیں اس لیے ابورافع کے قتل کو انہی کا کارنامہ سمجھنا چاہیے''۔ (حدیث کا تشریحی ترجمہ)

امام محمد ابن اسحاق نے بھی اس قصے کو قریباً اسی طرح بیان کیا ہے۔ (مؤلف)

امام ابوعبداللہ البخاری کہتے ہیں کہ ان سے اسحاق بن نصر' یحییٰ بن آدم اور ابن ابی زائدہ نے اپنے والد' ابی اسحاق اور البراء ابن عازب کے حوالے سے بیان کیا کہ:

''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خزرج کے کچھ لوگوں کو ابورافع کی طرف بھیجا تھا تو ان میں سے عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے رات کے وقت اس کے مکان میں داخل ہو کر سوتے میں اسے قتل کر دیا تھا''۔

بخاریؒ متعدد حوالوں سے بیان فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار میں سے چند افراد کو ابورافع کی تلاش اور اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا اور ان کی سربراہی پر عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا تھا تو اس وقت تک وہ آپ کی اور آپؐ کے مہاجر و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایذا رسانی میں حد سے گزر چکا تھا۔

بخاریؒ مزید بیان فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں ابورافع نے حجاز ہی میں ایک جگہ قلعہ تعمیر کر لیا تھا اور اسے اپنے لیے محفوظ سمجھ کر وہیں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشوں کے جال پھیلایا کرتا تھا۔

بہرحال جب ابن عتیک رضی اللہ عنہ لوگوں کی نظروں سے بچتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک رات کو اس قلعے کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ اس میں داخلے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تاہم وہ اپنے ساتھیوں کو ایک طرف ٹھہرا کر اپنا لباس اتارنے لگے اور جب بجز ستر پوشی کے ایک معمولی کپڑے کے ان کے جسم پر کوئی کپڑا نہ رہا اور ہاتھ میں بھی صرف تلوار اور کمند رہ گئی تو ان کے ساتھی یک زبان ہو کر حیرت سے بولے:

''کیا آپ اس طرح اس مضبوط قلعے میں داخل ہونا چاہتے ہیں؟''۔

ابن عتیک رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''ہاں لیکن تم لوگ اس جگہ کے قریب ہی رہنا جہاں سے میں اوپر چڑھوں اور جب میں نیچے اتر کر قریب کا کوئی دروازہ کھولوں تو تم بھی اندر آ جانا''۔

اس منصوبے کی کامیابی کے بعد جب ابن عتیک رضی اللہ عنہ نے قلعے کی چھت سے ایک قریبی زینے کے ذریعہ نیچے اتر کر ایک دروازہ کھولنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو کوئی مخصوص اشارہ کیا تو وہ بھی اس دروازے سے قلعے میں داخل ہوئے اور ننگی تلواریں لے کر ادھر اُدھر پھیل گئے لیکن انہیں وہاں ابورافع کے ایک غلام کے سوا اور کوئی نہ ملا۔ خدا جانے اس کے اہل وعیال اس وقت کہاں تھے۔

ابورافع کا وہ تنہا غلام انہیں دیکھ کر شور مچانے لگا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا اس وقت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ ابورافع کی خواب گاہ میں آہستہ آہستہ داخل ہو رہے تھے اس نے انہیں دیکھ کر چونکتے ہوئے پوچھا:

''تم! تم یہاں تک کیسے پہنچے؟''۔

ابن عتیک رضی اللہ عنہ بولے:

''پہلے تم یہ بتاؤ کہ میں نے ابھی جو چیخ سنی ہے وہ کس کی ہو سکتی ہے؟''۔

ابورافع نے گھبرا کر کہا:

''ارے کم بخت! تیری ماں مرے' یہاں اس قلعے میں اس وقت میرے ایک تنہا غلام کے علاوہ اور کوئی نہ تھا' معلوم ہوتا ہے اسے بھی کسی نے قتل کر ڈالا''۔

یہ کہہ کر ابورافع نے بستر سے اٹھنا چاہا لیکن ابن عتیک رضی اللہ عنہ نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر اپنی چمکدار تلوار کے پہلے ہی وار میں اسے جہنم واصل کر دیا اور جب ان کے ساتھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے ابورافع کی خواب گاہ میں پہنچے تو انہیں اس کے بستر پر ایک تصویر عبرت کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔

بخاری آخر میں بیان فرماتے ہیں کہ ان سے اکثر لوگوں نے بیان کیا کہ ابورافع کے قلعے سے باہر آتے وقت وہ ضعف بصارت کی وجہ سے کسی دروازے سے ٹکرا کر گر پڑے تھے جس سے ان کی ایک پنڈلی ٹوٹ گئی تھی اور انہیں ان کے ساتھی بمشکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تھے۔

بخاریؒ کے بقول ان کے متعدد ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ جب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس حالت میں لائے کہ ان کی ایک شکستہ پنڈلی تھی اور پاؤں نہایت شدت سے زیادہ متورم تھے اور ان کے ہاتھوں ابورافع کے قتل کا سارا واقعہ آپ کے گوش گزار کیا تو آپؐ نے بڑی شفقت سے ان کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور پھر کلمات تحسین و آفرین کے ساتھ ان کی اس شکستہ پنڈلی سے نیچے تک دست مبارک پھیرا۔

بخاری فرماتے ہیں کہ اکثر راویوں نے عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک پھیرنے کے بعد ان کی اس پنڈلی کا شدید درد اور ورم بالکل جاتے رہے اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے اس میں تکلیف ہوئی ہی نہیں تھی۔

بہرکیف اس روایت اور اس روایت سے قبل جو روایات ابورافع کے قتل کے بارے میں بیان کی گئی ہیں ان پر ہمارے نزدیک کسی تبصرے کی گنجائش نہیں ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

مقتل خالد بن سفیان الہزلی

حافظ بیہقی نے اپنی کتاب ''الدلائل'' میں مقتل ابورافع کے بعد مقتل خالد بن سفیان الہزلی کا مختصر ذکر کیا ہے۔

امام احمدؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ ان سے یعقوب اور خود ان کے والد نے ابن اسحٰق کے حوالے سے اور محمد بن جعفر بن زبیر نے ابن عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اور ان کے والد یعنی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے آخر الذکر یعنی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا:

''مجھے خبر ملی ہے کہ خالد بن سفیان بن نبیح میرے خلاف جنگ کے لیے لوگوں کو جمع کر رہا ہے لہٰذا تم جا کر اسے ٹھکانے لگا دو،وہ آج کل تمہیں عرنہ میں ملے گا''۔

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) مجھے اس کی کچھ نشانی بتا دیجیے تاکہ میں اسے پہچان سکوں''۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب میں نے اسے دیکھا تھا تو وہ مرض رعشہ میں مبتلا تھا''۔

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے بعد وہ اپنی تلوار لے کر دیوانہ وار روانہ ہو گئے اور انہوں نے خالد بن سفیان الہزلی کو عرنہ میں جا پکڑا۔

وہ کہتے ہیں کہ اس وقت عصر کا وقت تھا اور خالد بن سفیان عورتوں کو سوار کرنے کے لیے اونٹوں کو بٹھا رہا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اسے اسی نشانی سے جو آنحضرت ﷺ نے بتائی تھی پہچانا تھا لیکن ایک طرف تو انہیں نماز عصر قضا ہونے کا اندیشہ تھا اور دوسری طرف یہ خیال تھا کہ اگر انہوں نے اسے ٹھکانے لگانے سے پہلے نماز ادا کی تو وہ کہیں چل نہ دے اس لیے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ انہوں نے نماز کی نیت باندھی اور ہر رکعت میں رکوع وسجود کے بعد اس کی پشت کی طرف سے لیٹے لیٹے اس کی طرف کھسکنا شروع کیا حتیٰ کہ آخری رکعت کے سجدوں کے بعد سلام پھیرتے ہی وہ اس کے پاس جا پہنچے اور اسی لمحے اسے جہنم واصل کر دیا۔

وہ کہتے ہیں کہ قتل سے پہلے اس نے ان کی آہٹ پا کر مڑتے ہوئے اور حیرت زدہ ہو کر ان سے پوچھا تھا: ''تم کون ہو؟'' اور انہوں نے جواب دیا تھا:

''میں ایک عرب ہوں اور تمہارے پاس اسی کام کے سلسلے میں آیا ہوں جس کے لیے تم لوگوں کو جمع کر رہے ہو اور وہ کام یہ ہے''۔

یہ کہتے ہی انہوں نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کی گردن اڑا دی اور اس کے فوراً بعد جیسا کہ انہوں نے بتایا' ان عورتوں کو جنہیں سوار کرنے کے لیے وہ اونٹوں کو بٹھا رہا تھا اس کی لاش پر روتا چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے مزید بیان کیا کہ وہ جب عرنہ سے مدینے واپس پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا:

''تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم کامیاب ہو کر آئے ہو''۔

آنحضرت ﷺ کے اس پیغمبرانہ ارشاد کے جواب میں عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''جی حضور (ﷺ) میں اسے قتل کر آیا ہوں''۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ انہیں ساتھ لے کر اپنے خانہ مبارک تشریف لے گئے اور وہاں آپؐ نے انہیں ایک عصا عطا فرمایا: عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے مؤدبانہ عرض کیا:

''حضور (ﷺ) آپ کی یہ عطا اس بندۂ ناچیز کے لیے دولت کونین سے بڑھ کر اور دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ متبرک ہے لیکن آپؐ کے اس غلام کے لیے اس کا مصرف کیا ہوگا؟''۔

اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ:

''عصا دنیا میں تمہاری حفاظت کا ذریعہ بننے کے علاوہ میدان حشر میں میرے لیے تمہاری پہچان ہوگا کیونکہ دنیا کی کسی سر زمین سے کہیں زیادہ وہاں انسانی مخلوق ایک جگہ جمع ہوگی اور یہاں سے بہت زیادہ کسی نہ کسی عصا پر انحصار کرے گی''۔ (تشریحی ترجمہ حدیث)

اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ عصا تلوار کی طرح ہمیشہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا خاص رفیق بنا رہا اور ان کی وصیت کے مطابق تدفین کے وقت ان کی قبر میں رکھ دیا گیا تھا۔

امام احمدؒ نے اس واقعے کو یحییٰ بن آدم' عبداللہ بن ادریس' محمد بن اسحٰق' محمد بن جعفر بن زبیر اور عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے بعض بیٹوں کے حوالے سے بھی روایت کیا ہے۔

اسی طرح اس قصے کو ابوداؤد نے بھی ابی معمر' عبدالوارث' محمد بن اسحٰق' محمد بن جعفر' خود عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

حافظ بیہقی نے اس روایت کو محمد بن سلمہ کے ذریعہ محمد بن اسحٰق' محمد بن جعفر بن زبیر' ابن عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اور ان کے والد یعنی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

ابن ہشام نے خالد بن سفیان کے قتل کے بارے میں عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے کچھ اشعار بھی پیش کیے ہیں۔

عبداللہ بن انیس بن حرام ابو یحییٰ جہنی بڑے مقتدر اور مشہور صحابی تھے۔ وہ بیعت عقبہ کے علاوہ غزوات احد و خندق اور ان کے بعد دوسرے غزوات میں بھی شریک رہے تھے۔ انہوں نے جیسا کہ مشہور ہے' شام میں قریباً سال اسی ہجری میں وفات پائی

جب کہ بعض روایات میں ان کا سال وفات سن چون ہجری بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

علی بن زبیر اور خلیفہ بن خیاط نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن انیس ابی عیسیٰ انصاری کو جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مروی ہے کہ آپ کی دعا سے غزوہ احد کے روز ان کے خشک برتن میں پانی نکل آیا تھا جس سے انہوں نے منہ دھویا تھا اور سیر ہو کر پانی بھی پیا تھا' دو مختلف شخصیات بتایا ہے اور یہی بات ابوداؤد اور ترمذی نے عبداللہ العمری اور عیسیٰ بن عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا ہے لیکن ترمذی نے آخر میں یہ بھی کہا ہے کہ اس سلسلے میں عبداللہ العمری کی روایت کو مستند اور صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔ کیونکہ ضعیف العمری کی وجہ سے ان کا حافظہ پہلا جیسا نہیں رہا تھا۔ (مؤلف)

عمرو بن عاص اور نجاشی کا قصہ

محمد بن اسحٰق ابورافع کے قتل کا واقعہ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ان سے یزید بن ابی حبیب نے حبیب بن اوس ثقفی کے غلام راشد اور خود حبیب بن اوس کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو عمرو بن عاص نے بتایا:

''جب ہم یعنی قریش مکہ غزوۂ خندق سے ناکام مکے واپس آئے تو میں نے قریش کے ان چند خاص لوگوں کو جمع کیا جو میری ہر بات کو معتبر جان کر اسے مانتے بھی تھے اور ان سے کہا کہ ''اگر آپ لوگ میرا ایک مشورہ مانیں تو کہوں''۔

وہ بولے:

''ضرور کہیے، ہم اسے مانیں گے اور اس پر عمل بھی کریں گے''۔

عمرو بن عاص نے اس کے بعد حبیب بن اوس کو بتایا:

جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ لوگ میری بات ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے آمادہ ہیں تو میں نے ان سے کہا:

''میرا مشورہ یہ ہے کہ ہمیں بھی حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس اپنے کچھ جہاندیدہ اور معتبر آدمی بھیجنے چاہئیں کیونکہ میں نے سنا ہے کہ محمد (ﷺ) نے اپنے کچھ خاص خاص آدمی جعفر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جن میں عمرو بن امیہ ضمری بھی شامل ہے حبشہ بھیج دیئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ یہ جعفر رضی اللہ عنہ بڑا لسان اور عمرو بن امیہ بہت ہی چالاک آدمی ہے۔ اگر نجاشی ان کی باتوں میں آ گیا تو ہمارے حق میں بہتر نہیں ہو گا''۔

عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے یک زبان ہو کر مجھ سے درخواست کی کہ میں خود نجاشی کو ہموار کرنے کے لیے حبشہ جاؤں۔ چنانچہ میں قریش کے بہت سے دوسرے لوگ لے کر حبشہ روانہ ہو گیا۔

عمرو بن عاص مزید بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ پہنچ کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نجاشی کے دربار میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ عمرو بن امیہ ضمری اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں سے نکل رہا تھا بہرحال وہ نجاشی کے دربار میں داخل ہوئے اور وہاں کے دستور کے مطابق پہلے انہوں نے نجاشی کے سامنے فرش پر سر رکھ کر اسے سجدہ کیا اور پھر دست بستہ کھڑے ہو کر اس سے کہا:

''حضور بادشاہ سلامت! ابھی جو شخص حضور کے دربار گہر بار سے نکلا ہے ہم قریش کے اسی آدمی کا نمائندہ ہے جس نے ایک نیا (نعوذ باللہ) من گھڑت مذہب ایجاد کر کے نہ صرف اہل مکہ بلکہ جملہ اہل عرب کو گمراہ کرنا شروع کر دیا ہے جب کہ ہم لوگوں نے اپنی طرف سے وہاں کے لوگوں کو حضور کی اطاعت کے لیے پہلے کی طرح اب بھی ہموار کرنے کا سلسلہ جاری کر رکھا لیکن ہمارا ہی وہ آدمی اپنے آپ کو خدا کا نبی بتاتا ہے اور نہ جانے کیا کیا کہتا ہے کہ خود ہمارے لوگ کثرت

سے اس نئے مذہب میں داخل ہونے لگے ہیں۔ اس لیے مجھے اندیشہ ہے کہ آگے چل کر وہ شخص یعنی محمد (ﷺ) نہ صرف ہمارے مذہب بلکہ آپ کے دین مسیحی کے لیے بھی ایک خطرۂ عظیم ثابت ہوسکتا ہے۔ چنانچہ یہ بندۂ درگاہ اس لیے حضور کی خدمت عالی میں قریش مکہ کی طرف سے یہ گزارش لے کر حاضر ہوا ہے کہ حضور اس شخص کے ان نمائندوں کی پرفریب باتوں کی بجائے میری گزارشات پر غور فرما کر ہماری امداد فرمائیں تاکہ ہم ابتداء ہی میں اس نئے مذہب کا سدباب کرسکیں بلکہ اس نئے مذہب کے بانی کا بھی (نعوذ باللہ) ابھی سے قلع قمع کر دیں''۔

عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ ان کی زبان سے یہ گفتگو سن کر نجاشی اتنا غضب ناک ہوا کہ اس نے اپنے ہی منہ پر ایسا زبردست دوہتڑ مارا کہ ان کے بقول وہ سمجھے کہ اس سے اس کی ناک ضرور ٹوٹ گئی ہوگی۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے بیان کیا:

''میں یہ دیکھ کر لرز گیا اور اس کے (نجاشی کے) سامنے سر جھکا کر دست بستہ کھڑا ہوگیا تو وہ کسی قدر پرسکون ہو کر یوں گویا ہوا:

''جس شخص کو تم بدنصیب لوگ (نعوذ باللہ) جھوٹا کہتے ہو وہ درحقیقت خدا کا وہی سچا اور آخری نبی ہے جس کی بشارت انجیل مقدس میں موجود ہے اور اس پر جو کلام خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے وہ وہی ''ناموس اکبر'' (کلام الٰہی) ہے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوتا تھا کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ میں خدا کے اس برگزیدہ بندے اور سچے نبی پر پہلے ہی ایمان لا چکا ہوں۔ اس لیے قریش مکہ کو میری طرف سے اس رسول خدا (ﷺ) کے خلاف کسی امداد کی ہرگز امید نہیں رکھنی چاہیے۔ بہتر ہے کہ تم لوگ یہاں سے فوراً واپس چلے جاؤ ورنہ......''۔

عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ نجاشی کی بات ابھی ادھوری ہی تھی کہ وہ خوف زدہ ہو کر اس کے آگے دوبارہ جھک گئے اور پھر دست بستہ ہو کر مؤدبانہ بولے:

''مجھے حضور کی رائے عالی سے اب حرف بحرف اتفاق ہے اور میں حضور ہی کے دست مبارک پر محمد (ﷺ) اور ان کے سچے دین پر ایمان لا کر داخل اسلام ہوتا ہوں''۔

عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ ان کی زبان سے یہ سن کر نجاشی کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا اور اس نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو ان کی توقع سے زیادہ انعام واکرام سے نواز کر رخصت کیا۔

عمرو بن عاص آخر میں کہتے ہیں کہ جب وہ اور ان کے ساتھی حبشہ سے واپس مکے کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے سوچا تھا کہ وہ اپنے اسلام کو کچھ دنوں کے لیے قریش مکہ سے پوشیدہ رکھیں گے لیکن وہ جیسے ہی شہر میں داخل ہوئے تو انہیں خالد ابن ولید مل گئے اور انہیں دیکھ کر بولے:

''عمرو! تم جس طنطنے کے ساتھ حبشہ کی طرف روانہ ہوئے اب تمہارا وہ انداز نہیں ہے' آخر اس کا کیا سبب ہے؟ کیا تم مجھے بھی نہیں بتاؤ گے؟''

عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ خالد ابن ولید کی یہ بات سن کر انہوں نے اس سے سرگوشی میں کہا:

''میرے دوست! تم برا مانو یا بھلا لیکن میں کم سے کم تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ نجاشی کی باتوں نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اور میں بحمد اللہ مسلمان ہو گیا ہوں''۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ان کی زبان سے بظاہر یہ حیرت ناک بات سن کر خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ خوشی سے اچھل پڑے اور پھر بولے:

''مبارک ہو! بہرحال میں تمہیں یہ بتانے میں اب کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ مجھے تم سے پہلے ہی یہ عظیم شرف حاصل ہو چکا ہے''۔

ہمارے نزدیک عمرو بن عاص اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے داخل اسلام ہونے کا واقعہ واقعہ حدیبیہ کے بعد کا واقعہ ہے لیکن محمد بن اسحٰق کی طرح ہم نے بھی اسے سال پنجم ہجری کے دوسرے واقعات کے ساتھ یہاں درج کر دیا ہے۔ (مؤلف)

فصل:

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ ازدواج

واقعہ خندق کے بعد جیسا کہ بیہقی نے کلبی کے ذریعہ ابی صالح اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا' ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تزویج میں مندرجہ ذیل آیت قرآنی کے موثرات کی صاف جھلک پائی جاتی ہے:

﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مُّوَدَّةً ﴾

یہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تزویج ہی تھی جس کے ذریعہ وہ یعنی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین اور ان کے بھائی معاویہ مومنین کے ماموں ہو گئے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیہ شریفہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ باہم دشمنی رکھنے والوں میں اسلامی رشتہ اخوت ومودت قائم ہو گیا۔

بیہقی ابوعبداللہ الحافظ' احمد بن نجدہ' یحییٰ بن عبدالحمید اور ابن المبارک کی زبانی معمر' زہری عروہ اور خود ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ وہ پہلے عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں اور جب عمرو بن عاص جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے شاہ حبشہ نجاشی کو قریش مکہ کے حق میں ہموار کرنے کے لیے حبشہ گئے تھے تو یہ بھی اپنے شوہر اور دوسرے مشرکین قریش کے ہمراہ وہاں گئی تھیں لیکن دوسرے لوگوں کی واپسی کے بعد یہ اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ جیسا کہ اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے' وہیں مقیم ہو گئی تھیں اور یہ کہ ان کے شوہر نے وہاں عیسوی مذہب قبول کر لیا تھا لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد ہی ان کے شوہر کا وہیں انتقال ہو گیا تھا اور وہ اپنی چند کنیزوں کے ساتھ وہاں تنہا رہ گئی تھیں جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا تھا جسے انہوں نے بطیب خاطر قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد خود نجاشی نے جیسا کہ عمرو بن عاص کی زبانی پہلے بیان کیا جا چکا ہے مسلمان ہو گیا تھا خطبہ نکاح کے بعد ان کی اجازت سے خالد بن سعید کی وکالت اور جعفر بن عبدالمطلب اور چند دوسرے مسلمانوں کی گواہی سے جو اس وقت تک حبشہ ہی میں تھے ان کا عقد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مہر جو کچھ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بھیجا تھا اس کے علاوہ خود نجاشی نے انہیں اپنی طرف سے چار ہزار دینار اور بہت سا دوسرا جہیز بھی دیا تھا۔

جب یہ لوگ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ان کی کنیزوں کو ساتھ لے کر حبشہ سے روانہ ہونے لگے تو نجاشی نے سنت انبیاء کا حوالہ دے کر دعوت کے لیے انہیں روک لیا تھا جس کے بعد وہ لوگ اگلے روز وہاں سے واپس مکے کی طرف واپس لوٹے تھے۔

بیہقی کا ابن لہیعہ کے ذریعہ ابی اسود اور عروہ کے حوالے سے یہ بیان کہ عبداللہ بن جحش نے اسلام لانے کے بعد دوسرے مسلمانوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکے سے حبشہ کو ہجرت کی تھی اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ وہاں گئی تھیں لیکن وسوسہ شیطانی سے مغلوب ہو کر عبداللہ بن جحش عیسائیت کو پسند کر کے عیسائی ہو گئے تھے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت حبشہ میں تھے ام حبیبہ [illegible]

عثمان رضی اللہ عنہ تو عبداللہ بن جحش کے فوت ہونے سے قبل ہی مکے واپس آ گئے اور پھر وہاں سے ہجرت کر کے مدینے آ گئے تھے جس کے بعد آپ کی زوجہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا وہیں آپ سے آ ملی تھیں۔ اس لیے یونس کی وہ روایت ہی صحیح معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے پیش کی ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام وصول ہونے اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے اسے قبول کر لینے کے بعد ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے خالد بن عمرو بن عاص کو وکیل اور جعفر بن عبدالمطلب وغیرہ کو وکیل بنا کر ان کا نکاح آپ کی طرف سے خود وکیل بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھایا تھا اور پھر خالد بن سعید اور دیگر مسلمانوں کے ہمراہ انہیں آپ کی خدمت میں مدینے بھجوا دیا تھا۔

بہر حال یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بیہقی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عقد سال چہارم ہجری میں بتایا ہے جب کہ خلیفہ، ابوعبیداللہ معمر بن مثنیٰ اور ابن البرقی وغیرہ نے اسے سال ششم ہجری میں بیان کیا ہے لیکن مسلم الثبوت روایت وہی ہے جس میں یہ واقعہ سال پنجم ہجری سے منسوب کیا گیا ہے اور وہی اس سال کے دوران میں بہت سے دوسرے وقوع پذیر واقعات کی مناسبت سے قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

بعض راویوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ام حبیبہ کا آنحضرت سے فتح مکہ کے بعد ہوا تھا۔ واللہ اعلم

بہر حال ابوعبید القاسم بن سلام نے ام حبیبہ کی وفات کا سن چوالیس ہجری بتایا ہے۔ جب کہ ان کے بھائی معاویہ ابن ابی سفیان نے ماہ رجب سن ساٹھ ہجری میں وفات پائی۔ البتہ ابوسفیان کے اسلام لانے کا ذکر اکثر راویوں نے فتح مکہ کے بعد کیا ہے۔ جس پر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ مفصل گفتگو کریں گے۔

آنحضرت ﷺ کا زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے عقد

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی پھوپھی میمونہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی یعنی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ پہلے ان کی شادی آپ کے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔

قتادہ' واقدی اور بعض اہل مدینہ کے بقول وہ اس کے بعد سال پنجم ہجری میں آنحضرت ﷺ کے نکاح یعنی آپ کی زوجیت میں آئیں۔ بعض لوگوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ سال مذکورہ کے ذیقعدہ کا مہینہ تھا۔

حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کا عقد غزوۂ بنی قریظہ کے بعد ہوا تھا جب کہ خلیفہ بن خیاط' ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ اور ابن مندہ بتاتے ہیں کہ وہ سال سوم ہجری کے اوّل چند ماہ کے دوران میں آپ کی زوجیت میں آئی تھی۔ ان راویوں کے علاوہ ابن جریر اور دوسرے متعدد مورخین' مفسرین اور علماء وفقہاء نے جن میں احمد بن حنبل بھی شامل ہیں آپ کے ساتھ ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کے ازدواج کو عموماً مختلف سنین واوقات میں بیان کیا ہے لیکن ان سب کا ایراد واندراج ہم نے یہاں بخوف طوالت قصداً ترک کر دیا ہے بہر کیف آنحضرت ﷺ کے تعدد ازدواج' اس کے جواز اور مطلقہ خواتین سے آپ کو نکاح کی اجازت کے بارے میں ارشاد ربانی حسب موقع ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ جس میں آنحضرت ﷺ سے قبل زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے متعلق تصریح واضح الفاظ میں موجود ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ .... الخ ﴾

اس کے ساتھ ہی ارشاد ہوا:

﴿ مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ .... الخ ﴾

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے ہم نے اپنی ''کتاب التفسیر'' میں آنحضرت ﷺ کے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر بصورت اسلام اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے زید رضی اللہ عنہ کی شادی کی صورت میں نبی کریم ﷺ کی ان پر نوازش کا ذکر ہم نے بالتفصیل کیا ہے۔ (مؤلف)

مقاتل بن حبان کہتے ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے اپنی پھوپھی کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کو دس دینار اور ساٹھ درہم نقد کے علاوہ دو پٹے سمیت دلہنوں والا پورا لباس اور جہیز میں کئی جوڑے کپڑے' ستو اور بہت سی کھجوریں نیز گھریلو استعمال کی کئی دوسری اشیاء دی تھیں۔

جیسا کہ مذکورہ بالا روایت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش یعنی آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی منکوحہ کی حیثیت سے ان کے ساتھ ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ رہیں لیکن اس کے بعد ان دونوں میں باہم اختلافات رہنے لگے اور ایک روز زید رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کی شکایت کی تو آپ ؐ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ و تُخفِي فِي نَفسِكَ ما اللّٰهُ مُبدِيهِ ﴾ کے مطابق ان سے فرمایا:

''جاؤ اپنی بیوی کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے درگزر کرو اور آپس میں عادلانہ طور پر دونوں مل جل کر رہو''۔

(حدیث نبوی کا تشریحی ترجمہ)

اس سلسلے میں علی بن حسین زین العابدین اور السدی بیان فرماتے ہیں کہ جہاں تک نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات وو الاصفات کا تعلق ہے آپ اپنی ازواج مطہرات ؓ سے متعلق اللہ تعالیٰ کے مندرجہ بالا حکم پر حرف بحرف عمل پیرا تھے اور آپ ؐ نے اسی کے مطابق عمل کا حکم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔

اس بارے میں اسلاف کے جو مختلف بیانات تواریخ میں ملتے ہیں ان سے ہم نے یہاں بخوف طوالت وازالہ شکوک صرف ایک مستندترین روایت پر اکتفا کیا ہے۔ (مؤلف)

جہاں تک زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مطابق دینے اور ان کے ایام عدت گزرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کا انہیں اپنی زوجیت میں لانے کا تعلق ہے اس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: ﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيدٌ مِّنهَا وَطَرًا زَوَّجنٰكَهَا ﴾ میں فرمایا ہے۔ (اس آیت کا ترجمہ سطور بالا میں پیش کیا جا چکا ہے مترجم)

بخاری صحیح بخاریؒ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ زینب بنت جحش آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے حق میں اس خاص فیضان پر ہمیشہ اظہار فخر کیا کرتیں اور فرمایا کرتی تھیں: رسول اللہ (ﷺ) کی دوسری ازواج کو آپ ؐ کے ساتھ ان کے رشتہ داروں نے بیاہا ہے جب کہ مجھے خود اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے اپنے زیر حکم آپ کی زوجیت کا شرف بخشا ہے۔

اس کے علاوہ ابن جریر نے بھی حمید' جریر' مغیرہ اور شعبیؒ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں آنے پر زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے مندرجہ بالا اظہار فخر ومباہات کا ذکر کیا ہے بلکہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ اس کے علاوہ آپ کی دوسری ازواج کے مقابلے میں آپ ؐ کے ساتھ اپنے جدی رشتے کا بھی بڑے فخر کے ساتھ ذکر کیا کرتی تھیں اور یہ بھی کہا کرتی تھیں کہ آیت حجاب کا نزول صرف ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے اظہار فضل وکرم کا نتیجہ تھا۔ جس میں اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے کرم سے آنحضرت ﷺ کی دوسری ازواج بھی شامل ہو گئیں۔

نزول آیتِ حجاب کا ذکر ہم ان شاء اللہ اگلے صفحات میں تفصیل سے کریں گے۔ (مؤلف)

نزولِ آیتِ حجاب

آنحضرت ﷺ سے ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے عقد مبارک کی رات کے بعد اگلی صبح طلوع ہوتے ہی آیتِ حجاب نازل ہوئی جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں عموماً بلا استثناء اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی عظمت شرم وحجاب کی دلیل مانا گیا ہے۔

مذکورہ بالا آیت جس کی شان نزول تمام ثقہ ترین راویوں نے جس میں بخاری' مسلم' نسائی' معمر' ابی قلابہ' انس' عبدالوارث' عبدالعزیز بن صہیب اور بہت سے دیگر مفسرین' محدثین وعلماء وفقہاء شامل ہیں یہ ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ﴾

اس آیہ شریفہ کی شانِ نزول جسے مذکورہ بالا جملہ راویوں نے بہ اختلاف الفاظ بیان کیا اور اسے بہ اتفاق آراء صحیح تسلیم کیا ہے درج ذیل ہے:

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے عقد کے اگلے روز آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مقیم مدینہ کو دعوتِ ولیمہ میں مدعو فرمایا۔ جن لوگوں نے آپ کی اس دعوت میں شرکت کی ان کی تعداد کئی سو تھی۔ دعوت کا مقام نبی کریم ﷺ کا وہی مکان تھا جو آپؐ نے عروس نو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے لیے مخصوص فرمایا تھا۔ چونکہ اس زمانے تک آیتِ حجاب نازل نہیں ہوئی اس لیے مدینے کی دوسری عورتوں کی طرح مسلم خواتین بھی پردہ نہیں کرتی تھیں اور مسلمانوں کے گھروں میں ان کے اعزہ واقارب کے علاوہ دوسرے مسلمان مرد بھی بے روک ٹوک آتے جاتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے مذکورہ دعوت ولیمہ میں بھی سب لوگ بلا امتیاز دو دو چار چار کی ٹولیوں میں آپؐ کے اس مکان میں آتے اور کھانے سے جو گوشت روٹی پر مشتمل تھا فارغ ہو کر باہر چلے جاتے تھے۔ تاہم کچھ لوگ دوسرے لوگوں کی آمد تک وہیں بیٹھ کر گفتگو کرنے لگتے اور آنحضرت ﷺ کی ازواج جن میں جیسا کہ مذکورہ بالا تمام راویوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے سب سے زیادہ شرمیلی تھیں ہر جماعت کے آنے پر منہ پر نقاب ڈال لیتیں اور ان کے رخصت ہونے تک اسی طرح چہرے پر نقاب ڈالے بیٹھی رہتیں۔ چنانچہ صاف ظاہر ہے کہ جب مدعو حضرات میں سے کچھ لوگ کھانے سے فراغت کے بعد بھی دسترخوان کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرنے لگتے تو ان خواتین کو خصوصاً حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جو ہر عروس نو کی طرح دوسری خواتین سے زیادہ ہر دفعہ سمٹ کر بیٹھ جاتیں تکلیف ہوتی تھی۔

اس کا احساس چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہوا لیکن اسے سب سے زیادہ خود آنحضرت ﷺ نے محسوس فرمایا۔ لہٰذا اسی موقع پر جیسا کہ مشہور ہے مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور رفتہ رفتہ اس کی خبر اسی روز جملہ مسلم حضرات کو ہو گئی اور وہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے متعلقہ حکم پر مبنی اس آیت پر عمل کے پابند ہو گئے۔

مسلمان عورتوں کے لیے پردے کے حکم پر مبنی اور اس کے آداب پر مشتمل دوسری مکمل آیت بعد میں نازل ہوئی۔ تاہم اس کا مبداء یہی مختصر مندرجہ بالا آیت تھی اور اس کے نزول پر ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اگر اظہار فخر کرتی تھیں تو وہ بھی کچھ غلط نہ تھا۔ (مؤلف)

ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا شمار اوّل المہاجرات میں ہوتا ہے۔ وہ انتہائی نیک' دیندار' باوضع و با اخلاق اور فیاض خاتون تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بقول جب وہ دستر خوان پر بیٹھتیں تو کوتاہ دستی کا ثبوت دیتیں لیکن خیرات وصدقات کے معاملے میں ید طولیٰ رکھتی تھیں۔ ان کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انہیں بہت عزیز رکھتے تھے بہت رنج ہوا۔ ان کی وفات ہجرت کے بیسویں سال ہوئی۔

سال ششم ہجری کے واقعات

بیہقی کہتے ہیں: ''کہا جاتا ہے کہ نجد کی مہم سے قبل اسی سال یعنی سال ششم ہجری کے ماہ محرم میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی مہم واقع ہوئی تھی جس میں ان کا ثمامہ بن اثال یمامی رضی اللہ عنہ سے ٹکراؤ ہوا تھا''۔ البتہ ہمارے نزدیک بیہقی کی یہ روایت محل نظر ہے کیونکہ اس سے قبل ابن اسحٰق سعید المقبری خصوصاً ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جنہوں نے اس مہم میں شرکت کی تھی بتا چکے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خیبر کے بعد ہجرت کی تھی اس لیے یہ مہم بھی لازماً غزوۂ خیبر کے بعد ہی وقوع پذیر ہوئی ہوگی۔ واللہ اعلم

بہرکیف یہ بات صحیح ہے کہ غزوۂ بنی لحیان کا واقعہ اسی سال کے اوائل میں ہوا تھا۔ ابن اسحٰق کے بیان کے مطابق فتح بنی قریظہ جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ سال پنجم ہجری کے ماہ ذی الحجہ میں اس وقت ہوئی تھی جب مشرکین حج کعبہ کے لیے مکے میں جمع ہوا کرتے تھے اور ابن اسحٰق ہی کے بقول اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ ذالحجہ کے علاوہ محرم، صفر، ربیع الاوّل اور ربیع الثانی کے مہینے مدینے ہی میں قیام فرمایا تھا اور پھر فتح بنی قریظہ کے بعد چھٹے مہینے کے اوائل یعنی ابتدائے جمادی الاوّل میں بنی لحیان کا قصد فرمایا تھا تاکہ مرجیع حبیب اور اس کے ساتھیوں کی سرکشی وفتنہ پردازی کا قضیہ ہمیشہ کے لیے نمٹایا جا سکے۔

اس دفعہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کی مہم پر روانگی کی طرح جنگی طریقوں کے مطابق بنی لحیان کی طرف جانے والے سیدھے راستے کی بجائے شام کا راستہ اختیار فرمایا تاکہ ادھر سے مڑ کر آپ بنی لحیان کی بے خبری میں اچانک وہاں پہنچ جائیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ بنی لحیان کی طرف روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی نگرانی اور انتظامات کے لیے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہا کو مقرر فرمایا تھا اور جب آپؐ اپنی منزل پر پہنچے تو مشرکین بنی لحیان کی بستی کے سامنے پہاڑوں کی چوٹی پر اپنا حفاظتی مورچہ قائم کیا اور جب بنی لحیان سے جنگ کا وقت آیا تو مجاہدین اسلام نے آپؐ کے حکم سے آپ کی قیادت میں نماز کے وقت ''صلاۃ الخوف'' ادا کی۔

بیہقی نے ابن اسحٰق کی طرح اس غزوے کا ذکر سال چہارم ہجری کے واقعات میں غزوۂ خندق کے بعد کیا ہے اور اسی میں ''صلاۃ الخوف'' کا ذکر بھی کیا ہے اور ہم بھی انہی کے حوالے سے اس کا ذکر اسی سال کے واقعات میں کر چکے ہیں اور وہیں صلاۃ الخوف کا ذکر بھی آ چکا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عسقان میں ادا کی تھی۔ تاہم ہم نے سال ششم ہجری کے واقعات کے ضمن میں اس کا ذکر یہاں دوبارہ امام شافعیؒ کے اس ارشاد کے تحت مناسب سمجھا کہ اصحابِ مغازی سب کے سب ابن اسحٰق کے وہ اخلاف تھے جو انہی کی طرح بذاتِ خود تمام غزوات میں شریک تھے اور انہوں نے ان کی ترتیب اسی لحاظ سے رکھی ہے۔ بعض مؤرخین نے غزوۂ بنی لحیان کے موقع پر کہے ہوئے کعب ابن مالک کے اشعار بھی پیش کیے ہیں۔ (مؤلف)

غزوۂ ذی قرد

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی لحیان سے فراغت کے بعد مدینے واپس تشریف لائے تو ابھی آپؐ نے وہاں چند راتیں ہی گزاری تھیں کہ آپؐ کو اطلاع ملی کہ غزوۂ بنی لحیان کے موقع پر عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری جو بنی غطفان کے ایک گروہ کو لے کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا تھا اب وہاں سے اتر کر غابہ میں آ گیا ہے جہاں اس نے بنی غفار کے ایک شخص کو قتل کر کے اس کی بیوی کو اغوا کر لیا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے عبداللہ بن کعب بن مالک کے حوالے سے غزوۂ بنی قرد کی تفصیلات بتائیں وہ عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابوبکر تھے۔ ابن اسحٰق ان لوگوں میں اوّل الذکر کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھیوں کو جو غابہ وغیرہ میں قتل و غارت خصوصاً مذکورہ بالا غفاری شخص کے قتل اور اس کی بیوی کے اغوا کے مجرم تھے پہلے سلمہ بن عمرو بن اکوع اسلمی رضی اللہ عنہ نے راستے میں دیکھا تو انہوں نے طلحہ بن عبیداللہ کے بیٹے کو جن کے پاس گھوڑا ابھی تھا ساتھ لے کر دیوانہ وار غابہ کا رخ کیا' وہ پہلے سلع کے قریب ٹھہرے اور پھر صرخ میں رات گزار کر صبح ہوتے ہی دوبارہ ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور جب وہ نظر آئے تو ان پر تیروں کی بارش کر دی لیکن وہ دو افراد اتنے بڑے گروہ کا مقابلہ کب تک کرتے اس لیے صرخ میں ان دونوں کی باغیوں کی تلاش میں وہاں سے روانگی کی خبر سنتے ہی صباح ابن اکوع مدد کے لیے مدینے کی طرف تیزی سے چل دیے اور جب وہاں پہنچے تو ان کی زبان پر ''غضب ہو گیا' غضب ہو گیا' اور فریاد ہے فریاد ہے'' ہی تھا۔

ابن اسحٰق مذکورہ بالا حضرات کی زبانی بتاتے ہیں کہ صباح بن اکوع کا یہ واویلا سن کر پہلے دو سوار مقداد بن اسود اور عباد بن مبشر رضی اللہ عنہما دریافت حال کے لیے ان کی طرف بڑھے جس کے فوراً بعد سعد بن زید' اسید بن ظہیر' عکاشہ بن محصن' بنی اسد بن خزیمہ کے بھائی محرز' بنی سلمہ کے بھائی ابوقتادہ الحارث بن ربعی بنی زریق کے بھائی ابوعیاش عبید بن زید بن صامت رضی اللہ عنہم بھی دیکھتے ہی دیکھتے وہاں جمع ہو گئے۔ پھر یہ خبر جب ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کی تو آپؐ نے انہی لوگوں کی سرکردگی کے لیے سعد بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرما کر اسی صبح کے وقت اس طرف روانہ فرما دیا جہاں کا پتہ صباح بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا۔

یہاں ایک بات جو بطور خاص قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا لوگوں کو اس مہم پر روانہ کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کیفیت کے لحاظ سے ابوعیاش سے مزاحاً فرمایا:

''ابوعیاش اگر تم اپنا یہ گھوڑا کسی اور کو دے دو تو وہ اس پر تم سے بہتر سواری کر سکے گا''۔

اس کے جواب میں ابوعیاش رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''حضور! میں گھڑ سواری میں مشاق ہوں' دوسرے میرے سوا اس گھوڑے پر جو بھی سوار ہو گا یا سے دو چار قدم چلنے سے

پہلے ہی گرا دے گا کیونکہ یہ گھوڑا انتہائی سرکش اور منہ زور ہے''۔

ابوعیاش رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر آنحضرت ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اگر ایسا ہے تو پھر یہ بہتر ہے کہ تم ہی اس پر سواری کرو''۔

ابوعیاش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اس گفتگو کے بعد وہ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر اپنے اس گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس نے مشکل سے پچاس گز چلنے کے بعد انہیں گرا دیا۔ اس بات سے پہلے تو وہ سخت حیران ہوئے لیکن جب یہی واقعہ وہیں دو چار بار پیش آیا تو انہوں نے وہ گھوڑا مجبوراً کسی اور کو دے دیا۔

کہا جاتا ہے کہ ابوعیاش رضی اللہ عنہ نے مدینے ہی میں وہ گھوڑا اپنے کسی ساتھی کے گھوڑے سے بدل لیا تھا یا اسے فروخت کر کے دوسرا گھوڑا لے لیا تھا۔

ابن اسحٰق مذکورہ بالا اصحاب ہی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا گروہ کی روانگی کے بعد خود آنحضرت ﷺ حسب ضرورت صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مختلف منازل سے گزرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں عیینہ بن حصن نے قتل و غارت کا ہنگامہ برپا کر رکھا تھا تو وہ اس گروہ سے مقابلے کے بعد جسے آپ ؐ نے اپنی ادھر روانگی سے قبل روانہ فرما دیا تھا۔ یہ خبر سن کر کہ آپ ؐ بہ نفس نفیس اپنے اس مقدمۃ الجیش کی مدد کے لیے مدینے سے روانہ ہو چکے ہیں تو وہ میدانی علاقے سے اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑوں پر جا چڑھا اور جب آپ ؐ وہاں پہنچے تو اس نے اور اس کے ساتھیوں نے پہلے گروہ کے مجاہدین کی طرح آپ کا اور آپ ؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی تیروں سے استقبال کیا لیکن بعد میں یہ دیکھ کر کہ نیچے وادی میں کسی مسلمان کا تیر جس درخت کے تنے پر لگتا ہے وہ درخت تیر لگتے ہی جل کر راکھ ہو جاتا ہے اور یہ مسلمان تیراندازوں کی زد سے بچنے کے لیے وہ اور اس کے ساتھی پیچھے ہٹتے ہیں تو ان کی نسبت سے بڑی بڑی چٹانیں نیچے کی طرف سرکنے لگتی ہیں اور جس پتھر کی وہ آڑ لیتے ہیں وہ لڑھک کر نیچے چلا جاتا ہے تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت آخرکار پہاڑوں سے اتر کر وادی میں آ گیا۔ اور آپ ؐ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

جس شام کا یہ واقعہ ہے وہاں ایک پہاڑی چشمہ تھا جسے بنی قطفان اور دوسرے لوگ قرد کہتے تھے اسی وجہ سے اسی غزوہ کا نام غزوۂ بنی قرد پڑ گیا اور تاریخ میں اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اس موقع پر جو اشعار کہے گئے تھے خصوصاً حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار آج تک بنی غطفان کے اکثر لوگوں کے وردِ زبان چلے آتے ہیں۔

غزوۂ بنی مصطلق

غزوۂ بنی مصطلق وہ غزوہ ہے جس میں بنی خزاعہ کی ایک شاخ بنی مصطلق سے مجاہدین اسلام کو مقابلہ کرنا پڑا تھا اور اس کی قیادت خود آنحضرت ﷺ نے بہ نفس نفیس فرمائی تھی۔

اس غزوے کی وقوع پذیری کے بارے میں راویوں کے بیانات میں کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً بخاری اسے غزوۃ المریسیع سے مربوط بتاتے ہیں بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ غزوۂ بنی مصطلق دراصل غزوۂ مریسیع ہی کا دوسرا نام ہے جب کہ محمد بن اسحٰق اسے سال ششم ہجری کا واقعہ بتاتے ہیں اور موسیٰ بن عقبہ اسے سال چہارم ہجری کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

نعمان بن راشد زہری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ افک کا واقعہ غزوۂ مریسیع ہی کے زمانے کا ہے جسے بخاری نے موسیٰ بن عقبہ کے غزوات میں شامل کیا ہے جو سب کے سب سال چہارم ہجری کے واقعات ہیں لیکن جس راوی نے موسیٰ بن عقبہ اور عروہ کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے اس کا بیان ہے کہ یہ غزوہ یعنی غزوہ بنی مصطلق ماہ شعبان سال پنجم ہجری کا واقعہ ہے۔ واقدی بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ اوائل شعبان سال پنجم ہجری کا قصہ ہے جب آنحضرت ﷺ سات سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں اس غزوے کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے۔

محمد بن اسحٰق بن یسار کہتے ہیں کہ غزوۂ ذی قرد کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینے میں جمادی الآخر اور رجب کے مہینے گزار کر ماہ شعبان سال ششم ہجری میں غزوۂ بنی مصطلق کے ارادے سے خزاعہ کے علاقے کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس موقع پر آپؐ نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنی جگہ چھوڑا تھا لیکن اس بارے میں نمیلہ بن عبداللہ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے عاصم بن عمر بن قتادہ، عبداللہ بن ابوبکر اور محمد بن یحییٰ بن حبان میں سے جس نے بھی غزوۂ بنی مصطلق کا ذکر کیا اس نے یہی بتایا کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر ملی کہ بنی مصطلق آپ کے خلاف جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں اور ان کی سربراہی حارث بنی ضرار کر رہا ہے (جس کی بیٹی جویریہؓ بنت حارث غزوۂ بنی مصطلق کے بعد آپ کی زوجیت میں آ گئی تھیں) تو آپؐ اس طرف روانہ ہوئے اور آپؐ سے ان کا مقابلہ ساحل بحر کے نواح میں قدید کے اس مقام پر ہوا جسے مریسیع کہا جاتا ہے لیکن آپؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صرف ان لوگوں سے جنگ کا حکم دیا جو ان کے خلاف تلوار اٹھائیں اور جب وہاں آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فتح نصیب ہوئی تو آپؐ نے ان کے باقی ماندہ لڑاکا لوگوں کو گرفتار کر کے اور مال غنیمت کو مدینے بھیج کر وہاں اپنے ایک صحابی کو بطور نگران مقرر فرما دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر بھی آپؐ نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہی کو مدینے کا انتظام سپرد فرمایا تھا۔ اور اس کی نگرانی پر مقرر فرمایا تھا۔

واقدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سال پنجم ہجری میں ماہ شعبان کی دو راتیں گزرنے کے بعد بنی مصطلق کی طرف اپنے ساتھ سات سو صحابہ ﷺ پر مشتمل مجاہدین لے کر روانہ ہوئے تھے نیز یہ کہ بنی مصطلق بنی مدلج کے حلیف تھے۔

واقدی مزید بیان کرتے ہیں کہ بنی مصطلق کے لوگ جب آپؐ کے سامنے آئے تو آپؐ کے حکم سے پہلے ان سے اسلام قبول کرنے اور ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا گیا لیکن اس کے جواب میں انہوں نے مسلمانوں پر تیر چلانے شروع کر دیئے لہٰذا آنحضرت ﷺ کی اجازت سے عرب کے دستور کے مطابق پہلے دونوں طرف سے ایک ایک آدمی کا مقابلہ ہوا جس میں بنی مصطلق کے دس آدمی قتل ہوئے جس کے بعد ان کے باقی ماندہ لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا جب کہ مسلمان مجاہدین کا صرف ایک آدمی کام آیا تھا۔

صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں عبداللہ بن عون کے حوالے سے جو روایت درج ہے اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے پہلے بنی مصطلق کے قائد نافع کو ایک خط بھیجا گیا تھا جس میں صلح کی مذکورہ بالا شرائط تحریر کی گئی تھیں لیکن اس کے انکار اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اس کے حکم سے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھار کے بعد آپؐ نے مجاہدین اسلام کو ان کے مقابلے کی اجازت دی تھی اور انہی کو قتل کیا گیا تھا جنہوں نے مقابلے پر اصرار اور پھر مسلمانوں سے جنگ کی تھی۔ جو لوگ گرفتار ہوئے تھے ان میں دوسری عورتوں کے ساتھ جویریہ بنت حارث بھی تھیں۔ یہ بیان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے جو اس روز مجاہدین اسلام میں شامل تھے جنہوں نے اس غزوے کا ذکر بہ تمام و کمال کیا ہے۔ لہٰذا ابن اسحٰق کا یہ بیان کہ اس جنگ میں ایک انصاری نے ایک مسلمان ہی کو جس کا نام ہشام بن صبابہ بتایا گیا ہے۔ دشمن کا آدمی سمجھ کر قتل کر دیا تھا قرین قیاس نہیں ہے۔ تاہم ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا ہشام بن صبابہ کے بھائی مقیس بن صبابہ نے مکے سے مدینے آ کر اور خود کو مسلمان بتا کر رسول اللہ ﷺ سے اپنے بھائی کی دیت کا مطالبہ کیا تھا اور آپؐ نے اس کی دیت ادا بھی فرما دی تھی لیکن اس کے باوجود وہ مدینے میں ایک تنہا غریب کی حیثیت سے کچھ دن ٹھہرا رہا اور پھر موقع پا کر اس مسلمان انصاری کو جس نے اس کے بھائی ہشام کو قتل کیا تھا قتل کر کے بحالتِ کفر یا ارتداد مکے واپس چلا گیا اور وہاں جا کر اپنے اس نام نہاد کارنامے پر کچھ فخریہ اشعار بھی کہے:

''یہی وہ مقیس بن صبابہ تھا جس کے بارے میں تین دوسرے مشرکین مکہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے قتل کے بعد استارِ کعبہ پر لٹکانے کا حکم دیا تھا''۔ (مؤلف)

مقیس بن صبابہ کی موت پر آنحضرت ﷺ نے منافقین کے عبرت ناک انجام کی طرف اشارہ فرمایا تھا اور جب آپؐ فتح مکہ کے بعد مدینے واپس تشریف لائے تھے تو اس وقت تک قریب قریب تمام منافق جہنم واصل ہو چکے تھے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب بنی مصطلق پر فتح یابی کے بعد نبی کریم ﷺ وہاں سے مدینے میں کامیاب و کامران تشریف لائے تو مفتوح قبیلے کی وہ خواتین آپؐ کے سامنے حاضر کی گئیں جو مال غنیمت کے ساتھ گرفتار کر کے مدینے لائی گئی تھیں تو جویریہؓ بنت حارث نے آپؐ سے عرض کیا:

''میں بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی ہوں۔ پہلے میں اپنے چچا زاد بھائی کے لیے کتابت کا کام کیا کرتی تھی۔ اس کے بعد

اس نے اسے اسی کام کے لیے مجھے کسی دوسرے کے سپرد کر دیا تھا لیکن (حلوہ ملاحہ کی بیوی کے بقول بھی) ان میں سے کسی کے ساتھ میری شادی نہیں ہوئی تھی۔ تاہم مجھے خوف تھا کہ اس کے بعد ثابت بن قیس ابن شماس کے حوالے کیا جائے گا جو مجھ سے شادی کا خواہاں تھا۔ بہر حال مجھے خوشی ہے کہ اب میں آپؐ کے زیر سایہ آ گئی ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپؐ مجھے اپنی کنیزی میں لے کر مجھ سے کتابت کا کام لے لیا کریں''۔

جویریہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

''اگر تمہارے لیے اس سے بہتر تجویز پیش کی جائے تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟''۔

جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کیا؟''۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''وہ یہ کہ تم اسلام قبول کر کے میری زوجیت میں آ جاؤ''۔

آپؐ کے اس ارشاد گرامی پر جویریہ رضی اللہ عنہا نے حد سے زیادہ مسرت کا اظہار کیا اور برضا و رغبت مسلمان ہوگئی جس کے بعد آپؐ نے اپنے قول کے مطابق اپنی زوجیت میں لے لیا اور وہ خوش قسمتی سے امہات المومنینؓ میں شامل ہوگئیں۔

واقدی خود جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے قبل بنی مصطلق کی بستی میں اپنے مکان کے اس کمرے میں جوان کی خواب گاہ تھا ایک شب خواب میں یثرب (مدینہ) کی طرف سے چاند کو اترتے دیکھا تھا لیکن انہوں نے آپ کی زوجیت میں آنے سے قبل بنی مصطلق میں کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا تا آنکہ ان کے اس خواب کی تعبیر ان کے سامنے آ گئی۔

واقدی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ رضی اللہ عنہا کے مہر کے بطور بنی مصطلق کے چالیس گرفتار آدمیوں کے فدیہ کی رقم انہیں دینا چاہی تھی لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا تو آپؐ نے ویسے ہی بنی مصطلق کے اتنے آدمی بغیر فدیہ لیے آزاد کر دیئے تھے اور اس کے برابر رقم اپنے پاس سے حصہ رسد مجاہدین میں تقسیم فرما دی تھی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ بنی مصطلق کے سو آدمی خوش ہو کر برضا و رغبت مسلمان ہو گئے تھے۔

قصہ افک

اب تک جتنی روایات محمد بن اسحٰق نے متعدد مستند حوالوں سے بیان کی ہیں اسی طرح ان کے بعد انہوں نے افک کی روایت بھی بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان سے زہری نے علقمہ بن وقاص' سعید بن مسیبؒ، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن عبید اللہ بن عتبہ کے حوالے سے افک کی روایت بیان کی اور پھر بتایا کہ ان حضرات کے علاوہ بہت سے دوسرے لوگوں کی زبانی اس سلسلے میں اکثر باتیں سنیں۔

اس کے علاوہ ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد حضرت زبیر' عبداللہ بن ابوبکر اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم کے حوالے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی یہ روایت بیان کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دوران سفر اکثر اوقات کچھ خواتین بھی آپ ؐ کے قافلے کے ہمراہ ہوتی تھیں۔ بنی مصطلق کی جنگ کے موقع پر بھی ایسا ہی تھا لیکن اس وقت خواتین کے ہر اونٹ کی حفاظت کے لیے ایک ایک تیرانداز متعین تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں کہ اس دفعہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں لیکن جنگ کے وقت خواتین کی سواریوں کی حفاظت کے لیے جو تیرانداز متعین تھے ان میں سے بھی چند ایک کے علاوہ جنگ میں شریک ہو گئے تھے اور جب غزوہ بنی مصطلق سے فتحیابی کے بعد واپسی ہوئی تو ان کی بھی چنداں ضرورت نہ رہی تھی۔ بہرحال بنی مصطلق سے مدینے کی طرف لوٹتے ہوئے جب مدینہ صرف ایک منزل رہ گیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قرع کی بستی کے قریب پڑاؤ کا حکم دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہاں جب اونٹ بٹھائے گئے تو انہیں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رفع حاجت کی ضرورت پیش آئی اور وہ اپنے اونٹ کے ہودج سے اتر کر اس سے فراغت کے لیے قریب کے ایک گوشے میں چلی گئیں لیکن واپسی کے وقت معلوم ہوا کہ ان کے کرتے کے اوپری تکمے کی ڈوری میں جو قیمتی مہرۂ ظفار بندھا ہوا تھا وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے کرتہ جھاڑ کر دیکھا اور پھر اِدھر اُدھر زمین پر دیکھا لیکن وہ نہ ملا تو وہ اپنے اونٹ کے پاس واپس آئیں اور وہاں کی جستجو کے بعد نہ ملا تو وہ پھر لوٹ کر اسی جگہ گئیں تو وہ اتفاق سے انہیں وہیں مل گیا لیکن اب صبح صادق ہو چکی تھی اور کوچ کا اعلان کرنے والے نے اس کا اعلان کر دیا تو لوگ اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہو گئے اور قافلہ مدینے کی طرف روانہ ہو گیا اور جب وہ وہاں پہنچیں تو قافلہ خاصی دور جا چکا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ یہ دیکھ کر رونے لگیں لیکن حسن اتفاق سے اسی وقت صفوان بن المعطل سلمی رضی اللہ عنہ جو خود بھی کسی ایسی ہی ضرورت سے قافلے کے پیچھے رہ گئے تھے ادھر سے گزرے اور یہ دیکھ کر کہ وہ پریشان اور قافلے سے بچھڑ کر رونے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں انہوں نے اپنا اونٹ بٹھایا اور ان سے مؤدبانہ سوار ہونے کی درخواست کی۔ چنانچہ وہ مجبوراً ان کے

اونٹ پر سوار ہو گئیں اور صفوان رضی اللہ عنہ بڑے محتاط انداز میں ان کے آگے بیٹھ کر اونٹ کو تیز رفتاری سے بھگاتے ہوئے قافلے میں جا پہنچے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کے ساربان نے یقیناً اس غلط فہمی کی وجہ سے کہ قافلے کو اس منزل سے مدینے کی طرف روانگی سے قبل وہ ہودج میں سوار ہو چکی ہیں ان کا اونٹ بھی قافلے کے ساتھ آگے بڑھا دیا تھا اور اتنی سی بات تھی جسے کچھ دروغ گو اور افترا پرداز لوگوں نے جن کا سرغنہ مشہور منافق عبداللہ بن ابی بن سلول تھا افسانہ بنا دیا جس میں مدینے کی کچھ خواتین بھی فطرتاً شریک تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کئی روز ان سے کھنچے کھنچے رہے حالانکہ آپ کو ان کی پاک دامنی کا یقین کامل تھا اور اس کے علاوہ آپؐ کے کچھ بلند مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپؐ سے عرض کیا تھا کہ آپؐ کے اہل بیت تو درکنار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھرانے کے بارے میں بھی انہوں نے کبھی کوئی بات بجز خیر و نیکی دیکھی نہ سنی تھی تاہم حضرت کے مزید اطمینان اور سکون قلب کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُ وْ بِالْاِفْکِ عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ. اِلٰی مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ ﴾

ہم نے اس قصے کے بارے میں اب تک جو کچھ بیان کیا ہے وہ سب آثار سلف وخلف پر حتی الامکان پوری تحقیق کے بعد بیان کیا ہے۔ و ما توفیقنا الا باللہ (مؤلف)

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں بہت سے مدحیہ اشعار بھی کہے ہیں۔

غزوۂ حدیبیہ

غزوۂ حدیبیہ ماہ ذیقعدہ سال ششم ہجری میں وقوع پذیر ہوا تھا جس میں راویوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس واقعہ کے سب سے مستند راوی زہری' ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نافع' موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق بن یسار وغیرہ ہیں۔ ابن لہیعہ نے بھی ابی اسود اور عروہ کے حوالے سے اس امر کی تصدیق کی ہے۔

تاہم یعقوب بن ابی سفیان کہتے ہیں کہ ان سے اسماعیل ابن خلیل اور علی بن مسہر نے بیان کیا کہ انہیں ہشام بن عروہ نے اپنے والد کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ مدینے سے حدیبیہ کی طرف رمضان کے مہینے میں روانہ ہوئے تھے اور حدیبیہ کی جنگ شوال کے مہینے میں ہوئی تھی لیکن عروہ کی بیان کردہ یہ روایت بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کیونکہ مذکورہ بالا دوسرے راویوں کے علاوہ بخاریؒ، مسلمؒ اور چاروں دوسرے محدثین کرامؒ جو صحاح ستہ میں شامل ہیں بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حدیبیہ کی طرف اس ارادے سے تشریف لے گئے تھے تاکہ آپؐ ماہ ذیقعدہ میں مکہ پہنچ کر عمرہ اور ساتھ ہی حج بیت اللہ فرما سکیں جس کے لیے عرب کے تمام لوگ اسی مہینے میں وہاں آتے تھے نیز یہ کہ آپؐ نے اسی مہینے میں جعرانہ سے گزرتے ہوئے غزوۂ حدیبیہ کا مال غنیمت حنین کے مقام پر مسلمانوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ ہم نے اس روایت میں تمام تر بخاریؒ کے الفاظ پر انحصار کیا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان و شوال میں مدینے میں مقیم رہ کر ماہ ذیقعدہ میں وہاں سے کسی جنگ کی بجائے صرف عمرہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے مدینے کے انتظامات و نگرانی کے لیے نمیلہ بن عبداللہ لیثی کو مقرر فرمایا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اس مہینے میں یعنی ماہ ذیقعدہ میں تمام اہل عرب بلکہ عرب کے جملہ بادیہ نشین بھی حج کعبہ کے لیے مکے کا رُخ کرتے تھے اس لیے آپ کو اندیشہ تھا کہ یہ لوگ خصوصاً قریش مکہ کہیں آپؐ کے قصد عمرہ کو بھی جنگ کا بہانہ سمجھ کر اس میں مزاحم نہ ہوں بلکہ لڑائی پر آمادہ ہو جائیں جب کہ اس دفعہ آپؐ عمرہ کے علاوہ حج بیت اللہ کا ارادہ بھی رکھتے تھے۔ ویسے اس سے قبل آپؐ چار بار مدینے سے عمرہ کے لیے مکے کی طرف روانہ ہوئے تھے لیکن ہر بار قریش مکہ نے اس میں مزاحمت کی تھی اور لڑائی پر آمادہ ہو گئے تھے اور آپؐ عمرہ کے علاوہ عظمت کعبہ کے خیال سے راستے ہی سے واپس ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس دفعہ آپؐ نے خود احرام باندھنے کے علاوہ اپنے مہاجر و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی جن کی تعداد بعض روایات میں سات سو اور بعض میں ایک ہزار کے لگ بھگ بتائی گئی ہے احرام باندھ کر چلنے کا حکم دیا تھا تاکہ حج کعبہ کے لیے جانے والے لوگوں کے علاوہ خود قریش کو بھی یقین آ جائے کہ آپ صرف عمرہ و حج کے ارادے سے مدینے سے روانہ ہوئے ہیں۔ اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس دفعہ آپؐ کے ساتھ سواری کے اونٹوں کی تعداد بھی صرف ستر تھی۔

ابن اسحٰق عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس سفر کے راستے میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ مکے کی طرف جانے والے عام راستے سے ہٹ کر جس پر عموماً لوگوں کی آمد ورفت نہ ہو کوئی دوسرا راستہ ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو وہ راستہ کون بتا سکتا ہے؟ آپ کے اس سوال پر ایک شخص نے جو مسلمان ہو گیا تھا بتایا کہ ایسا ایک راستہ ہے اور یہ بھی عرض کیا کہ وہی اس راستے سے آپ کو نواح مکہ تک لے جائے گا۔ چنانچہ وہ آپ کو اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی راستے سے جو پہاڑوں کی چوٹیوں اور گھاٹیوں سے گزرتا تھا ساتھ لے کر چلتا رہا حتیٰ کہ آپ اور آپؐ کے ہمراہی ایک وادی کے کنارے سرزمین سہلہ تک جا پہنچے اور آپ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے اپنے ساتھی مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ خدا سے توبہ کی قبولیت کی دعا کرتے اور استغفار پڑھتے وہاں سے آگے بڑھیں۔ آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو یہی حکم دیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس حکم الٰہی کی تعمیل نہیں کی تھی۔ بہرکیف جیسا کہ ابن شہاب نے بیان کیا ہے آپؐ اور آپؐ کے ہمراہی توبہ د استغفار کے یہی کلمات مسلسل زبان سے ادا کرتے ہوئے سہلہ سے آگے بڑھ کر کئی موڑ کاٹتے ہوئے مکے کے زیریں علاقے حدیبیہ تک جا پہنچے جہاں قریش مکہ کی طرف سے آگے بڑھنے میں مزاحمت کا خطرہ تھا۔ چنانچہ آپؐ نے سیدھے راستے سے ایک طرف ہٹ کر پڑاؤ کا حکم دیا تو آپؐ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے یک زبان ہو کر عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) آپؐ کے حکم کی تعمیل میں تو ہم جان تک دینے کے لیے حاضر ہیں لیکن یہاں نزدیک و دور کہیں پانی کے آثار نظر نہیں آتے اس لیے شاید اس جگہ قیام مناسب نہ ہو''۔

اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''(کچھ دن بعد) یہیں (یعنی اس علاقے تک آ آ کر) قریش مکہ اور دوسرے مشرکین مجھ سے معافی اور رحم کے طالب ہوں گے اور میں انہیں معاف کر دوں گا''۔

یہ فرما کر آپؐ نے اپنی سواری کے اونٹ کو بٹھایا اور نیچے تشریف لے آئے۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اسے اس جگہ کے بیچوں بیچ یعنی عین درمیان میں گاڑ دیا جائے۔ چنانچہ آپؐ کے اس حکم کی تعمیل کی گئی اور جتنے لوگ اونٹوں پر سوار تھے وہ سب کے سب آپؐ کے حکم کی تعمیل میں اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر وہیں پڑاؤ ڈالنے لگے اور جہاں آپ کا تیر گاڑا گیا تھا وہی جگہ آپؐ کے حکم سے آپ کی قیام گاہ قرار پائی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہیں کچھ لوگوں نے بتایا کہ جہاں آنحضرت ﷺ کا تیر گاڑا گیا تھا وہاں قیام کے لیے پہلے سواری سے اترنے والے ناجیہ بن جندب تھے لیکن بعض دوسرے اہل علم نے بیان کیا وہ البراء بن عازب رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ انہوں نے خود بھی بیان کیا ہے۔

زہری اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا جگہ پر جب آنحضرت ﷺ کے حکم سے پڑاؤ ڈالا گیا تو بنی خزاعہ کا ایک شخص بدیل بن ورقہ نامی اپنے قبیلے کے کچھ دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے دریافت کیا کہ آپؐ کے وہاں تشریف لانے کا مقصد کیا تھا اور اسے بھی آپؐ نے یہی بتایا کہ آپؐ وہاں قریش سے یا دوسرے قبائل

سے جنگ کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف عمرہ وحج کے لیے آئے تھے اور یہ وہی بات تھی جو اس سے قبل بشر بن سفیان کو بتائی گئی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ آپ کے پاس سے لوٹ کر قریش مکہ کے پاس گئے اور آپ کا مقصد انہیں بتا دیا لیکن وہ بولے کہ

''ان کا مقصد کچھ بھی ہو ہم انہیں مکے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ ہم عرب ہیں اور عرب اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں''۔

زہریؒ کہتے ہیں کہ بنی خزاعہ کی یہ خصوصیت اسلام لانے سے پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے کہ وہ کوئی بات لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ چنانچہ مذکورہ بالا لوگوں نے قریش مکہ کو آنحضرت ﷺ کی وہاں تشریف آوری کا مقصد بتانے کے بعد مکے سے واپسی پر ان کے جواب سے بھی آپ کو آگاہ کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اپنی مذکورہ بالا خصوصیت کے مطابق آپ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ آپؐ مشرکین مکہ سے خبردار رہیں۔

زہری مزید بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد خود قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس دریافت حال کے لیے بنی عامر بن لوئی کے بھائی مکرز بن حفص بن اخیف کو بھیجا تو آپؐ نے اسے آتا دیکھتے ہی فرمایا: ''یہ شخص غدار ہے''۔ بہرحال جب وہ آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے اس سے بھی وہی فرمایا جو آپؐ اس سے قبل بدیل اور اس کے ساتھیوں سے فرما چکے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے ایک بار پھر آپؐ کے پاس حلیس بن علقمہ یا ابن زبان کو جو مکے کے حبشیوں کا سردار اور بنی حارث بن عبد مناف بن کنانہ کا ایک فرد تھا۔ اسی کی قیام کے کچھ لوگ ساتھ کر کے آپؐ کے پاس بھیجا تا کہ وہ آپؐ سے وہاں تک تشریف آوری کا مقصد مکمل طور سے معلوم کر کے آئے۔

زہری کہتے ہیں کہ آخر میں ان لوگوں کو آتا دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''یہ لوگ دیانتداری کے ساتھ (مکے میں) متاہلانہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور مجھے ان کے چہروں سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ (آئندہ) ہدایت پانے والے لوگ ہیں''۔

زہری آخر میں کہتے ہیں کہ جب یہ لوگ آپؐ کے سامنے آئے تو آپؐ نے انہیں بٹھا کر ان کے آنے کی وجہ دریافت کی اور ان کے جواب پر آپؐ نے انہیں بھی وہی بتایا جو ان سے قبل قریش مکہ کی طرف سے آنے والے لوگوں کو بتا چکے تھے یعنی آپ کا مقصد قریش مکہ سے جنگ نہیں بلکہ صرف زیارت بیت اللہ اور عمرہ وحج کی ادائیگی ہے۔

حلیس بن علقمہ آنحضرت ﷺ کے جواب سے مطمئن ہو کر جب قریش مکہ کے پاس واپس گیا تو اس نے انہیں آپؐ کے جواب سے بہ تمام وکمال آگاہ کرنے کے بعد ان سے یہ بھی کہا کہ آپ کا جواب بالکل صداقت پر مبنی ہے لیکن انہوں نے اسے بھی وہی جواب دیا جو اس سے قبل آپؐ کے پاس اپنے بھیجے ہوئے لوگوں کو دے چکے تھے یعنی وہ کسی حالت اور کسی قیمت پر آپ کو مکے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔

مشرکین مکہ کی یہ باتیں سن کر حلیس جو ایک بادیہ نشین کی حیثیت سے آزاد فضا میں پلا بڑھا اور صاف باطن وصاف گو شخص تھا طیش میں آ گیا اور بولا:

''مجھے یقین ہے کہ محمد (ﷺ) ایک سچے اور صاف گو شخص ہیں لیکن تم انہیں جیسا کہ انہوں نے بتایا ہے زیارت بیت اللہ اور عمرہ وحج کی ادائیگی سے بھی روکنا چاہتے ہو اس لیے میری نظر میں تم لوگ صرف دغا باز اور حیلہ جو ہو۔ یاد رکھو کہ آج سے میں اور میری قوم کا کوئی فرد تمہارا حلیف نہیں ہے' تم اپنے فیصلے خود کر کے ان پر عمل کر سکتے ہو' ہمارا اب تم سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔

زہری کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا سب لوگوں کی زبانی آنحضرت ﷺ کا ایک ہی جواب یعنی آپؐ صرف زیارت بیت اللہ اور عمرہ وحج کے ارادے سے وہاں تک تشریف لائے ہیں خصوصاً حلیس بن علقمہ کی زبانی آپ کا یہی جواب اور اپنی ضد کی وجہ سے اس کی زبان سے اپنے حق میں سخت وسست سننے کے باوجود مشرکین قریش نے ایک بار پھر آپؐ کے پاس عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا لیکن آخر الذکر نے مکے سے روانگی سے قبل ان سے کہا کہ:

''محمد (ﷺ) نے تمہیں صرف ایک ہی اور وہ بھی بہت نرمی سے جواب دیا ہے جب کہ تم لوگ انہیں صرف سب وشتم سے جواب دیتے ہو''۔

اس کے بعد وہ بولے:

''میں مانتا ہوں کہ تم میرے بزرگ ہو (عروہ سبیعہ بنت عبدشمس کے بیٹے تھے) لیکن تمہارا حد سے تجاوز کرنا میرے نزدیک مناسب نہیں ہے''۔

عروہ بن مسعود کی ان باتوں کے جواب میں وہ بولے کہ:

''تم ہماری اولاد ضرور ہو لیکن محمد (ﷺ) کے بارے میں ہم سے زیادہ نہیں جانتے''۔

یہی بات مشرکین قریش نے حلیس بن علقمہ سے ان کی بادیہ نشینی کے حوالے سے اسے سادہ لوح بتا کر کہی تھی اور عبداللہ بن ابوبکر کے بقول اسے قریش کی ان باتوں پر غصہ آ گیا تھا۔

بہرکیف جب عروہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپؐ سے کہا کہ:

''آپ (ﷺ) مدینے سے یہاں آئے ہیں اُدھر قریش مکہ آپ (ﷺ) کے مقابلے کے لیے مسلح ہو کر ایسے تیار بیٹھے ہیں جیسا میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اسے آپ (ﷺ) کل خود ہی دیکھ لیں گے''۔

عروہ کی یہ باتیں سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کے پس پشت بیٹھے تھے بولے:

''ہم بھی اپنا حال کل ان پر ظاہر کر دیں گے''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سن کر عروہ بولے:

''یہ کون ہیں؟''۔

آنحضرت ﷺ نے جواب دیا:

''یہ ابوبکر بن قحافہ رضی اللہ عنہما ہیں''۔

اس پر عروہ بولے:

''میں ان کی شخصیت سے واقف ہوں تو انہیں بھلا کیا جواب دے سکتا ہوں''۔

جب عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہے تھے تو ان کا ہاتھ رہ رہ کر آپ کی ریش مبارک تک چلا جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جو آپ کے پس پشت بطور محافظ مسلح کھڑے تھے ان سے کہا:

''اس سے پہلے کہ میرا ہاتھ تم تک پہنچے تم اپنا ہاتھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ریش مبارک کے پاس سے ہٹا لو''۔

عروہ بن مسعود نے جب مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی اور ان کی تیوریاں چڑھی دیکھیں تو بولے:

''میاں تمہیں شاید کچھ غلط فہمی ہوئی ہے''۔

پھر آپ سے پوچھا: ''یہ شخص کون ہے؟''۔

آپ نے مسکرا کر فرمایا:

''یہ تمہارے بھائی کے بیٹے مغیرہ بن شعبہؓ ہیں' کل تک یہ بھی تمہاری ہی طرح تھا لیکن اب اسلام نے ان کی کایا پلٹ دی ہے''۔ (مفہومی ترجمہ)

اس کے بعد آپ نے عروہ بن مسعود سے بھی اپنے حدیبیہ تک آنے کے مقصد کے بارے میں وہی فرمایا جو آپ اس سے قبل قریش کے بھیجے ہوئے دوسرے آدمیوں سے فرما چکے تھے۔

جب عروہ بن مسعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو وہ اس وقت تک آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ادب اور ان کی محبت کا مظاہرہ دیکھ چکے تھے یعنی وہ نہ تو آپ کے آب وضو کا کوئی قطرہ ضائع ہونے دیتے نہ لعاب دہن زمین پر گرنے دیتے تھے اور اگر آپ کا کوئی موئے مبارک اتفاقاً آپ کے سر یا ریش مبارک سے جھڑ کر گرتا تو وہ اسے فوراً محفوظ کر لیتے تھے۔

عروہ بن مسعود نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب قریش مکہ کو سنایا تو اس کے ساتھ انہیں یہ بھی بتایا کہ انہوں نے اگرچہ شہنشاہ روم ہرقل' ایران کے بادشاہ کسریٰ اور حبشہ کے حکمران نجاشی کے دربار بھی دیکھے ہیں لیکن انہوں نے ان میں سے کسی جگہ ان تینوں باجبروت بادشاہوں کے ساتھ ان کے درباریوں کی طرف سے ادب کا وہ مظاہرہ نہیں دیکھا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے آپ کی سادہ ترین قیام گاہ میں ان کے مشاہدے میں آیا۔ اس کے بعد انہوں نے قریش مکہ سے کہا:

''ارے وہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وضو کے پانی کا کوئی قطرہ تو کیا ان کے تھوک تک کو زمین پر نہیں گرنے دیتے اور ان کے گرے ہوئے ہر بال کو بھی تبرک سمجھ کر محفوظ کر لیتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان کے مقابلے میں کسی کی کوئی بات تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ انہیں خدا کا رسول سمجھتے ہیں۔ بہر حال میں نے وہاں جو کچھ دیکھا ہے آپ کو بتا دیا لہٰذا اب آپ جائیں اور آپ کا کام''۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ انہیں بعض اہل علم نے بتایا کہ عروہ بن مسعود کی واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش بن امیہ

خزاعی کو طلب فرمایا اور انہیں سواری کے لیے اپنا اونٹ دے کر قریش کے کچھ معززین کے پاس بھیجا تا کہ وہ مکے جا کر انہیں آپؐ کے حدیبیہ تک آنے کے مذکورہ بالا پرامن مقصد سے آگاہ کریں لیکن وہ جونہی مکے پہنچے قریش کے شقی القلب لوگوں نے انہیں گھیر کر قتل کرنا چاہا لیکن وہاں کے اہل حبش ان کے آڑے آئے اور لوگوں کو آپ کے ناقے سے ہٹاتے ہوئے اسے اور اس پر سوار خراش بن امیہ کو بحفاظت مکے کے باہر دور تک چھوڑ گئے اور وہ بخیریت آپ کے پاس پہنچ گئے۔

ابن اسحٰق عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد قریش مکہ نے اپنے چالیس پچاس آدمی مسلمانوں کے پڑاؤ کا چکر لگانے کے لیے بھیجے لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں پکڑ کر آپؐ کے سامنے پیش کیا تو اس کے باوجود کہ وہ آپؐ کے پڑاؤ پر تیر اندازی اور سنگ باری کے مرتکب ہوئے تھے انہیں معاف فرما کر مکے واپس بھیج دیا۔

اس کے بعد جیسا کہ ابن اسحٰق نے بیان کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ وہ مکے جائیں اور وہاں ابوسفیان اور قریش کے دوسرے ممتاز و معزز لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کریں کہ آپ بیت اللہ کی عظمت کی بناء پر اس کی زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے علاوہ آپ کا کوئی اور مقصد نہیں ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے عرض کیا کہ انہیں قریش مکہ کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ ہے کیونکہ ان سے ان کی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی) دشمنی مسلم ہے اس کے علاوہ ان کے قبیلے بنی عدی کا اس وقت کوئی شخص وہاں نہیں ہے جو کسی خطرے کے موقع پر ان کے کام آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان گزارشات کے بعد آپؐ سے عرض کیا کہ اس کام کے لیے ان سے بہتر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رہیں گے کیونکہ ابوسفیان کے علاوہ بنی امیہ کے کئی دوسرے لوگ کوئی ایسی ویسی بات ہونے پر ان کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ پسند آیا۔ چنانچہ آپؐ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے سفیر کے طور پر مکے روانہ فرما دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر ابوسفیان اور وہاں کے دوسرے شرفاء کو سمجھانے کی لاکھ کوشش کی لیکن انہوں نے کہا کہ وہ صرف انہیں یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کو طواف کعبہ کی اجازت دے سکتے ہیں اور جب انہوں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ آپؐ کے بغیر خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حرم میں قید کر دیا جب کہ حدیبیہ میں مسلمانوں کو کسی نے خبر دی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اب مجبوراً قریش مکہ کو اس کا جواب دیا جائے گا اور اسی کے لیے آپؐ نے یکے بعد دیگرے اپنے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک درخت کے زیر سایہ تشریف فرما ہو کر بیعت لی جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے قریش مکہ سے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے جان کی بازی لگا دینے کی بیعت کی تھی۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جو اس بیعت میں شریک تھے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جان دینے کی بیعت نہیں لینا چاہتے تھے لیکن خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ کے دست مبارک پر اسی کے لیے یہ اصرار بیعت کی تھی جس میں وہاں موجود تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بنی سلمہ کے بھائی جد بن قیس کے سوا شریک تھے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ جد بن قیس کی گردن اڑا دینا چاہتے تھے لیکن وہ پھرتی سے اپنے اونٹ پر بیٹھ کر لوگوں کی نظروں سے روپوش ہو گیا تھا جب کہ باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا فرداً فرداً اسی پر آخری دم تک کے لیے بیعت کی تھی۔ تاہم اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا تھا کہ قریش کے ہاتھوں عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر غلط تھی۔

ابن ہشام کہتے ہیں اور وکیع نے بھی اسماعیل بن ابی خالد اور شعبی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ مذکورہ بالا بیعت سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ابوسنان اسدی نے کی تھی۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ان سے کچھ لوگوں نے بیان کیا اور اس کی تصدیق کچھ دوسرے لوگوں نے ابن ابی ملیکہ اور ابن عمران کے حوالے سے کرتے ہوئے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بیعت رضوان میں شریک کرنے کے لیے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ان کی طرف سے یہ بیعت کی تھی۔

ابن ہشام کی پیش کردہ اس روایت کی اسناد اگرچہ ضعیف ہیں لیکن اس کا ثبوت صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں اس کے اندراج سے ملتا ہے۔ (مؤلف)

ابن اسحق زہری کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد قریش مکہ نے بنی عامر بن لوئ کے بھائی سہیل بن عمرو کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلح کی گفتگو کے لیے بھیجا لیکن صلح کی شرط یہ رکھی کہ آپ اس سال واپس مدینے چلے جائیں اور یہ بھی کہلوایا کہ اگر آپ بزور مکے میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے تو ہم آپ کو پھر قیامت تک یہاں آنے نہیں دیں گے' کیونکہ ہم بھی آپ کی طرح عرب ہیں۔

ابن اسحق مزید بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو کو آتے دیکھا تو فرمایا:

''اس شخص کی آمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ مصالحت پر آمادہ ہیں''۔

بہر کیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو کے مابین خاصی طویل گفتگو کے بعد قریش مکہ کی پیش کردہ شرط آپ نے تسلیم فرما لی اور سہیل بن عمرو مشرکین مکہ کو اس کی اطلاع دینے کے لیے واپس چلے گئے اور تحریری صلح نامہ کی تیاری ہونے لگی تو حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور ان سے پوچھا:

''یا ابا بکر! کیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی اعتراض کے بغیر اس صلح نامے کے لیے مشرکین مکہ کی پیش کردہ شرط واقعی تسلیم کر لی ہے؟''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا تو انہوں نے پوچھا:

''کیا اس کا علم یہاں موجود تمام مسلمانوں کو ہے اور انہوں نے اتفاق رائے سے تسلیم کر لیا ہے؟''۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے پوچھا:

''کیا اس کا علم باقی مسلمانوں کو بھی ہوگا؟''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان دونوں سوالوں کا جواب بھی اثبات میں دیا تو وہ بولے:

''اس صلح نامے کی ایک نقل یقیناً مشرکین مکہ کے پاس بھی رہے گی جسے وہ ہمیشہ دوسروں کو دکھا کر اپنے مقابلے میں ہماری کمزوری کا ثبوت مہیا کرتے رہیں گے اس لیے میرے نزدیک مشرکین مکہ کی پیش کردہ اس شرط کو اس صلح نامے میں شامل کرنا مصالح دینوی کو مصالح دینی پر ترجیح دینا ہوگا جو مجھے پسند نہیں ہے''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس گفتگو کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر انہی خیالات کا اظہار کیا تو آپؐ نے فرمایا:

''یہ امر الٰہی ہے جس کی تعمیل ہم سب پر لازم ہے اور اسی میں ہماری بھلائی پوشیدہ ہے''۔

آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حد درجہ نادم ہوئے اور آپؐ سے معافی کے طالب ہوئے۔ انہوں نے اس روز روزہ بھی رکھا اور اپنے ایمان کی سلامتی پر نماز شکرانہ بھی ادا کی۔

ابن اسحٰق اس کے بعد فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرما کر انہیں مذکورہ بالا صلح نامہ تحریر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اس پر سہیل بن عمرو جو اس وقت وہاں موجود تھے بولے: ''ہم ان کلمات سے واقف نہیں ہیں اس لیے یہاں ''باسمک اللّٰھم'' لکھا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جو یہ کہتے ہیں وہی یعنی ''باسمک اللّٰھم'' ہی لکھو''۔

اس کے بعد جب پہلے سے طے شدہ امور پر مشتمل یہ صلح نامہ لکھا جا چکا اور اس پر آنحضرت ﷺ اور قریش مکہ کی طرف سے سہیل بن عمرو کے دستخطوں کے بعد دونوں کی مہریں بھی ثبت ہو چکیں تو اچانک جندلؓ بن سہیل نے کھڑے ہو کر یہ آواز بلند کہا:

''یہ صلح نامہ دراصل قریش مکہ کی تباہی اور ان میں باہم فتنے کی بنیاد رہے ہیں ابھی جا کر قریش مکہ کو یہ بات بتاتا ہوں''۔

اس کی یہ بات سن کر اس کے باپ سہیل بن عمرو نے اٹھ کر اس کے ایک تھپڑ رسید کیا اور تنبیہ کی کہ وہ اس معاملے میں خاموش رہے۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ کاش اس کا بیٹا اس وقت وہاں نہ آتا۔ اس پر آپؐ نے اسے روک کر جندل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''جندلؓ! تم سکون سے اس پر غور کرو یہ صلح نامہ آج فریقین کی بھلائی کا باعث ہے لیکن ایک دن تم دیکھو گے کہ یہ صرف تم لوگوں کی بھلائی کا سبب ٹھہرے گا''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جندل رضی اللہ عنہ کو اپنے پہلو بہ پہلو لے کر ایک طرف گئے اور اسی طرح اسے بہت کچھ سمجھایا۔

آنحضرت ﷺ نے اس صلح نامہ کے ذریعہ انتہائی صبر وتحمل کا اظہار فرمایا جس کی خوش انجامی کا ثبوت بھی بہت جلد مل گیا حالانکہ اس وقت آپ کو زیارت بیت اللہ اور حرم میں نماز ادا کرنے کی بڑی تمنا تھی۔

بہر کیف اس صلح نامہ پر دونوں طرف سے اطمینان کا اظہار کیا گیا جن میں ابوبکر، عمر، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم، محمود بن مسلمہ، مکرز بن حفص جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جنہوں نے وہ صلح نامہ لکھا تھا شامل تھے۔

ویسے مسلمان اس صلح نامے پر نسبتاً زیادہ مطمئن اور خوش تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس کے نتائج عالم رویاء میں ملاحظہ فرمائے تھے اور آپؐ نے انہیں ان سے آگاہ فرما دیا تھا۔

اس صلح سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے حج وعمرہ کے معمولات کے طور پر غزوۂ بدر میں ابوجہل کے مال غنیمت میں حاصل شدہ اونٹ کے سوا جو قریش کی بدمزگی کا باعث ہو سکتا اونٹوں کی قربانی کی اور سر کے بال بھی صاف کرائے اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دیا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن ابی نجیح نے مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ میں حج وعمرہ کے معمول پر سر کے بال منڈوانے والوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی تو ان لوگوں نے جنہوں نے بال صرف ترشوائے تھے اپنے حق میں بھی آپؐ سے دعائے خیر کی استدعا کی لیکن آپؐ نے دوسری اور تیسری بار بھی سر کے بال منڈوانے والوں کے حق ہی میں دعا فرمائی۔ تاہم آپؐ نے سر کے بال ترشوانے کے حق میں بھی ان کی بار بار درخواست پر چوتھی بار دعائے خیر فرمائی۔

اس موضوع پر ہم احادیث صحیح وحسن کی روشنی میں آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیلی گفتگو کریں گے۔

بخاری کئی دوسرے حوالوں کے علاوہ البراء کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے بتایا کہ وہ واقعہ حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور انہوں نے نیز جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے صلح حدیبیہ کو مسلمانوں کی فتح قرار دیتے ہوئے اسے فتح مکہ کی بنیاد ٹھہرایا تھا۔

ابن اسحٰق کے بقول صلح حدیبیہ ارشاد ربانی ﴿ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذَالِکَ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴾ کے مطابق اپنی جگہ مسلمانوں کی فتح ہونے کے علاوہ ان کے لیے ایک عظیم تر فتح یعنی فتح مکہ کا پیش خیمہ تھی جو اس کے دو ہی سال کے اندر اندر انہیں حاصل ہوئی۔

بخاریؒ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے پڑاؤ کا حوالہ دیتے ہوئے جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے عرض کیا تھا کہ ''یہاں تو نزدیک و دور کہیں پانی کے آثار نہیں ہیں اس لیے یہاں پڑاؤ مناسب نہ ہوگا'' بیان کرتے ہیں کہ انہیں یوسف بن عیسیٰ ابن فضیل اور حصین نے سالم اور جابر کے حوالے سے بتایا کہ واقعی حدیبیہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیاس کی شدت نے پریشان کر رکھا تھا جب کہ انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ایک مٹی کے لوٹے میں بھرے پانی سے وضو فرما رہے ہیں تو انہوں نے آپؐ کے قریب آ کر عرض کیا کہ:

''یا رسول اللہ (ﷺ) یہاں وضو تو کیا پینے کے لیے بھی پانی کا کوئی قطرہ نہیں ہے''۔

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں نبی کریم ﷺ کا پانی سے بھرے لوٹے سے وضو فرمانا یقیناً ان کے لیے بڑا حیرت ناک تھا لیکن جیسا کہ سالم و جابر نے بیان کیا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس گزارش اور حیرت پر آپؐ نے اسی مٹی کے لوٹے میں ہاتھ ڈالا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی پھوٹنے لگا۔

بخاریؒ کے بقول جابر کے اس بیان میں یہ بات بھی شامل تھی کہ جب ان سے بعد میں دریافت کیا گیا کہ ''اس وقت وہاں

آپ لوگوں کی تعداد کیا تھی؟'' تو انہوں نے بتایا کہ ان کی تعداد تو وہاں پندرہ سو افراد سے زیادہ نہ تھی لیکن وہ اگر ایک لاکھ کی تعداد میں بھی ہوتے تو آنحضرت ﷺ کی انگلیوں سے فوارے کی طرح ابلتے ہوئے پانی سے وہ بھی سیراب ہو سکتے تھے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے سعید نے جابر ہی کے حوالے سے بیان کیا کہ حدیبیہ میں آنحضرت (ﷺ) کے دست مبارک پر بیعت کرنے والوں کی تعداد پندرہ سو تھی جب کہ بعض دوسرے لوگوں نے قتادہ وغیرہ کے حوالے سے ان کی تعداد چودہ سو بتائی ہے۔

یہاں اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ بیعت الرضوان میں شامل لوگوں کی تعداد میں راویوں میں جو اختلاف آ رہا ہے اس کی وضاحت کر دی جائے۔ (مؤلف)

جابر یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ میں مسلمانوں کی تعداد چودہ سو افراد سے متجاوز نہ تھی جب کہ فتح مکہ کے موقع پر ان کی تعداد دس ہزار تھی۔

بہر کیف کچھ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت رضوان کے موقع پر مسلمان مہاجرین و انصار کی مجموعی تعداد وغیرہ چودہ سو سے زیادہ نہ تھی لیکن ان لوگوں کو ملا کر جو ہیں مسلمان ہوئے تھے یہ تعداد پندرہ سو تک جا پہنچی تھی اور آنحضرت (ﷺ) نے ان سب کو جنت کی بشارت دی تھی۔

فصل:

سال ششم ہجری میں دیگر مہمات

جیسا کہ بیہقی نے واقدی کے حوالے سے بیان کیا ہے اسی سال ششم ہجری میں ماہ ربیع الاوّل کے اوائل یا اواخر میں آنحضرت ﷺ نے عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں چالیس افراد دے کر کچھ باغیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا تھا لیکن جب یہ لوگ ان کی پناہ گاہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تاہم مجاہدین کے ہاتھ ان کے سو اونٹ آ گئے جنہیں لے کر عکاشہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینے واپس آ گئے۔

انہی ایام میں آپ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان سرکشوں سے نمٹنے کے لیے چالیس آدمی دے کر بھیجا۔ ابوعبیدہ ذی القصہ تک پہنچے تو وہ لوگ پہاڑی علاقے میں گھس گئے تاہم ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے انہیں وہاں بھی جا گھیرا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ البتہ ان کا ایک آدمی گرفتار ہوا لیکن وہ بھاگتے بھاگتے بھی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو زخمی کر گئے۔

اسی سال آنحضرت ﷺ نے سرکشان حموم کی سرکوبی کے لیے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا جہاں انہیں مزینہ کی ایک عورت حلیمہ نامی ملی جس نے مجال بنی سلیم تک مجاہدین اسلام کی رہنمائی کی تو وہاں انہیں کچھ لوگ ملے جنہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس مہم میں مجاہدین کو کافی مال غنیمت کے علاوہ بکریوں کا ایک بہت بڑا گلہ بھی ملا۔ اسیروں میں حلیمہ کا شوہر بھی تھا لیکن چونکہ حلیمہ مسلمان ہو چکی تھی اس لیے جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ان قیدیوں کو لے کر مدینے پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے حلیمہ کی وجہ سے اس کے شوہر کو رہا کر دیا تاہم حلیمہ کو اس سے طلاق دلوا دی۔

اسی سال زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ماہ جمادی الاوّل میں بنی ثعلبہ کی طرف صرف پندرہ افراد لے کر گئے جہاں کچھ خانہ بدوش عربوں نے آپ کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر بھاگ گئے اور ان کے بیس اونٹ مجاہدین کے ہاتھ آئے۔ اس مہم میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو صرف چار دن لگے۔ تاہم اس مہینے میں انہیں آنحضرت ﷺ نے عیص کی طرف بھی بھیجا تھا۔

بیہقی واقدی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اسی مہم میں ابوالعاص بن ربیع کا بہت سا مال اور اس کے علاوہ کثیر تعداد میں اونٹ بھی مجاہدین اسلام کے ہاتھ آئے تھے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ اس مہم میں ابوالعاص کے بہت سے ساتھی مارے گئے تھے لیکن وہ خود بھاگ کر مدینے ہی آیا تھا جہاں اس کی زوجہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ (ﷺ) غزوۂ بدر کے بعد جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' آ گئی تھیں اور یہیں وہ سفر شام میں تجارت کی غرض سے آتے جاتے ان کے پاس ٹھہرا کرتے تھے اور ان تجارتی مال کی لین دین کر لیا کرتے تھے مگر اس

بار چونکہ مدینے آ کر ابو العاص مسلمان ہو گئے تھے اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کے اونٹ اور تمام مال انہیں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لوٹا دیا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ ابو العاص رضی اللہ عنہ کے نکاح پر پہلے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ تاہم کفار پر تحریم مومنات کا فیصلہ سال دوم ہجری میں ہو چکا تھا اور ان سے مومنات کی طلاق یا ان کے مسلمان ہونے کے بعد ان کے نکاح ثانی یا ان کے پہلے نکاح کے برقرار رکھنے کا معاملہ بعض راویوں کے مطابق سال ہشتم ہجری میں طے ہوا تھا لیکن واقدی نے اس کا ذکر بھی سال ششم ہجری کے واقعات کے ساتھ کیا ہے۔ واللہ اعلم

واقدی ذکر کرتے ہیں کہ اسی سال یعنی سال ششم ہجری میں دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ قیصر روم کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحائف لے کر آ رہا تھا کہ راستے میں جب وہ قبیلہ جذام کی بستی کی طرف سے گزر رہا تھا تو وہاں کے لوگوں نے اس کے پاس جو کچھ تھا سب لوٹ لیا تھا۔ جب اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپ نے اس قبیلے کی سرکوبی کے لیے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہی کو روانہ فرمایا تھا۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ اسی سال آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی تھی کہ حیَ بن بنی اسد بن بکر نے مسلمانوں کے خلاف ایک جماعت تیار کر لی ہے تاکہ وہ خیبر کے یہودیوں کی مدد کر سکیں جو مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور ان سے جنگ کی تیاری کر رہے تھے اس لیے آپ نے اس قبیلے کی سرکوبی کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رات کے وقت اس مہم پر روانہ ہوئے تھے اور صبح ہوتے ہی اس قبیلے کے ذخیرۂ آب پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کے لوگوں کا محاصرہ کر لیا تھا تو انہوں نے ہتھیار ڈال کر آنحضرت ﷺ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ سنا گیا تھا کہ وہ لوگ خیبر کے یہودیوں کو کافی بڑی مقدار میں کھجوریں بھی بھیجتے رہتے ہیں لیکن اس مہم کے بعد یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا تھا۔

واقدیؒ ہی یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ اسی سال شعبان کے مہینے میں آنحضرت ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کی طرف روانہ فرمایا تھا اور انہیں ہدایت کی تھی کہ اگر وہاں کا حکمران اطاعت قبول کر لے تو انہیں اس کی بیٹی سے شادی کی اجازت ہے۔ چنانچہ جب وہاں کے حکمران نے اطاعت قبول کر لی تو اس کے لشکر نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور اسلام قبول کر لیا تو آپ کی ہدایت کے مطابق عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے وہاں کے حکمران کو اس کی بیٹی سے شادی کا پیغام دیا جو اس نے بخوشی قبول کر لیا اور اس کے بعد اس کی بیٹی سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔ دومۃ الجندل کے حکمران کا نام اصبغ کلبیہ اور اس کی بیٹی کا نام تماضر تھا لیکن وہ اسلام لانے اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نکاح کے بعد عموماً ام ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے نام سے پکاری گئیں۔

واقدی کہتے ہیں کہ سال ششم ہجری کے ماہ شوال میں آنحضرت ﷺ نے کرز بن جابر فہری کو اہل عرنیہ کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ ان لوگوں نے اس حاکم کو جو آپ نے وہاں مقرر فرمایا تھا اسے قتل کر کے اس کا سارا مال ومتاع لوٹ لیا تھا اسی لیے کرز بن جابر نے ان لوگوں کو جنہوں نے وہاں کے حاکم کے ماتحت عملے کے علاوہ جانوروں تک پر پانی بند رکھا تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے مطابق قابل عبرت سزا دی۔

بخاریؒ و مسلمؒ نے اس روایت کو سعید بن ابی عروبہ کے ذریعہ اور قتادہ و انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ عُکل و عرینہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق عکل یا عرینہ کا ایک گروہ مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپؐ سے عرض کیا تھا کہ وہ زراعت میں مصروف پرامن لوگ ہیں لہٰذا دوسرے باغیوں کے خلاف ان کی حفاظت کے لیے مدینے سے کچھ لوگ روانہ کیے جائیں۔ آپؐ سے اس گزارش کے بعد وہ لوگ آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے مسلمان بھی ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے وہاں کے لیے ایک حاکم مقرر کر کے اور اس کے ماتحت عملے کو ان کے ساتھ روانہ فرما دیا لیکن انہوں نے راستے ہی میں حرہ کے قریب پہنچ کر ان سب کو قتل کر کے ان کا سامان لوٹ لیا اور مرتد ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے ان کی سرزنش کے لیے کرز بن جابر کی سرکردگی میں بیس مجاہدین دے کر انہیں وہاں روانہ فرمایا تھا اور ان کی اس ناقابل معافی حرکت کی انہیں خاطر خواہ سزا دی گئی تھی۔

سال ششم ہجری کے کچھ دیگر واقعات

جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمان الٰہی ﴿ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ﴾ یعنی اللہ کے لیے حج اور عمرہ ادا کیا کرو کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے بتایا ہے واقعہ حدیبیہ کے زمانے یعنی سال ششم ہجری میں مسلمانوں پر حج کی ادائیگی فرض کی گئی اور اس کے ساتھ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ حج کی استطاعت حاصل ہوتے ہی ہر مسلمان پر فوری طور سے حج کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے لیکن دیگر تینوں ائمہ فقہ یعنی امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ نے امام شافعیؒ کے مندرجہ بالا آیت سے استنباط کے برعکس یہ کہا ہے کہ کسی مسلمان پر اسے حج کی استطاعت حاصل ہوتے ہی فوری طور پر حج کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی بلکہ اسے یہ اختیار ہے کہ وہ اس دوران میں اپنی سہولت کے مطابق حج یا عمرہ ادا کرے۔ ان ہر سہ فقہاء نے اپنے استدلال میں آنحضرت ﷺ کی ادائیگی حج کی مثال دی ہے کہ سال ششم ہجری میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حج فرض ہونے کے باوصف آپ ﷺ نے ہجرت کے دسویں سال یعنی فتح مکہ کے بعد ماہ ذیقعد میں حج ادا فرمایا تھا اور سال ششم ہجری میں حج فرض ہو جانے کے باوجود قریش مکہ کے ساتھ صلح نامہ کی اس شرط کی بنیاد پر کہ آپ ﷺ اس سال حج یا عمرہ کے لیے مکے میں داخل نہیں ہوں گے حج کی ادائیگی ملتوی فرمادی تھی۔

ہم نے مندرجہ بالا آیہ شریفہ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی ''کتاب التفسیر'' میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ (مؤلف)

اسی سال قریش مکہ کی طرف سے صلح حدیبیہ کی اس شرط کے متعلق کہ اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر مکے سے مدینے چلی جائے تو اس صلح نامے کے مطابق آنحضرت ﷺ اسے مکے واپس کر دیں گے مندرجہ ذیل آیت اتری تھی جس کسی عورت کا مسلمان ہونے کے بعد اس کے مشرک خاوند کی زوجیت میں رہنے کو قرار دیا گیا ہے بلکہ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان عورت کسی غیر مسلم شخص کی زوجیت میں نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ .... الخ ﴾

غزوۂ مریسیع بھی اسی سال ششم ہجری کا واقعہ ہے۔ اس کے علاوہ قصہ افک بھی اسی سال کی بات ہے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بریت کے بارے میں آیت قرآنی نازل ہوئی تھی جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

صلح حدیبیہ بھی اسی سال ششم ہجری کا واقعہ ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے جب کہ قریش مکہ سے حرب وضرب اور فتح مکہ کا واقعہ ہجرت کے دسویں سال پیش آیا۔

واقدیؒ بیان کرتے ہیں کہ اسی سال یعنی سال ششم ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو سات دوسرے آدمیوں کے ساتھ مقوقس حاکم اسکندریہ کے نام خط دے کر بھیجا تھا اور اسی سال شجاع بن وہب بن اسد بن خزیمہ کو جنہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی عربی نصاریٰ کے بادشاہ حارث بن ابی شمر غسانی کے نام دحیہ بن خلیفہ کلبی کو قیصر روم ہرقل کے نام عبداللہ بن حذافہ سہمی کو ایران کے بادشاہ کے نام سلیط بن عمرو العامری کو ہوذہ ابن علی حنفی کے نام اور عمرو بن امیہ ضمری کو حبشہ کے نصرانیوں کے بادشاہ نجاشی کے نام خطوط دے کر بھیجا تھا۔

سال ہفتم ہجری

غزوۂ خیبر:

شعبہ حاکم اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر کے بقول ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾ (انہیں (مسلمانوں کو) عنقریب فتح حاصل ہوگی) سے مراد فتح خیبر تھی (جو اوائل سال ہفتم ہجری میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی)۔

موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا کہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے کم و بیش بیس روز مدینے میں قیام کے بعد خیبر کا رُخ فرمایا جس کی فتح کا وعدہ اللہ تعالیٰ آپؐ سے پہلے ہی فرما چکے تھے۔

موسیٰ نے زہری کے حوالے سے فتح خیبر کا سال سال ششم ہجری بتایا ہے لیکن جیسا کہ ہم سطور بالا میں بتا چکے ہیں صحیح یہی ہے کہ خیبر کی فتح اوائل سال ہفتم ہجری کا واقعہ ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں:

''حدیبیہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینے میں پورا ماہ ذی الحجہ اور ماہ محرم کا کچھ حصہ بسر فرمایا جس کے بعد ماہ محرم کے باقی حصے کے دوران میں آپ خیبر کی طرف روانہ ہوئے''۔

یونس بن بکیر، محمد بن اسحٰق، زہری، عروہ، مروان اور المسور کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر دونوں حضرات کے بقول آنحضرت ﷺ پر سورۂ فتح حدیبیہ اور مدینے کے راستے میں وہاں سے واپسی کے دوران میں نازل ہوئی تھی اور مدینے پہنچنے کے بعد آپؐ نے وہاں ماہ ذالحجہ جس میں آپؐ مدینے واپس پہنچے تھے وہیں بسر فرمایا اور پھر خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔

مروان اور المسور نے مزید بیان کیا کہ مدینے سے روانگی کے بعد آپؐ نے غطفان کے بیچ کی وادی رجیع میں قیام فرمایا کیونکہ آپ کو خیال تھا کہ بنی غطفان کہیں اہل خیبر کے حلیف نہ بن گئے ہوں۔ تاہم ان کی طرف سے اطمینان ہو جانے کے بعد آپؐ اگلی صبح غطفان کی بستی میں داخل ہوئے۔

بیہقی واقدی کے حوالے سے جو روایت آخر الذکر نے اپنے بزرگوں سے سنی تھی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کی طرف روانگی کا قصد سال ہفتم ہجری کے اوائل میں فرمایا تھا۔

عبداللہ بن ادریس اسحاق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر کو عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ خیبر کے لیے تیاری ماہ محرم کے آخر تک کی تھی جب کہ آپؐ نے ماہ صفر کے آخر میں ادھر کا قصد فرمایا اور وہاں پہنچے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ اس موقع پر بھی آنحضرت ﷺ نے مدینے کے انتظامات اور اس کی نگرانی کے لیے نمیلہ بن عبداللہ لیثی کو مقرر فرمایا تھا لیکن امام احمدؒ بیان فرماتے ہیں کہ ان سے عفان، وہیب اور خثیم یعنی ابن عراک نے اپنے والد کے حوالے سے

بیان کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ اس زمانے میں مدینے آئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر جا چکے تھے تو انہوں نے آپؐ کے نائب کی حیثیت سے وہاں یعنی مدینے میں سباع بن عرفطہ الغطفانی کو دیکھا تھا۔

بیہقی نے سلیمان بن حرب کی زبانی وھیب بن خیثم بن عراک اور آخر الذکر کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک شخص جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور تھے اسی زمانے میں مدینے تشریف لائے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی طرف روانہ ہو چکے تھے اور خود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے سے خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں پہلے آپؐ نے ایک بستی میں قیام فرمایا اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد آپ وہاں سے آگے بڑھ کر صہبا میں ٹھہرے اور پھر اپنے لشکر کے ساتھ آگے روانہ ہوئے تو آپؐ نے رجیع میں قیام فرمایا۔ یہ ایک وادی ہے جو غطفان کی سرحد پر واقع ہے۔ غطفان کی بستی میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' آپؐ قیام فرمانے کے لیے اس لیے داخل نہیں ہوئے کہ ایک اطلاع کے مطابق بنی غطفان آپؐ کے خلاف خیبر کے یہودیوں کی مدد کر رہے تھے اور آئندہ بھی ان کی مدد پر آمادہ تھے۔

بہر کیف جب انہیں ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے علاقے میں آنے کی خبر ملی تو پہلے تو انہوں نے خیبر کا رُخ کیا لیکن راستے میں انہیں اپنے مال و منال اور اہل و عیال کی حفاظت کا خیال آیا تو انہوں نے آپ کو اور آپؐ کے لشکر کو بغیر کسی مزاحمت کے خیبر کی طرف بڑھنے کا راستہ دے دیا اور خود ایک طرف ہٹ گئے۔

بخاریؒ بیان فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن مسلمہ نے مالک' یحییٰ بن سعید اور بشیر کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو سوید بن نعمان نے بتایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال جب غزوۂ خیبر وقوع پذیر ہوا مدینے سے خیبر کی طرف روانگی کا قصد فرمایا تو وہ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے۔ سوید بن نعمان نے مزید بتایا کہ مدینے سے روانہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے صہبا میں قیام فرمایا جو خیبر کا زیریں علاقہ ہے اور وہیں نماز عصر ادا فرمائی۔ اس کے بعد جب آپؐ نے وہاں زادِ سفر کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں منگوانا چاہیں تو معلوم ہوا کہ وہاں ستو تک میں شراب کی آمیزش ہوتی ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے جو کچھ پہلے سے ساتھ تھا وہی نوش فرمایا اور دوسروں نے بھی وہی کھایا۔

سوید بن نعمان نے مزید بیان کیا کہ صہبا میں آپؐ نے مغرب کے وقت تک قیام فرمایا اور وہیں وضو کیے بغیر صرف کلی کر کے نماز مغرب ادا فرمائی اور اس کے بعد آپؐ آگے روانہ ہو گئے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ انہیں یزید بن ابی عبید اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کے حوالے سے عبداللہ بن مسلمہ اور حاتم بن اسماعیل کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ:

''ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف سفر کر رہے تھے تو آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے عامر رضی اللہ عنہ سے جو شاعر تھے کچھ سنانے کی فرمائش کی تو انہوں نے اس وقت جو اشعار سنائے ان کا مفہوم یہ تھا کہ وہ اور ان کی قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کی وجہ سے ہدایت بنے' کاش ان کی آئندہ نسلیں بھی اسی طرح اسلام کے زیر سایہ رہ

کر سکون واطمینان سے زندگی بسر کر سکیں''۔

یہ اشعار جب آنحضرت ﷺ نے سماعت فرمائے تو لوگوں سے دریافت فرمایا کہ ''یہ کون شخص ہے؟'' اور جب آپؐ سے عرض کیا گیا کہ وہ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہے تو آپؐ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

اسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ خیبر کی بستیوں میں آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے یعنی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ یہ آگ کیسی ہے تو انہوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ یہودیوں نے الاؤ روشن کر رکھے ہیں اور آپ کو یہ بھی بتایا گیا کہ یہودی عموماً مردہ جانوروں کی چربی سے ایسے الاؤ روشن کرتے ہیں۔ پھر جب فتح خیبر کے بعد آپؐ سے عرض کیا گیا کہ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نے جو اسی روز زخمی ہو کر وفات پا گئے تھے یعنی شہید ہو گئے تھے ایسے ہی ایک الاؤ کی راکھ سے اپنی تلوار کا خون صاف کیا تھا اور آپؐ سے یہ بھی دریافت کیا گیا کہ آیا آپؐ کے نزدیک ان کا یہ عمل جائز تھا یا نہیں تو آپؐ نے عامر رضی اللہ عنہ کے بھائی کی انگلیاں اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا کہ:

''چونکہ یہ مجاہد تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا یہ فعل قابل معافی ہے اور یہ یقیناً ناجی اور اجر جہاد کا مستحق ہے اور اجر شہادت کا بھی''۔

اس روایت کو حد درجہ غریب ہونے کے باوجود حدیث نبوی کے حوالے سے پیش کرنے والوں میں بخاریؒ کے علاوہ کئی دوسرے ثقہ راوی بھی شامل ہیں اور ان سب نے اسے بالاتفاق مستند تسلیم کیا ہے۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے متعدد لوگوں نے عطاء بن ابی مروان اسلمی اور ان کے والد نیز ابن معتب بن عمرو کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آنحضرت ﷺ خیبر کے سامنے وارد ہوئے تو آپؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''ٹھہر جاؤ! اب ہم ان کے نزدیک پہنچ گئے ہیں''۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے یہ دعا فرمائی:

''اے سات آسمانوں اور سات زمینوں کے رب! اے کم یا زیادہ جملہ شیاطین کے رب! اے ہواؤں اور جملہ ساکن اشیاء کے رب! میں تجھ سے اس بستی اور اس کے مکینوں کے لیے خیر کا طالب ہوں لیکن اس بستی کے شر اور اس کے مکینوں کے شر سے اور جو کچھ اس بستی میں ہے اس کے شر سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں''۔

یہ دعا فرما کر آپؐ نے مجاہدین اسلام کو حکم دیا: ''آگے بڑھو! بسم اللہ''۔

اس روایت کو قریب قریب انہی الفاظ میں حافظ بیہقی نے بھی حاکم' اصم' عطاردی' یونس بن بکیر' ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع' صالح بن کیسان' ابی مروان اسلمی اور آخر الذکر کے والد اور درداء کے حوالے سے جو سب کے سب غزوۂ خیبر میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے بیان کیا ہے۔

ابن اسحٰق متعدد راویوں کی زبانی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ جب بھی کسی غزوے کے لیے مدینے سے تشریف لے جاتے تھے تو منزل پر پہنچ کر اگر رات کا وقت ہوتا تو آپ دشمن کے خلاف اس وقت کوئی اقدام نہیں فرماتے تھے چنانچہ خیبر میں بھی آپؐ نے اپنی اس عادت کا مظاہرہ فرمایا یعنی رات کے وقت جب

ہم آپ ؐ کے ہمراہ خیبر پہنچے تو آپ ؐ نے صبح تک اہل خیبر کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ صبح کی اذان کا انتظار فرماتے رہے۔ پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ؐ قلعہ خیبر کی طرف بڑھے تو ہم بھی آپ ؐ کے حکم پر آپ ؐ کے پیچھے پیچھے اس طرف بڑھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ؐ کے بالکل پیچھے ابی طلحہ تھے اور ان کے پیچھے ابی طلحہ کی طرح گھوڑے پر سوار وہ خود یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب اہل خیبر نے آپ کو دیکھا تو وہ بولے: ''او ہو! محمدؐ تنالا ؤ لشکر لے کر ہمارے مقابلے کے لیے یہاں آئے ہیں''۔ یہ کہہ کر انہوں نے جنگ کا آغاز کر دیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم ان سے مصالحت کرنے اور انہیں نیکی کا راستہ دکھانے یہاں آئے ہیں لیکن یہ لوگ تو ہم سے جنگ کے لیے گویا ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ (حدیث کا مفہومی ترجمہ)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بھی اہل خیبر سے جنگ کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: ''تم بھی آگے بڑھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''۔

یہی روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مسلم نے بھی پیش کی ہے۔ بخاریؒ نے اس روایت کو پیش کرتے ہوئے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اہل خیبر گدھے کا گوشت بھون بھون کر کھا رہے تھے تو آپ ؐ نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ وہ یہ گوشت کبھی نہ کھائیں کیونکہ یہ حرام ہے۔

بیہقی کہتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دوسرے غزوات کی طرح گدھے پر سواری کی تھی۔

ہمارے نزدیک بخاری و مسلم نے یہ روایت پیش کرتے ہوئے یہ بات نہیں بتائی بلکہ جیسا کہ مالک بن انس اور ابی طلحہ رضی اللہ عنہما کو گھوڑوں پر سوار ظاہر کیا گیا ہے تو جیسا کہ بخاریؒ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی غزوۂ خیبر میں گھوڑے ہی پر سوار تھے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ محاصرۂ خیبر کے دوران میں آپ کسی وقت گدھے پر بھی سوار ہوئے ہوں جہاں تک گدھے کے گوشت کی حرمت کا سوال ہے اس پر ہم کتاب الاحکام میں گفتگو کریں گے۔

بخاریؒ عبداللہ بن مسلمہ اور حاتم کی زبانی یزید بن عبید اور سلمہ بن اکوع کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ محاصرۂ خیبر کے دوران میں چند روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی نے نہیں دیکھا تھا جب کہ اسلامی علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یکے بعد دیگرے دیئے تھے لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ پچھلے چند روز وہ آشوب چشم کی حد سے زیادہ تکلیف میں مبتلا تھے۔

بہرکیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز فرمایا کہ:

''اب اسلامی علم اس شخص کو دیا جائے جو خدا اور اس کے رسول سے بے انتہا محبت کرتا ہے اور خدا اور اس کا رسول بھی اسے بے حد چاہتے ہیں''۔

اس کے بعد آپ ؐ نے فرمایا کہ

''خیبر کی فتح بھی اللہ تعالیٰ نے اسی کے نصیب میں لکھی ہے اس لیے قلعہ خیبر ان شاء اللہ تعالیٰ آج اسی کے ہاتھوں فتح ہوگا''۔

بخاری و مسلم یہی روایت چند دوسرے حوالوں سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قلعہ خیبر کے محاصرے کے دوران میں آنحضرت ﷺ نے ایک رات ارشاد فرمایا کہ:

''کل صبح اسلامی علم اسے دیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول سے بہت محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں''۔

اس کے بعد آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ:

''ان شاء اللہ قلعہ خیبر اسی کے ہاتھوں فتح ہوگا''۔

اس کے بعد جیسا کہ صحیح مسلم میں بیہقی کے حوالے سے ان راویوں کی زبانی جو غزوۂ خیبر میں شریک تھے۔ بیان کیا گیا ہے اگلی صبح صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہر شخص یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھئے آج رسول اللہ ﷺ علم کسے عنایت فرماتے ہیں کیونکہ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جسے آپؐ سے اور اللہ تعالیٰ سے بے انتہا محبت نہ ہو لیکن صبح ہوتے ہی جب آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا تو آپؐ سے عرض کیا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آشوب چشم کی سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ یہ سن کر آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا اور جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کی دونوں آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس کے بعد جیسا کہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے' انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان کی آنکھوں میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔

اس کے بعد آپؐ نے انہیں علم دیا اور اس کے ساتھ یہ حکم دیا کہ وہ قلعے کی دیوار کے نیچے جائیں اور وہاں رہنے والے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیں' اگر وہ اسے تسلیم کرلیں تو فبہا ورنہ قلعہ فتح کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور آگے بڑھ کر دیوار قلعہ کے پاس اپنا علم گاڑ کر بلند آواز سے دیوار پر پہرہ دینے والوں کو پکارا اور جب وہاں سے ایک یہودی نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہوں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر وہ یہودی بولا:

''ہم نے توریت میں یہ نہیں پڑھا کہ اس نام کا کوئی شخص اس قلعہ پر قبضہ حاصل کر سکے گا' بہتر ہے کہ تم یہاں سے واپس چلے جاؤ''۔

اس یہودی کے اس جواب پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں اپنے ساتھی مجاہدین کے ساتھ قلعہ پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے قلعہ فتح ہوگیا۔

بیہقی ان متعدد راویوں کے حوالے سے جنہوں نے غزوۂ خیبر میں شرکت کی تھی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو علم دے کر خیبر کے کسی قلعے کی تسخیر کے لیے بھیجا تھا لیکن وہ قلعہ فتح نہ ہو سکا تھا اور وہ وہاں سے واپس آ گئے تھے۔ بیہقی مذکورہ بالا حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جو لوگ اس قلعے کی

تسخیر کے لیے بھیجے گئے تھے ان میں سے ایک مجاہد محمود بن مسلمہ شہید بھی ہو گئے تھے۔ تاہم یہ خیبر میں یہودیوں سے پہلی جنگ تھی جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ کرتے ہوئے یہودیوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے لیکن قلعہ فتح نہیں ہو سکا تھا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ایک دوسرے قلعے ناعم کو فتح کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا لیکن وہ بھی یہودیوں سے سخت جنگ کے باوجود وہاں سے ناکام لوٹے تھے کیونکہ وہاں کے ہر یہودی نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا تھا کہ آپ اگلے روز ایک ایسے شخص کو علم دیں گے جو خدا اور اس کے رسول سے بے انتہا محبت کرتا ہے اور خدا اور اس کا رسول بھی اسے بے حد چاہتے ہیں اور ان شاء اللہ وہ قلعہ فتح کر لے گا۔

ایک دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی صبح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں تو آپ نے انہیں بلا کر ان کی دونوں آنکھوں پر دست مبارک پھیر دیا جس سے ان کی تکلیف بالکل جاتی رہی تھی۔ پھر اس کے بعد آپ نے انہیں علم دے کر یہ ہدایت فرمائی تھی کہ پہلے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی جائے اور صرف ان کے انکار پر ان سے جنگ کی جائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم کی تعمیل میں ایسا ہی کیا لیکن جب یہودیوں نے ہٹ دھرمی دکھائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قلعہ پر حملہ کیا اور رضائے الٰہی سے وہ یہودیوں کا خیبر میں سب سے بڑا قلعہ جس کا قلعہ دار مرحب تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کو جسے اپنی جسمانی طاقت کے علاوہ اپنی جنگی مہارت کا بڑا زعم تھا پہلے ہی وار میں قتل کر دیا تھا۔ مرحب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ عرب کے دستور کے مطابق مبارز طلبی پر ہوا اور یہ مبارز طلبی مرحب ہی کی جانب سے ہوئی تھی جو لوہے میں غرق اور سر پر یمنی خود رکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابلے کے لیے قلعہ سے باہر نکل آیا تھا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے تو اس نے بڑے غرور سے کچھ رجزیہ اشعار پڑھ کر ان پر حملہ کیا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی عرب کے دستور کے مطابق اس کے رجزیہ اشعار کا جواب دیتے ہوئے اس کے حملے کے بعد جوابی حملہ کیا تو مرحب ان کے پہلے ہی وار میں دو ٹکڑے ہو کر زمین پر آ پڑا۔

کہا جاتا ہے کہ مرحب کا یمنی خود مدینے لایا گیا تھا۔

حافظ البزاز بھی عباد بن یعقوب' عبداللہ بن بکر' حکیم بن جبیر' سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قلعہ کی تسخیر کے لیے علم دے کر روانہ فرمایا تھا اور آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اور انہی کے ہاتھوں قلعہ خیبر فتح ہوا تھا۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ مرحب کی تلوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محمود بن مسلمہ شہید کے بھائی محمد بن مسلمہ کو جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مرحب سے پہلے ایک یہودی کو قتل کیا تھا جس کے بعد مرحب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا' عنایت فرما دی تھی اور اس کے ساتھ اس کا خود اور زرہ بھی انہی کو بخش دی تھی۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مرحب کے قتل کے بعد مرحب کا بھائی یاسر قلعہ سے باہر نکلا تھا اور جب اس نے مسلمانوں میں سے مبارز طلب کیا تھا تو ہشام کے بقول حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے نکلے تھے اور

صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اسے یعنی مرحب کے بھائی یاسر کو میرا بیٹا (زبیر رضی اللہ عنہ) قتل کرے گا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا: ''ان شاء اللہ یہی اسے قتل کرے گا''۔ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی نے یاسر کو قتل کیا تھا۔

یونس ابن اسحاق اور ان کے خاندان کے چند دوسرے لوگوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابی رافع کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

''جب آنحضرت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم دے کر قلعہ خیبر کی تسخیر کے لیے روانہ فرمایا تھا تو ہم آٹھ آدمی ان کے ساتھ تھے جن میں سے آٹھواں آدمی میں تھا''۔

ابی رافع مزید بیان کرتے ہیں کہ:

''جب ہم قلعہ کی دیوار کے قریب پہنچے تو کچھ اہل قلعہ ہمارے مقابلے کے لیے باہر نکل آئے اور ان سے ہماری دست بدست لڑائی ہونے لگی لیکن جب ان کا ایک آدمی قتل ہو گیا تو وہ ڈر کر سب کے سب قلعہ میں واپس چلے گئے اور اندر سے دروازہ بند کر لیا تو ہم آٹھوں آدمیوں نے اس دروازے کو توڑنے کی کوشش کی لیکن ہم اس سے قاصر رہے''۔

یہ روایت مذکورہ بالا راوی کی لاعلمی کا ثبوت ہے جسے ابن اسحٰق اور ابی رافع سے منسوب کیا گیا ہے کیونکہ جیسا کہ حافظ بیہقی نے حاکم کی طرح مطلب بن زیاد کے ذریعہ اور لیث بن ابی سلیم' ابی جعفر الباقر اور جابر جیسے ثقہ راویوں کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ قلعہ خیبر کا دروازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تنہا اکھاڑ دیا تھا جس کے بعد ان کے ساتھی اور دوسرے مجاہدین اسلام قلعے میں داخل ہو گئے تھے اور اس طرح قلعہ فتح ہو گیا تھا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دروازے کو زمین پر ڈالا تھا تو وہ چالیس آدمیوں سے پوری قوت صرف کرنے کے باوجود نہ اٹھ سکا تھا۔ تاہم یہ روایت بھی ضعیف ہی معلوم ہوتی ہے اور جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان کہ وہ دروازہ ستر آدمیوں سے بھی نہ اٹھ سکا تھا۔ تاہم یہ روایت بھی ضعیف ہی معلوم ہوتی ہے اور جابر کا یہ بیان کہ وہ دروازہ ستر آدمیوں سے بھی نہ اٹھ سکا تھا بظاہر قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ (مؤلف)

بخاریؒ بیان کرتے ہیں کہ ان سے مکی بن ابراہیم اور یزید بن عبید نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک روز سلمہ کی پنڈلی پر ایک مندمل زخم کا نشان دیکھ کر ان سے پوچھا تھا: ''یہ آپ کی پنڈلی پر نشان کیسا ہے؟'' تو سلمہ نے جواب دیا تھا:

''یہ نشان اس زخم کا ہے جو میری پنڈلی پر غزوۂ خیبر میں آیا تھا۔ وہ زخم بڑا گہرا تھا لیکن جب میں زخمی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ نے میری پنڈلی کے اس شدید ترین زخم پر تین بار پھونک ماری تھی جس کے بعد وہ زخم فوراً مندمل ہو گیا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے مجھے وہ زخم آیا ہی نہ تھا۔ تاہم اس کا یہ نشان میری پنڈلی پر آج تک باقی ہے''۔

بخاریؒ کہتے ہیں کہ ان سے ابوالیمان اور شعیب نے بیان کیا کہ انہیں سعید بن مسیبؒ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی جنہوں نے غزوۂ خیبر میں شرکت کی تھی بتایا کہ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں جس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا تھا

ارشاد فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔ اس پر بعض لوگوں کو حیرت ہوئی کیونکہ وہ شخص مجاہدین اسلام کے دوش بدوش خیبر کے یہودیوں سے جنگ کرتا ہوا زخمی ہو گیا تھا لیکن جب بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے زخموں کی تاب نہ لا کر خودکشی کر لی تو انہی لوگوں نے اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو دیتے ہوئے عرض کیا: "یارسول اللہ (ﷺ) آپؐ نے بالکل سچ فرمایا تھا"۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:

"کوئی غیر مومن جنت میں نہیں جائے گا۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی کسی فاجر و فاسق شخص سے بھی اشاعتِ دین کا کام لے لیتا ہے"۔

موسیٰ بن عقبہ زہری کے حوالے سے غزوۂ خیبر کے واقعات کے ضمن میں خیبر کے کسی حبشی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ خیبر کے ایک یہودی کا نوکر تھا اور اس کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک روز جب وہ بھیڑ بکریاں لے کر جنگل کی طرف جانے لگا تو اس نے اپنے مالک سے دریافت کیا کہ:

"یہ لوگ جنہوں نے یہاں سے کچھ دور پڑاؤ ڈال رکھا ہے کون لوگ ہیں؟"۔

یہودی بولا:

"یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور جو شخص ان کی قیادت کر رہا ہے اس کا نام محمد (ﷺ) ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا کا نبی ہے لیکن ہم اسے نبی نہیں مانتے بلکہ اپنا اور اپنے دین کا دشمن سمجھتے ہیں۔ اب یہ شخص محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی ہمیں اپنے دین میں شامل کرنے یا ہم پر غلبہ حاصل کرنے مدینے سے یہاں آئے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ ہمارا دین سچا ہے اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ ہم پر کس طرح فتح پاتے ہیں"۔

موسیٰ بن عقبہ آگے کہتے ہیں کہ وہ حبشی جب اس یہودی کی بھیڑ بکریاں لے کر خیبر کی نزدیکی چراگاہ کی طرف جانے لگا تو وہ پہلے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے عرض کیا:

"میں خیبر کے ایک یہودی کا چرواہا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ خود کو خدا کا نبی کہتے ہیں تو مجھے بتائیے کہ آپ کا دین کیا ہے؟"۔

اس حبشی کے اس سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا:

"میں کہتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور میں اس کا آخری نبی ہوں لیکن عرب ہی کی بعض قومیں نہ خدا کو ایک مانتے ہیں اور نہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں' یہ یہودی اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زبان سے اپنا نبی کہتے ہیں لیکن ان کے اور خدا کے احکام پر عمل نہیں کرتے بلکہ میرے خلاف اس لیے سازشیں کرتے رہتے ہیں کہ میں خدا کے آخری نبی کی حیثیت سے انہیں خدا کے احکام کا پابند بنانا چاہتا ہوں' میں یہاں اسی لیے آیا ہوں کہ پہلے انہیں سمجھاؤں اور اسلام میں داخل ہو کر خدا کی اطاعت کی دعوت دوں ورنہ جیسا کہ خدا کا حکم ہے ان سے جنگ کروں"۔ (حدیث نبوی کا تشریحی ترجمہ)

اس حبشی نے آنحضرت ﷺ کی اس گفتگو سے متاثر ہو کر آپؐ سے دریافت کیا:

"اگر میں آپؐ کے دین میں داخل ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟"۔

آپ نے فرمایا

''زندگی میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی یعنی جنت جو دنیا میں نیکی کی راہ اختیار کرنے اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلہ ہوگا''۔ (حدیث نبوی کا مفہومی وتشریحی ترجمہ)

موسیٰ بن عقبہ زہری کے حوالے سے آخر میں کہتے ہیں کہ وہ حبشی آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سنتے ہی کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر بولا:

''میں آپ کی طرف سے خیبر کے یہودیوں سے جنگ کرنا چاہتا ہوں لیکن ان بھیڑ بکریوں کا کیا کروں؟''۔

آپ نے فرمایا:

''انہیں بستی کی طرف ہانک دو' یہ خود اپنے ٹھکانے پر چلی جائیں گی''۔

چنانچہ جیسا کہ موسیٰ بن عقبہ بتاتے ہیں' اس حبشی نے ایسا ہی کیا اور پھر جیسا کہ اس کی خواہش تھی آپ کی طرف سے جنگ میں یہودیوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اسلام اور شہادت دونوں نعمتوں سے بیک وقت سرفراز ہوا۔ یہ بھی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے پسندیدہ دین اسلام کی اشاعت وخدمت کے لیے چن لیتا ہے اور نہ چاہے تو اسلام پیرو ہونے کا دعوے دار بھی وقت آخر گمراہ ہو سکتا ہے جیسا کہ وہ شخص جس کا ذکر پہلے آچکا ہے آپ کی پیشگوئی کے مطابق اسلام کا دعوے دار ہونے اور مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں شریک ہونے کے باوجود آخر کار زخموں کی تاب نہ لا کر خودکشی کا مرتکب ہوا اور دوزخی ٹھہرا ورنہ آپ کے ارشاد کے مطابق اگر آخر وقت خودکشی نہ کرتا تو اس کے جنتی ہونے میں کیا شک تھا کیونکہ آپ نے اسی وقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ حصول جنت کے لیے شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کا دم بھی ایمان ہی پر نکلے۔ مذکورہ بالا حبشی نے اگرچہ مرنے سے قبل خدا کو ایک سجدہ تک نہیں کیا تھا لیکن وقت شہادت اس کا ایمان خدا اور اس کے وجود پر کامل تھا۔

بیہقی کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن محمد بن محمد فقیہ' ابوبکر القطان' ابوالازہر' موسیٰ بن اسماعیل' حماد اور ثابت نے انس کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک سیاہ فام' بدصورت شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) میرے پاس زر و مال تو ہے نہیں (جو میں راہ خدا میں خرچ کروں) لیکن اگر میں اس جنگ (غزوۂ خیبر) میں شریک ہو کر قتل ہو جاؤں تو کیا مجھے جنت ملے گی؟''۔

آپ نے فرمایا: ''ضرور ملے گی'' چنانچہ وہ شخص مسلمانوں کے دوش بدوش دشمنانِ اسلام سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔

(اس کی لاش دیکھ کر) آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اسے سرخرو' طیب البدن اور کثیر المال بنا دیا ہے' میں دیکھ رہا ہوں کہ دو حورانِ بہشتی جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی زوجیت میں دے دیا ہے اس پر آپس میں زیادہ سے زیادہ حق جتانے کی کوشش کر رہی ہیں اور اس کے لبادے میں داخل ہونے کے لیے ایک دوسری پر سبقت لے جانے میں مصروف ہیں''۔

اس کے بعد بیہقی ہی اسی قبیل کا ایک دوسرا واقعہ ابن جریج کی زبانی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آخر الذکر کو عکرمہ بن خالد نے ابن ابی عمار اور شداد ابن الہاد کے حوالے سے بتایا کہ ایک اعرابی نے کسی روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ میں داخل اسلام ہونا اور آپؐ کے ساتھ ہجرت کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہو گیا تھا جس کے بعد وہ ہمیشہ آپ کی اتباع جان و دل سے کوشش کرتا رہا اور آپؐ نے اس کے بارے میں اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو خصوصی ہدایات دی تھیں پھر جب غزوہ خیبر کا موقع آیا تو اس نے اس میں بھی شرکت کی اور جتنا مال غنیمت اس وقت تک مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا آپؐ نے اس میں سے اسے بھی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر حصہ دینے کی ہدایت فرمائی لیکن جب اسے اس کا وہ حصہ دیا جانے لگا تو وہ بولا: ''یہ کیا ہے؟'' جب اسے بتایا گیا کہ ''یہ تمہارے حصے کا مال غنیمت ہے'' تو اس نے اپنے تیر سے اپنے حلقوم کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''جب اس جنگ کے دوران میں دشمن کا کوئی تیر یہاں پیوست ہوگا اور میں اس کے زخم سے فوت ہوں گا تو اس وقت میں اپنے پورے حق کا حق دار ہوں گے یعنی جنت میں جاؤں گا''۔

بیہقی مذکورہ بالا حوالوں سے مزید بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد جب وہ دوبارہ یہودیوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوا تو اتفاقاً کسی یہودی تیر انداز کا تیر اس کے حلقوم ہی میں آ کر پیوست ہوا اور وہ شہید ہو گیا۔ پھر جب اس کی لاش آنحضرت کے سامنے پیش کی گئی تو آپؐ نے فرمایا:

''اس نے واقعی میرے ساتھ ہجرت کی تھی اور میری بیعت کر کے صدق دل سے مسلمان ہوا تھا اور آج تک ایمان کے اسی درجے پر قائم رہا جس کی تصدیق آج خود اللہ تعالیٰ نے فرما دی ہے''۔

اس ارشاد کے بعد آپؐ نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور اس کے کفن کے لیے اپنی عبا عنایت فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا:

''یا اللہ! تیرے اس بندے نے تیری راہ میں ہجرت کی تھی اور یہاں (تیری راہ ہی میں) شہید ہوا ہے جس کی میں گواہی دیتا ہوں''۔

یہ روایت نسائی نے بھی قریب قریب انہی الفاظ میں سوید بن نصر' عبداللہ بن مبارک اور ابن جریج کے حوالے سے اپنے ہاں درج کی ہے۔

فصل:

خیبر کے قلعے

ابن اسحق متعدد مستند حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ خیبر کے قلعوں میں سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح ہوا لیکن اس میں محمود بن سلمہ شہید ہو گئے اور وہاں مال غنیمت میں بہت کم ملا جسے آنحضرت ﷺ نے بدستور سابق خمس نکال کر مجاہدین میں حصہ رسد تقسیم فرما دیا۔

ایک بات وہاں قابل ذکر یہ پیش آئی کہ جیسے پہلے بتایا گیا ہے کہ یہودی عموماً گدھوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور وہ بھی چونکہ اہل کتاب تھے اس لیے مسلمانوں نے وہاں انہی کی طرح ان کا گوشت استعمال کیا لیکن جب اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپؐ نے گدھے کے گوشت کو مسلمانوں کے لیے حرام ہی ٹھہرایا۔ لیکن بعض علماء وفقہاء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ گدھا چونکہ عموماً بار برداری کے کام آتا ہے اس لیے گھوڑے کی طرح اس کا گوشت کھانا بھی اقتصادی مصالح کے خلاف ہے اس لیے متروک ہی ہونا چاہیے تھا۔

بہر کیف صحیحین میں گدھے کے گوشت کی حرمت کے بارے میں جو حدیث حماد بن زید کی زبانی عمرو بن دینار' محمد بن علی اور جابر کے حوالے سے روایت کی گئی ہے اس کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ:

''یوم خیبر میں آنحضرت ﷺ نے گدھے کے گوشت کو مسلمانوں کے لیے حرام قرار دیا تھا لیکن اگر وہ کہیں خیل درخیل یعنی بہت کثرت سے اور جنگلی ہوں تو اس کے گوشت کے استعمال کی (وہ بھی سخت ضرورت کی حالت میں) اجازت دے دی تھی''۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن نجیح نے مکحول کے حوالے سے بیان کیا کہ انہیں یعنی وہاں موجود مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر کے دوران میں چار چیزوں کی ممانعت فرمائی تھی' ایک تو کسی حاملہ عورت کو زوجیت میں لینے کی دوسرے پالتو گدھے کا گوشت کھانے کی تیسرے کسی درندے کا گوشت کھانے اور چوتھے مال غنیمت کی تقسیم سے قبل اس کی فروخت کی۔ یہ حدیث' حدیث مرسل ہے۔ (مؤلف)

غزوۂ بدر کے دوران میں بہت سی چیزوں اور باتوں کی حرمت کے بارے میں احادیث نبوی کی روایات میں کافی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ تاہم امام احمدؒ کی پیش کردہ یہ روایت آج تک محفوظ و مستند مانی جاتی ہے کہ حضرت علی ابن انس سے بیان کیا:

''رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے دوران میں ہمیں کسی عورت سے نکاح کی بجائے متاع کرنے اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے کی ممانعت کی تھی''۔

بہرکیف بعض فقہاء نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے متاع کی ممانعت خیبر کے مخصوص حالات کی بنیاد پر کی گئی تھی جب کہ کسی اور (طویل) سفر کے دوران میں متاع کی اباحت درست ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

سہیلی وغیرہ کے بیانات کے مطابق تین موقعوں کے لیے عورتوں سے مباشرت کی ممانعت کی گئی تھی ایک تو غزوۂ خیبر کے دوران میں دوسرے عمرۃ القضا کے موقع پر اور تیسرے فتح مکہ کے موقع پر۔

دوسری روایات میں ان میں سے دو مواقع غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ جب مجاہدین اسلام نے خیبر کے کئی دوسرے قلعے فتح کیے تو انہیں وہاں سے مال غنیمت کچھ بھی نہیں ملا تھا جو آنحضرت تقسیم فرماتے لیکن آخر میں جب خیبر کا عظیم ترین قلعہ فتح ہوا جس کے محاصرے میں دس دن لگے تھے تو وہاں سے کثیر مال غنیمت کے علاوہ کھانے پینے کی اشیاء بھی بڑی مقدار میں ملی تھیں۔

یہ روایت ابوداؤد نے بھی پیش کی ہے۔

صفیہ بنت حیی کا قصہ

بنی نضیر کے یہودی خیبر میں جمع ہو کر برابر آنحضرت ﷺ کے خلاف کسی نہ کسی سازش میں ملوث اور آس پاس کے دوسرے قبائل کو بھی مدینے کے مہاجرین و انصار کے خلاف ابھارتے رہتے تھے اس لیے آپ کو لامحالہ ایک روز ان سے دوٹوک فیصلہ کرنے کے لیے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مدینے سے وہاں کا رخ کرنا پڑا۔

خیبر میں اس وقت حیی بن اخطب اور ابی حقیق یہودیوں کے سب سے زیادہ صاحبان ثروت اور ان کے معزز ترین اشخاص سمجھے جاتے تھے اور وہی وہاں کے سیاہ سفید کے مالک تھے۔ اس وقت سے کچھ قبل صفیہ بنت حیی سن بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں لیکن وہیں تربیت پا رہی تھیں۔ حیی بن اخطب کا ارادہ تھا کہ انہیں ان کے کسی چچا زاد بھائی سے منسوب کر دیا جائے اور جب آنحضرت خیبر پہنچے تو وہ اس سے چند روز پہلے ہی اپنے ایک چچا زاد بھائی کی زوجیت میں آئی تھیں اور اسی دوران میں انہوں نے ایک روز خواب میں دیکھا تھا کہ چاند آسمان سے اتر کر ان کی خواب گاہ میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ خواب جب انہوں نے اپنے شوہر کو سنایا تو اس نے ان کے منہ پر تھپڑ مار کر کہا:

''کیا تجھے یثرب (مدینہ) کا اشتیاق اور اس کے حکمران کے آغوش کی تمنا ہے؟''۔

اس کے بعد ہی سے صفیہ کا دل خود بخود آنحضرت ﷺ کی طرف کھنچنے لگا اور ان کے دل میں آپ کی غائبانہ محبت پیدا ہو گئی۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب حیی بن اخطب کا قلعہ مجاہدین اسلام نے فتح کیا تو ان کا شوہر مسلمانوں سے دست بدست لڑائی میں مارا گیا اور وہ مال غنیمت اور دوسری عورتوں کے ساتھ ایک کنیز کے طور پر لشکر اسلام میں لائی گئیں۔

ابوداؤد فرماتے ہیں کہ جب خیبر میں گرفتار شدہ عورتوں کو جمع کیا گیا تو صفیہ رضی اللہ عنہا کو جن کے حسن و جمال کی خیبر میں پہلے ہی سے شہرت تھی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے اپنے حصے کے مال غنیمت میں آنحضرت ﷺ سے صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی مال غنیمت میں بطور کنیز مانگ لیا اور آپ نے انہیں ان کے سپرد فرما دیا۔

یعقوب بیان کرتے ہیں کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے جانے کے بعد کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

> ''یا رسول اللہ (ﷺ) صفیہ بنت قریظہ و بنی نضیر کی سیدہ ہے اس لیے مناسب ہو گا کہ آپ اسے اپنی کنیزی میں لے لیں۔ پھر جب کچھ دوسرے لوگوں کا بھی اصرار ہوا تو آپ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ اگر وہ کچھ خیال نہ کریں تو کوئی اور کنیز اپنے لیے پسند کر لیں اور صفیہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی خدمت کے لیے رہنے دیں۔ چنانچہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی بخوشی آپ کے ارشاد کی تعمیل کر دی۔ اس کے بعد جیسا کہ ابوداؤد نے یعقوب بن ابراہیم اور

ابن علیہ کی زبانی عبدالعزیز بن صہیب اور ابن انس کے حوالے سے بیان کیا آنحضرت ﷺ نے صفیہ بنت حیی ابن اخطب رضی اللہ عنہا کو ان کی مدت عدت گزرنے کے بعد ان کی مرضی معلوم کر کے اور انہیں آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا تھا۔

ابوداؤدؒ بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن خلاد باہلی' بہز بن اسد' حماد بن سلمہ اور ثابت نے ابن انس نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو صفیہ کی باقاعدہ قیمت ادا کر کے لیا تھا اور پھر انہیں آزاد کر کے انہیں اپنی زوجیت میں داخل کیا تھا اور اس طرح ان کے اس خواب کی انہیں تعبیر مل گئی تھی جو انہوں نے خیبر میں دیکھا تھا۔

یہ بات راویوں میں متنازعہ ہے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کبھی ام المومنین کہلائیں یا ہمیشہ آنحضرت ﷺ کی کنیز خاص کے طور پر مشہور رہیں''۔

فصل:

آنحضرت ﷺ سے اہل فدک کی درخواست

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ خیبر کے ایک قلعہ کے علاوہ جسے مسلمانوں نے بزور فتح کیا تھا دوسرے مختلف قلعوں کے محصورین نے جب بخوبی محسوس کر لیا کہ ان کے ان قلعوں کا محاصرہ اگر مسلمانوں نے مزید اسی سختی سے جاری رکھا تو ان کی ہلاکت میں کوئی شک نہیں ہے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ اگر ان کی جاں بخشی کر دی جائے تو وہ اپنے اپنے قلعوں کے دروازے کھول کر ہتھیار ڈالنے اور خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنا سارا مال ومتاع بھی آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی۔

مذکورہ بالا قلعوں کے علاوہ قلعہ فدک والوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے یہی درخواست پیش کی لیکن چونکہ ان کے قبضے میں زرعی زمینوں کے ساتھ سرسبز وشاداب باغات بھی تھے اس لیے ان کے سامنے یہ شرط پیش کی گئی کہ وہ اپنی ان زمینوں اور باغات کی سالانہ آمدنی کا نصف حصہ مدینے بھیجا کریں گے جوانہوں نے بطیب خاطر قبول کر لی اس لیے ان کے قلعہ کا سب مال و اسباب جوں کا توں رہنے دیا گیا۔

فدک کے پڑوس میں ایک اور قلعہ باقی رہ گیا تھا۔ اس کے باشندوں نے یہ شرط مان لی تو دونوں قلعوں میں ایک ایک مسلمان حاکم مقرر کر دیا گیا جو ان قلعہ والوں میں سے ہر ایک سے ان شرائط کی پابندی کرائے اور ان کے مالی انتظامات اپنے ہاتھ میں رکھے۔

فصل:

مہاجرین حبشہ کی واپسی

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے مکے سے حبشہ کو ہجرت کی تھی ان میں سے بعض نے آنحضرت ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد مکے کی طرف مراجعت کے بعد مدینے کو ہجرت کی تھی جن میں حضرت زینبؓ بنت رسول ﷺ اور ان کے شوہر بھی تھے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یکے بعد دیگرے محمد بن علاء' ابو اسامہ' یزید بن عبداللہ اور عبداللہ بن ابی بردہ نے ابی بردہ اور ابی موسیٰ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب انہیں آنحضرت ﷺ کی مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی اطلاع ملی اس وقت وہ یمن میں تھے۔ چنانچہ پہلے وہ یمن سے حبشہ گئے اور وہاں سے نجاشی کے ذریعہ کشتیوں کا انتظام کر کے مکے واپس آنے کی بجائے براہ براست مدینے کی طرف چل پڑے۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ اس وقت ان کے ہمراہ ان کی قوم کے لوگوں میں سے باون یا ترپن آدمی تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ یمن سے حبشہ گئے تھے تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرے تھے اور پھر وہاں سے سب مسلمانوں نے جمع ہو کر مدینے کا رخ کیا تھا لیکن مدینے پہنچ کر جب انہیں آنحضرت ﷺ کی وہاں سے خیبر کی طرف اطلاع ملی تو وہ بھی خیبر کی طرف روانہ ہوئے لیکن راستے میں ٹھہر گئے تھے جہاں انہیں فتح خیبر کی اطلاع ملی تھی۔

ابو موسیٰ مزید بیان کرتے ہیں کہ جب ان کا اور ان کے ہمراہیوں کا کچھ فاتحین خیبر سے آمنا سامنا ہوا تو وہ بولے کہ چونکہ انہوں نے مکے سے آنحضرت ﷺ کے فوراً بعد مدینے کو ہجرت کی تھی اس لیے وہ مہاجرین حبشہ پر سبقت رکھتے تھے۔

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ اسماء بنت عمیس بھی تھیں۔ ان کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آیا وہ حبشی تھیں یا بحری؟ اس پر اسماء غضب ناک ہو کر بولیں:

''آپ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر آرام سے کھاتے پیتے اور چین کرتے رہے جب کہ ہم حبشہ میں مصائب جھیلتے رہے اور سب کچھ ہم نے خدا اور اس کے رسول کے لیے کیا' پھر بھی آپ لوگ خود کو اول المہاجرین خیال کرتے ہو اور اپنے آپ کو ہم پر ترجیح دیتے ہو۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ میں جب تک رسول اللہ (ﷺ) سے یہ باتیں عرض نہ کر لوں گی کچھ کھاؤں گی اور نہ کچھ پیوں گی۔ البتہ میں کوئی بات بڑھا چڑھا کر آپؐ سے عرض نہیں کروں گی''۔

پھر جب آنحضرت ﷺ خیبر سے واپسی پر وہاں تشریف لائے جہاں یہ مہاجرین حبشہ ٹھہرے ہوئے تھے تو اسماء نے آپؐ سے شکایتہً عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ (ﷺ) عمر (رضی اللہ عنہ) نے مجھے ایسا ایسا کہا تھا''۔

آنحضرت ﷺ نے اسماء سے دریافت فرمایا: "اور تم نے انہیں کیا جواب دیا تھا؟"۔

اسماء نے عرض کیا: "میں نے انہیں ایسا ایسا جواب دیا تھا"۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نہ عمر رضی اللہ عنہ کو تم لوگوں پر کوئی ترجیح ہے اور نہ تمہیں ان پر کوئی فضیلت ہے مہاجرین کی حیثیت سے تم سب لوگ برابر کا درجہ اور حق رکھتے ہو جب کہ تم لوگوں نے تو دو بار ہجرت کی ہے"۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جو مہاجرین حبشہ سے لوٹے تھے ان میں سب سے پہلے آنے والے جناب جعفر اور ان کے سولہ ساتھی تھے اور وہ سب خیبر بھی گئے تھے۔

ابن اسحٰق نے ان لوگوں کے نام بھی بتائے ہیں جو یہ ہیں:

جعفر بن ابو طالب ہاشمی اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس، جعفر کے بیٹے عبداللہ جو حبشہ میں پیدا ہوئے تھے، خالد بن سعید بن سعد بن امیہ بن عبدشمس اور ان کی بیوی امینہ[1] ان کا بیٹا سعید اور امہ بنت خالد جو دونوں حبشہ ہی میں پیدا ہوئے تھے، خالد کے بھائی عمرو بن سعید ابن العاص اور معصیب بن ابی فاطمہ وغیرہ۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان میں یعنی حبشہ سے واپس آنے والوں میں جو نام اضافہ کیے ہیں وہ یہ ہیں:

آل عتبہ بن ربیعہ کے حلیف عبداللہ ابن قیس، اسود بن نوفل بن خویلد بن اسد الاسدی، جہم بن قیس ابن عبدشرجیل العبدری جن کی بیوی ام حرملہ بنت عبدالاسود حبشہ میں وفات پا گئی تھیں۔ جہم کے بیٹے عمرو (جہم کی بیٹی خزیمہ حبشہ میں انتقال کر گئی تھیں) عامر بن ابی وقاص زہری، عتبہ بن مسعود جو جہم کے حلیف تھے اور ان کا تعلق بنی ہذیل سے تھا، حارث بن خالد بن صخر تیمی جن کی بیوی ریطہ بنت حارث حبشہ میں ہلاک ہوگئی تھیں، عثمان بن ربیعہ بن اہبان الجمحی، محیمہ بن جزء الزبیدی (بنی سہم کے حلیف) معمر بن عبداللہ بن نضلہ العدوی، ابو حاطب بن عمرو بن عبدشمس، مالک بن ربیعہ بن قیس بن عبدشمس العامریان، مالک اور ان کی بیوی عمرہ بنت السعدی اور حارث بن عبدشمس بن لقیط الفہری۔

ابن اسحٰق نے اس سلسلے میں اپنی فہرست میں جو نام دیئے ہیں ان میں جیسا کہ بخاریؒ کے حوالے سے پہلے بتایا جا چکا ہے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے علاوہ اشعرئین میں سے ان کے بھائی ابا بردہ اور ان کے چچا ابا عامر نیز ان کے دیگر عزیزوں کے نام بھی نہیں دیئے ہیں، تاہم ابن اسحٰق نے جو نام اپنی مذکورہ بالا فہرست میں دیئے ہیں وہ سب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہی کے بیان کردہ ہیں۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق نے ان مہاجرین کے علاوہ جو دوسرے لوگ غزوۂ خیبر میں شریک نہیں تھے۔ لیکن مال غنیمت کے دعوے دار تھے ان پر بھی تفصیلی گفتگو کی ہے۔

---

[1] ابن ہشام نے یہی لکھا ہے لیکن اصابہ میں ان کا نام امیمہ بنت خلف بن اسعد بتایا گیا ہے۔ اصابہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انہیں امینہ اور ھمینہ ناموں سے بھی پکارا جاتا تھا۔ (مؤلف)

زہر آلود بکری کے گوشت کا قصہ

بکری کے زہر آلود گوشت کے بارے میں عروہ کی زبانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے بخاری بیان کرتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن یوسف اور لیث نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ خیبر کے جملہ قلعوں کی فتح اور ان پر مجاہدین اسلام کے مکمل قبضے کے بعد وہاں کے یہودیوں کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ بکری کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا گیا تو جیسا کہ امام احمدؒ نے بھی بیان کیا ہے آپؐ نے ان کے چند سن رسیدہ معزز لوگوں کو بلا کر ان سے ان کے جدِ اعلیٰ کا نام دریافت فرمایا اور ان سے وہ نام سچ بتانے کے لیے کہا لیکن جو نام انہوں نے بتایا وہ غلط تھا۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''آپ لوگوں نے جو نام بتایا ہے وہ غلط ہے جب کہ صحیح نام یہ ہے۔ پھر آپ لوگوں نے جھوٹ بولا جب کہ آپ لوگوں کو صحیح نام معلوم تھا''۔

وہ بولے:

''ہمیں معلوم تو تھا لیکن ہم میں زیادہ مشہور وہی نام ہے جو ہم نے بتایا ہے''۔

اس کے بعد آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا:

''دوزخی کون ہوتے ہیں؟''۔

وہ بولے:

''پہلے ہم لوگوں میں جزا و سزا پر ایمان رکھنے والوں کی تعداد بہت تھی لیکن اب وہ گھٹتے گھٹتے بہت معمولی رہ گئی ہے اور اس میں بھی باہم اختلاف پایا جاتا ہے''۔

آپؐ نے فرمایا:

''ہم اہل اسلام میں اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا نہ ابد تک پیدا ہوگا''۔

اس کے بعد آپؐ نے ان سے فرمایا:

''اچھا اب میں آپ لوگوں سے جو بات پوچھوں گا کیا آپ لوگ اس کے بارے میں مجھے ٹھیک ٹھیک بتائیں گے؟''۔

وہ بولے:

''جی ابوالقاسم! ہم اس کا بالکل ٹھیک اور سچ جواب دیں گے''۔

آپ ؐ نے فرمایا:

''اچھا تو بتاؤ اس گوشت میں زہر تم میں سے کس نے ملایا ہے؟ یا اس گوشت کو زہر آلود کرنے میں تمہیں کس نے آمادہ کیا ہے؟''۔

آپ ؐ کے اس سوال کا انہوں نے یہ جواب دیا:

''یا ابا القاسم! سچ بات یہ ہے کہ ہم لوگوں نے باہمی مشورے سے خود ایسا کیا ہے کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ اگر آپ (ﷺ) سچے نبی ہیں تو آپ (ﷺ) کو اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا ورنہ آپ (ﷺ) ہلاک ہو جائیں گے''۔

اس سلسلے میں بخاریؒ بھی عنوان ''جزیہ'' کے تحت عبداللہ بن یوسف کے حوالے سے اور مغازی کے بیان میں لیث اور عبداللہ بن یوسف دونوں کے حوالے سے اس واقعے کو یونہی بیان کرتے ہیں۔ البتہ بیہقی کہتے ہیں کہ انہیں ابوعبداللہ الحافظ' ابو العباس العصم نے بتایا اور ان سے سعید بن سلیمان اور عباد بن عوام نے سفیان بن حسین' زہری' سعید بن میسبؒ، ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ یہود کی ایک عورت نے آنحضرت ﷺ خدمت میں بکری کا بھنا ہوا زہر آلود گوشت ہدیۃً پیش کیا تھا لیکن آپ ؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسے کھانے سے روک دیا تھا اور اس عورت سے دریافت فرمایا تھا کہ اسے اس گوشت میں زہر ملانے کے لیے کس نے کہا تو اس نے جواب دیا تھا:

''میں نے اس گوشت میں زہر یہ دیکھنے کے لیے ملایا ہے کہ اگر آپ (ﷺ) سچے نبی ہیں تو اسے فوراً پہچان جائیں گے ورنہ (نعوذ باللہ) ہم لوگوں کا آپ (ﷺ) سے پیچھا چھوٹ جائے گا''۔

بیہقی مذکورہ بالا حوالے دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے اس عورت کے مندرجہ بالا جواب پر اس سے کوئی تعارض نہیں فرمایا تھا۔

بیہقی کے علاوہ ابو داؤد نے بھی ہارون بن عبداللہ اور سعید بن سلیمان کے حوالے سے اس سلسلے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ اسی حد تک ہے اور امام احمدؒ نے بھی یہی بیان کیا ہے البتہ امام احمد نے اس میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ ؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس گوشت سے تھوڑا سا کھا بھی لیا تھا لیکن اس کے بعد بھی آپ نے اس عورت کو پھر بھی اس کا مندرجہ بالا جواب سن کر معاف فرما دیا تھا۔ تاہم اس زہر آلود گوشت کا اتنا اثر ضرور ہوا تھا کہ جب آپ ؐ ایک بار کسی سفر پر تشریف لے گئے تو آپ ؐ کے پائے شریف اچانک سن ہو گئے تھے اور یہی اثر آپ ؐ کے ان صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی ہوا تھا جنہوں نے وہ گوشت تھوڑا بہت چکھا تھا۔ ان میں ابو ہند بھی شامل تھے۔

ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے وہب بن بقیہ اور خالد نے محمد بن عمرو اور ابی سلمہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اس گوشت کے زہریلے اثر سے بشر ابن البراء بن معرور وفات پا گئے تھے۔

اس روایت میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاؤں سن ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ (مؤلف)

البتہ بیہقی نے چند دوسرے مستند حوالوں سے جن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں بیان کیا ہے کہ اس گوشت کے اثر سے

بشر ابن البراء کے وفات پا جانے پر آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا اور وہ قتل کر دی گئی تھی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے مروان بن عثمان بن ابی سعید بن ابی معلیٰ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس مرض کے دوران میں جس میں آپ نے وفات پائی بشر بن البراء بن معرور کی بہن سے جو ان دنوں آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئی تھیں فرمایا تھا:

''یہ اسی گوشت کے زہر کا اثر ہے جو میں نے اور تمہارے بھائی نے خیبر میں کھایا تھا' کاش میں نے تمہارے بھائی کو اس کے کھانے سے روک دیا ہوتا''۔

اس روایت میں حد سے زیادہ غرابت و نکارت ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

فصل:

وادیٔ قریٰ کا محاصرہ

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ غزوۂ خیبر سے فراغت کے بعد وہاں سے واپس مدینے کی طرف تشریف لاتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے وادی قریٰ میں قیام فرمایا تھا کیونکہ وہاں کے لوگوں کی سرکشی کے بارے میں آپ کو خیبر ہی میں اطلاع مل گئی تھی جس کی مزید تصدیق آپؐ کے وہاں پڑاؤ کرنے کے فوراً ہی بعد ہوگئی کیونکہ آپؐ کے ہمراہیوں میں سے مدعم کو کہیں قریب کی کمین گاہ سے ایک ایسا کاری تیر لگا جس سے وہ شہید ہو گئے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ وادی قریٰ میں آنحضرت ﷺ نے تین روز قیام فرمایا تھا اور وہیں صفیہ رضی اللہ عنہا کی مدت عدت ختم ہوئی تھی جس کے بعد آپؐ نے انہیں اپنی زوجیت میں لیا تھا۔

ہم وادی قریٰ کی جنگ کی تفصیلات ان شاء اللہ کسی قدر آگے چل کر عنقریب بیان کریں گے تاہم جیسا کہ بیہقی نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ خیبر سے مدینے کی طرف واپس آرہے تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ بنی فزارہ آپؐ سے جنگ پر آمادہ ہیں اس لیے آپ کو ان کی سرکشی ختم کرنے کے لیے وادی قریٰ میں قیام فرمانا پڑا تھا۔

بیہقی نے وادی قریٰ کے ذکر کے ساتھ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں آنے کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہ تب ہی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہیں ام المومنین کہنے لگے تھے اور آیت حجاب کے نزول کے بعد جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر پردے کی پابندی آنحضرت ﷺ نے لازم قرار دی تو اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا صرف آپ کی کنیز ہی نہیں ہیں بلکہ باقاعدہ آپ کی زوجیت میں آ چکی ہیں۔

امام احمدؒ غزوۂ خیبر کے واقعات کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن سعید نے محمد بن یحییٰ بن حبان' ابی عمرہ اور زید بن خالد جہنی کے حوالے سے بیان کیا کہ غزوۂ خیبر میں ایک مجاہد انتہائی شجاعت کا ثبوت دیتے ہوئے شہید ہو گیا تھا لیکن جب اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو دی گئی تو آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اپنے ساتھی پر سلام بھیجو'' اور آپؐ نے مال غنیمت میں سے جب اس کے لیے بھی یعنی اس کے نام سے ایک قلیل سا حصہ الگ کروایا تو بعض لوگوں کو اس کے ساتھ اس خصوصی رعایت پر حیرت ہوئی تھی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا تھا:

''اس نے راہ خدا میں شدت کی ہے''۔

ابن اسحٰق اپنی کتاب سیرت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کی شادی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے اس وقت جب آپ غزوۂ خیبر سے واپسی پر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے ایک حصے میں فروکش ہوئے تھے انہوں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ:

''صفیہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے خبردار رہنا مناسب ہوگا کیونکہ ان کا باپ اور شوہر غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں''۔

اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے اپنی حفاظت کے سلسلے میں ان کے جذبے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے لیے دُعائے خیر بھی فرمائی تھی۔

بعض لوگوں نے غزوۂ خیبر کو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ماہ صفر کا واقعہ بتایا ہے جس پر کچھ شعراء نے اشعار بھی کہے تھے۔

فصل:

شہدائے خیبر

دوسرے سیرت نگاروں کی طرح ابن اسحٰق بن یسار نے اپنی کتاب سیرت میں باب مغازی کے تحت غزوۂ خیبر میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت کا ذکر کیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مہاجرین کے ممتاز لوگوں میں بنی اُمیہ کے غلام ربیعہ بن اکثم بن سنجرہ اسدی' ثقیف بن عمرو' بنی اُمیہ کے حلیف رفاعہ بن مسروح' عبداللہ بن اہیب بن سحیم بن غیرہ اور ان کی بہن کے بیٹے۔

انصار میں سے بشر بن البراء بن معرور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بکری کا زہر آلود گوشت کھا کر شہید ہوئے' فضیل بن نعمان السلمیان' مسعود بن سعد بن قیس بن خالد بن عامر بن زریق زرقی' محمود بن مسلمہ الاشہلی' ابوضیاح حارثہ بن ثابت بن نعمان العمری' حارث بن حاطب' عروہ بن مرہ بن سراقہ' اوس القائد'[1] انیف بن حبیب' ثابت ابن اثلہ وطلحہ' عمارہ بن عقبہ' عامر بن اکوع' سلمہ بن عمرو بن اکوع جن کی شہادت کا واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور اسود الراعی۔

ابن اسحٰق نے اس فہرست میں ابن شہاب کے بیان کردہ جن ناموں کا آخر میں اضافہ کیا ہے وہ بنی زہرہ کے مسعود بن ربیعہ اور انصار میں بنی عمرو بن عوف کے اوس بن قتادہ کے نام ہیں۔

❀❀❀

[1] اصابہ میں یہی نام درج ہے کہ کہیں کہیں ان کا نام ابن فاتک اور ابن الفاتک بھی لکھا ہے جو اصل میں الفارض ہے۔ (مؤلف)

حجاج بن علاط البہزی کا قصہ

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حجاج بن علاط البہزی نے جو غزوۂ خیبر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا اس کی فتح کے بعد آپؐ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) جب میں مکے سے چلا تھا تو اس وقت اپنی بیوی ام شیبہ بنت ابی طلحہ کے پاس کافی زرنقد چھوڑ آیا اور اس کے بطن سے جو میرا بیٹا معوض تھا وہ بھی وہیں رہ گیا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے قریش مکہ کے ساتھ تجارت میں بھی بہت سارو پیہ لگا رکھا تھا اس کا منافع اور اصل نیز میرا کچھ تجارتی مال بھی ابھی تک انہی کے پاس ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں جا کر اپنی یہ سب چیزیں وہاں سے لے آؤں''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر حجاج بن علاط مکے روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر پہلے، جیسا کہ اس نے بیان کیا، اپنی بیوی کے پاس گیا جس نے اس کا سارا زرنقد اس کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد اس نے قریش مکہ کے بڑے بڑے لوگوں سے مل کر کہا کہ وہ ان کے لیے بڑی خوش کن و حیرت انگیز خبر لایا ہے۔ انہوں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا:

''وہ کیا خبر ہے؟''۔

حجاج بن علاط نے انہیں بتایا:

''محمد (ﷺ) نے ایک بڑا لشکر لے کر خیبر پر یہ حملہ کیا تھا لیکن وہاں شکست کھا کر اپنے بے شمار ساتھیوں کے ساتھ اہل خیبر کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ مجھے یہاں حیی بن اخطب اور ابن حقیق نے آپ لوگوں کے پاس یہ اطلاع دے کر بھیجا ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے گرفتار شدہ ساتھیوں کو لے کر یہاں آ رہے ہیں تاکہ آپ لوگ ان سے اپنے پچھلے سارے بدلے چکا سکیں''۔

ابن اسحٰق حجاج بن علاط کی زبانی مزید بیان کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ جو آپس میں سودی لین دین اور تجارتی مال کا تبادلہ کیا کرتے تھے اور یہی کاروبار خیبر کے یہودیوں کے ساتھ بھی کرتے تھے۔ حجاج کی زبانی مذکورہ بالا خبر سن کر حد سے زیادہ خوش ہوئے اور ان کا جو زرنقد اور تجارتی سامان جو ان کے پاس بطور امانت رکھا ہوا تھا اس خوشی میں سب انہیں لوٹا دیا لیکن ابھی وہ اس خوش خبری کی ایک دوسرے کو مبارک دیتے پھر رہے تھے کہ حجاج ابوالفضل عباس بن عبدالمطلب کے پاس جا پہنچے اور ان سے کہا کہ اگر وہ کسی اور کو نہ بتائیں تو وہ ایک خوشخبری سنانا چاہتے ہیں۔

عباس بن عبدالمطلب نے راز داری کا وعدہ کر لیا تو حجاج نے انہیں بتایا:

''آپ کے بھتیجے رسول اللہ (ﷺ) نے خیبر کے یہودیوں کے سارے قلعے فتح کر لیے ہیں جس میں بے شمار یہودی قتل

ہو گئے اور رسول اللہ (ﷺ) اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ بہت بڑی مقدار میں مال غنیمت ہاتھ آیا ہے۔ اس کے علاوہ صفیہ بنت حیی ابن اخطب بھی بطیب خاطر رسول اللہ (ﷺ) کی زوجیت میں آ گئی ہیں کیونکہ ابن حقیق کے علاوہ ان کے باپ اور شوہر دونوں غزوہ خیبر میں قتل ہو گئے تھے''۔

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو یہ خبر سنا کر حجاج ان سے بولے۔

''میں تین روز کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ یہ بات میری بیوی کو معلوم ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمان ہو گیا ہوں لیکن اگر یہ بات آپ کے علاوہ کسی اور کو معلوم ہو گئی تو قریش مکہ مجھے قتل کر دیں گے اس لیے جیسا کہ آپ نے وعدہ کر لیا ہے یہ بات تین روز تک انہیں نہ بتائیں تو میں آپ کا حد درجہ ممنون ہوں گا''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ عباس بن عبدالمطلب کے علاوہ وہ مسلمان بھی جنہوں نے خفیہ طور پر ان کے مکان میں پناہ لے رکھی تھی حجاج بن علاط کی زبانی یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے عباس جو بظاہر قریش مکہ کے ساتھ تھے دل سے اپنے بھتیجے یعنی رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کے خواہاں تھے۔ چنانچہ انہوں نے ''قول مرداں جان دارد'' کا پورا ثبوت دیا اور پورے تین دن کے بعد جب یہ خبر حریم کعبہ میں قریش مکہ کو سنائی تو ان کے ہوش ٹھکانے آ گئے لیکن اب قریش کا غم و غصہ سب بعد از وقت تھا۔

حافظ بیہقی نے حجاج بن علاط کی اس روایت کو کئی مستند حوالوں کے ذریعہ بیان کیا ہے کہ حجاج مکے کے بڑے کثیر المال افراد میں شمار ہوتے تھے اور ان کے لیے یہ بھی بڑے امتیاز کی بات تھی کہ ان کی شادی عبدالدار بن قصی کی بہن ام شیبہ سے ہوئی تھی۔ ارض بنی سلیم میں ان کی کانیں تھیں۔ ان پر قریش مکہ کو بڑا ناز تھا لیکن اب وہ ان کے جانی دشمن بن گئے تھے۔

فصل:

آنحضرت ﷺ کا وادی قریٰ سے گذر‘ اس کا محاصرہ اور یہود سے مصالحت

واقدی کہتے ہیں کہ ان سے عبدالزمن بن عبدالعزیز نے زہری‘ ابی سلمہ اور ابی ہریرہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آخر الذکر دونوں حضرات آنحضرت ﷺ کے ہمراہ خیبر سے مدینے کی طرف واپس آ رہے تھے تو رفاعہ بن زید بن وہب الجزامی نے آپ کی خدمت میں ایک حبشی غلام مدعم نامی نذر کیا جس نے آپ کی رکاب داری کی خدمت انجام دینا شروع کر دی لیکن جب یہ لوگ وادی قریٰ میں پڑاؤ ڈال رہے تھے تو وہ حبشی غلام مدعم آپ کی سواری کے سامنے مستعد کھڑا تھا کہ اچانک کسی طرف سے ایک مہلک تیر اسے آ کر لگا جس سے مدعم فوراً ہی جاں بحق ہو گیا اور لوگ بولے:

''یہ نیک بخت کس قدر خوش قسمت تھا کہ آنحضرت ﷺ کی غلامی میں آتے ہی خلد آشیاں ہو گیا''۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے وادی قریٰ کے محاصرے کا حکم دے دیا اور اسلامی علم حباب بن منذر اور اپنا مخصوص علم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما کر انہیں یہودیوں کی اس بستی کی طرف دوسرے مجاہدین کے ساتھ بڑھنے کا حکم دیا لیکن انہیں یہ بھی ہدایت فرما دی کہ پہلے انہیں حق پسندی اختیار کر کے اسلام کی دعوت دی جائے اور ان سے کہا جائے کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں گے تو ہم ان کے زر و مال وغیرہ کو چھوئیں گے بھی نہیں اور اپنے آدمی کے خون کا قصاص خدا کے سپرد کر دیں گے۔ لیکن اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کریں تو ان پر حملہ کر دیا جائے کیونکہ لڑائی کی ابتداء انہی کی طرف سے ہوئی ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ جب مجاہدین اسلام یہودیوں کی اس بستی کی طرف بڑھے تو مذکورہ بالا دو پرچموں کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے دو مزید پرچم فرداً فرداً سہل بن حنیف اور عباد بن بشر کے حوالے کرا دیئے تھے۔

چنانچہ ان لوگوں نے آگے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کے حکم کے بموجب پہلے وادی قریٰ کے یہودیوں کو دعوتِ اسلام دی لیکن اس کا موافق جواب دینے کے بجائے ادھر سے ایک آدمی نے نکل کر دستور عرب کے مطابق مسلمانوں سے مبارز طلب کیا تو ادھر سے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا اور جب اُدھر سے دوسرا آدمی نکل کر شیخی بگھارتا اور دون کی لیتا ہوا آگے آیا تو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آناً فاناً موت کے گھاٹ اتار دیا۔

واقدی مذکورہ بالا حوالوں کے ذریعہ بیان کرتے ہیں کہ اس طرح ان کے دس آدمی قتل ہو گئے تو انہوں نے یکبارگی مسلمانوں پر حملہ کر دیا جس کے جواب میں مجاہدین اسلام نے بھی ان کے ایک ایک فرد کو جس نے تلوار اٹھائی چن چن کر قتل کر دیا اور باقی کو قید کر لیا۔ وادی قریٰ کے یہودیوں سے اس مقابلے میں کثیر مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

واقدی کے بقول وادی قریٰ کے یہودیوں سے مسلمانوں کی یہ جنگ شام سے لے کر رات بھر اور اگلے روز طلوع آفتاب کے بعد تک جاری رہی اور مسلمانوں کو اس میں بھی مکمل فتح حاصل ہوئی۔ تاہم آنحضرت ﷺ نے وہاں کے یہود کی زرعی زمینیں اور کھجور کے باغات انہی کے حق میں چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ البتہ انہی میں سے ایک شخص سے حلف وفاداری و متابعت لے کر اسے وہاں کا عامل مقرر فرما دیا۔ اس طرح وادی قریٰ میں آنحضرت ﷺ کا قیام چار روز رہا۔

جب خیبر' فدک اور وادی قریٰ کے یہودیوں کے انجام کی خبر تیما کے یہودیوں کو ملی تو انہوں نے آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں صلح کا پیغام بھیج کر جزیہ پر آپؐ سے مصالحت کر لی۔ اس طرح خیبر' فدک' وادی قریٰ اور تیما کے یہودیوں سے جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اس نے انہیں خدا کے فضل و کرم سے مالا مال کر دیا۔

چونکہ وادی قریٰ اور تیما کے یہودیوں سے جزیہ پر مصالحت ہوئی تھی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب خیبر اور فدک کے یہودیوں کو ان کی مسلسل سرکشی اور چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے وہاں سے نکالا گیا تو وادی قریٰ اور تیما کے یہودیوں سے اس مصالحت کی بنا پر کچھ نہیں کہا گیا۔ دوسرے وادی قریٰ کا علاقہ شام سے نزدیک تر ہونے کی وجہ سے شام میں اور تیما کا علاقہ مدینے سے نزدیک تر ہونے کی وجہ سے اس وقت حجاز میں شامل کر لیا گیا تھا۔

فصل:

فتح خیبر کے بعد یہودیوں سے شرائط

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں لکھا ہے کہ فتح خیبر کے بعد آنحضرت ﷺ نے وہاں کے یہودیوں سے یہ اقرار کرایا تھا کہ ان کی زرعی زمینوں اور کھجوروں کے باغات کی سالانہ آمدنی کا طے شدہ حصہ وہ مدینے بھیجا کریں گے اور اس کے حساب کتاب اور خیبر کے انتظامی امور کی نگرانی کے لیے آپؐ نے انہی کا ایک شخص وہاں مقرر فرما دیا تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپؐ نے اس کام کے لیے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو وہاں اس لیے بھیجا تھا تا کہ وہ کھجوریں پکنے اور فصلیں کٹنے کے اوقات میں وہاں موجود رہیں اور ان کی آمدنیوں کا باقاعدہ حساب کر کے ان کی جانچ پڑتال کیا کریں۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب جنگ موتہ میں شہادت پا گئے تو پھر ان کی جگہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے' جبار بن صخر رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا۔ ان جملہ امور کا ذکر ہم ان شاء اللہ کتاب المزارعت اور کتاب الاحکام میں تفصیل سے کریں گے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہوں نے ابن شہاب سے دریافت کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کو ان کے کھجوروں کے باغات کیوں سپرد فرما دیئے تھے جب کہ خیبر کو جدال و قتال کے بعد فتح کیا گیا تھا؟ اس کے بعد ابن اسحٰق سے یہ بھی پوچھا تھا کہ جب یہود خود اپنی مرضی سے خیبر چھوڑنے اور جلاوطن ہونے کے لیے تیار تھے تو آپؐ نے ان سے یہ معاہدہ کیوں فرمایا تھا۔

ابن شہاب کا جواب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے باقی ماندہ یہودیوں کو طلب فرما کر ان سے فرمایا تھا کہ آپؐ چاہیں تو ان کی املاک ضبط کر سکتے ہیں یا اسے کسی اور کے حوالے فرما سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہوگا کہ وہ وہاں سے نہ جائیں' تاہم ان کی زرعی زمینوں اور کھجوروں کے باغات سے جو آمدنی ہو اس کا نصف وہ مدینے بھیج دیا کریں۔ اس کے علاوہ جزیہ کی ایک رقم بھی وہ سالانہ مدینے بھیجا کریں جس کا انہوں نے وعدہ کر لیا تھا۔ ان تمام امور کے لیے پہلے انہی کا ایک آدمی مقرر کیا گیا تھا لیکن بعد میں اوّلاً اس کام کے لیے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا اور ان کے بعد جبار بن صخر رضی اللہ عنہ کا بطور عامل وہاں تقرر کیا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں خیبر کے یہودیوں کے ساتھ وہی زبانی معاہدات جاری رکھے جو آپؐ کے زمانے میں تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ عرصہ انہی معاہدات اور انتظامات کو براہ راست مرکز خلافت مدینے سے جاری رکھا لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام یعنی مرض الموت کے زمانے میں فرمایا تھا کہ ''جزیرۃ العرب میں دو دین (بیک وقت) نہیں رہ سکتے''۔ اور اس کی تصدیق بھی ہو گئی تو انہوں نے خیبر کے یہودیوں کو کہلا بھیجا کہ:

''خدا نے مجھے اجازت دی ہے کہ میں تمہیں خیبر سے جلاوطن کر دوں کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا تھا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ بہر کیف اگر اس کے برعکس آنحضرت ﷺ اور آپ لوگوں کے مابین کوئی تحریری معاہدہ موجود ہو تو وہ پیش کیا جائے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کے جواب میں خیبر کے یہودیوں کی طرف سے ایک تحریری معاہدہ پیش کیا گیا جس کے متعلق ان کا دعویٰ تھا کہ وہ سال نہم ہجری میں تحریر کیا گیا۔ اس معاہدے میں تحریر تھا کہ خیبر کے یہودیوں کو اس سال سے نہ صرف جزیہ معاف کیا جاتا ہے بلکہ ان کی زرعی زمینوں اور کھجوروں کے باغات کا لگان بھی اس سال سے موقوف کیا گیا۔

جب اس معاہدے پر غور کیا گیا تو صاف معلوم ہو گیا کہ وہ معاہدہ جو خیبر کے یہودیوں نے پیش کیا تھا سراسر جعلی تھا۔ اس کے جعلی ہونے کا ثبوت تین باتوں سے ملا جس کی تردید ناممکن تھی۔

اوّل یہ کہ خیبر کے پیش کردہ معاہدے پر پہلی گواہی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تھی جو غزوۂ خیبر سے قبل وفات پا چکے تھے۔ دوسرے یہ کہ اس معاہدے پر بطور گواہ معاویہ بن ابی سفیان کے دستخط تھے جو غزوۂ خیبر تک اسلام ہی نہیں لائے تھے۔ تیسرے یہ کہ وہ معاہدہ مبینہ طور سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لکھا ہوا تھا جو تصدیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بھی غلط تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر کے یہودیوں کے انخلاء کا فرمان جاری کر دیا۔

خیبر کے یہودیوں نے تیسری اور نویں صدی ہجری میں اس معاہدے کے ان کے پاس ہونے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان کے ساتھ زیادتی اور ان کے فیصلے کے خلاف یہ کہہ کر شور مچایا کہ بعض مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اس معاہدے کا ذکر لفظ ''شاید'' کے ساتھ کیا تھا لیکن جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا وہ اس کا ثبوت پیش کرنے سے ہمیشہ قاصر رہے۔

سال ہفتم ہجری کی چند دیگر اسلامی مہمات

حافظ بیہقی نے جیسا کہ صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں بھی درج کی گئی ہیں عمرة القضیہ کے علاوہ سال ہفتم ہجری کے مغازی کے ضمن میں فتح خیبر کے بعد چند دیگر اسلامی مہمات کا بھی ذکر کیا ہے جن کا ذکر مؤرخین مغازی اور اہل مغازی کے بیانات میں وضاحت کے ساتھ نہیں پایا جاتا بیہقی نے انہیں اپنی مؤقر کتاب ''الدلائل'' میں حسب ذیل ترتیب سے بیان کیا ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بنی فزارہ کے خلاف مہم:

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یکے بعد دیگرے بہزؒ عکرمہ بن عمارؒ ایاس بن سلمہ اور خود امام موصوف کے والد نے بیان فرمایا کہ:

''ہم لوگ حضرت ابوبکر ابن ابی قحافہ (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر بنی فزارہ کے خلاف جنگ کے لیے مدینے سے روانہ ہوئے''۔

اس کے بعد امام احمدؒ ایاس بن سلمہ کی زبانی بیان فرماتے ہیں:

''جب ہم مدینے سے بنی فزارہ کی بستی کے نزدیک پہنچے تو راستے میں ان کا جو شخص بھی ہم سے جنگ پر آمادہ نظر آیا ہم نے اسے قتل کر دیا حتی کہ ہم بنی فزارہ کے کنوئیں تک پہنچ گئے جہاں ہمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑاؤ کا حکم دیا لیکن بنی فزارہ کے لوگ ہماری آمد کی خبر سنتے ہی پہاڑ پر چڑھ گئے تھے۔ ہم نے اگلے روز صبح کی نماز کے بعد پہاڑ پر چڑھ کر ان کا تعاقب کیا اور جہاں جہاں وہ ملے انہیں ٹھکانے لگاتے گئے۔ آخر کار انہوں نے ہتھیار ڈال لیے اور ہم نے ان کے باقی ماندہ لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ وہیں مجھے شکستہ کپڑوں میں عرب کی ایک حسین ترین لڑکی اور اس کی ماں بھاگتی نظر آئی تو میں نے اس لڑکی کو پکڑ کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا لیکن انہوں نے وہ لڑکی مجھے ہی بخش دی''۔

ایاس بن سلمہ رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں:

''جب ہم غزوۂ بنی فزارہ سے فارغ ہو کر مدینے واپس پہنچے تو وہ لڑکی بھی میرے ساتھ تھی۔ اس وقت میں مدینے کے ایک بازار سے گزر رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے آ گئے۔ آپؐ نے میرے ساتھ اس لڑکی کو دیکھ کر فرمایا: ابن سلمہ! ''یہ لڑکی تم ہمیں دے دو'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ اس شکستہ لباس والی لڑکی کو کیوں طلب فرما رہے ہیں؟''۔

ابن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''میرے اس سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور کچھ جواب دیئے بغیر وہاں سے تشریف لے گئے لیکن اس کے بعد جب آپؐ نے دوبارہ پھر وہ لڑکی مجھ سے طلب فرمائی تو میں نے اس لیے کہ مجھے آپ کی خواہش کا احترام اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا اسے بلاعذر آپؐ کے سپرد کر دیا لیکن مجھے آپؐ کے بار بار اس ارشاد پر حیرت ضرور ہوئی تھی''۔

آخر میں ابن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد جب ان مسلمان قیدیوں کے عوض جو اس وقت تک قریش مکہ کے پاس تھے وہی لڑکی بطور فدیہ مکے بھیجی گئی تو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر اصرار طلب کا مفہوم معلوم ہوا اور ان کی حیرت ندامت میں تبدیل ہو گئی۔

یہ واقعہ مسلم و بیہقی نے بھی عکرمہ بن عمار کی زبانی بیان کیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مدینے سے چار میل دور تربت کی طرف ایک مہم پر روانگی

بیہقی واقدی کے ذریعہ اور کئی دیگر مستند حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تیس مجاہدین کا ایک عسکری رسالہ اور اس کے ساتھ راستہ بتانے کے لیے بنی ہلال کا ایک شخص اہل تربت کے سرکش لوگوں کی سرکوبی کے لیے جو مدینے سے چار میل کے فاصلے پر بغاوت کے لیے جمع ہو رہے تھے روانہ فرمایا۔

یہ لوگ مدینے سے روانہ ہو کر رات کے وقت قیام اور دن کو خاموشی سے راستہ بدل بدل کر سفر کرتے ہوئے وہاں پہنچے' معمولی سی جنگ کے بعد ان دشمنانِ خدا و اسلام کو زیر کیا اور جلد ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر مدینے واپس آ گئے۔

بیہقی کہتے ہیں کہ مدینے واپسی پر کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

''اس معمولی سے دشمن کے ساتھ اس چند روزہ لڑائی سے کیا فائدہ ہوا؟''۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سرکش ہوازن کی سرکوبی کا حکم دیا تھا جس کی میں نے تعمیل کر دی''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس مختصر جواب سے مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد سے انہیں جو فائدہ پہنچا تھا کیا وہ کچھ کم تھا؟۔

یُسیر بن رزام یہودی کے خلاف عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی مہم

بیہقی ہی ابراہیم بن لہیعہ کی زبانی اور ابوالاسود' عروہ' موسیٰ بن عقبہ اور زہری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کا ایک رسالہ دے کر جس میں خود عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے یسیر بن رزام یہودی کے خلاف جس کے بارے میں بغاوت کی خبریں مسلسل پہنچ رہی تھیں مہم پر روانہ فرمایا۔

یسیر بن رزام مذکورہ بالا اسلامی مجاہدین کے رسالے کی مدینے سے روانگی کی خبر پا کر خیبر کی طرف فرار ہوا لیکن جب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس کے تعاقب میں وہاں پہنچے تو انہوں نے اسے بلا کر اپنے سواروں کی صف کے سامنے کھڑا کیا اور اسے یہ بتا کر کہ جب خیبر کے یہودی مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں تو اس کی سرکشی اور اِدھر اُدھر فرار بے کار ہوگا اسے نرمی سے سمجھایا کہ وہ بھی بغیر لڑے بھڑے اطاعت قبول کر لے تو اس کی جان بچ جائے گی۔

یسیر نے اس وقت تو آئیں بائیں شائیں کر کے بات ٹال دی لیکن موقع پا کر خیبر سے بھی بھاگ نکلا اور اس کے ساتھی بھی رات کے اندھیرے میں اس کے ساتھ ہو لیے۔

جب یسیر خیبر سے جان بچا کر بھاگا تو اس کے بعد اس نے قرقرہ میں پناہ لینا چاہی جو خیبر سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے لیکن عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی اسے اس طرح آسانی سے بخشنے والے نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسے قرقرہ میں بھی جا گھیرا لیکن اس نے اپنا اونٹ ان کی سواری کے قریب لا کر تلوار چھیننے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹ کر اس پر حملہ کر دیا۔ تاہم یسیر کے پیچھے ہٹ جانے سے ان کی تلوار اس کے ٹخنے پر پڑی اور اسے پاؤں سے الگ کرتی ہوئی نیچے چلی گئی۔ اس طرح یسیر کو ذرا سا موقع ملا تو اس نے اپنے ہاتھ میں لیا ہوا لکڑی کا سخت اور مضبوط ڈنڈا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے منہ پر اتنے زور سے مارا کہ ان کا منہ شدید زخمی ہو گیا۔ لیکن ان کے ساتھیوں نے جو ان کے پس پشت اور دائیں بائیں اپنی اپنی سواریوں پر ہر خطرے سے نمٹنے کے لیے مستعد اور جمے بیٹھے تھے آگے بڑھ کر یسیر کو فوراً قتل کر دیا اور اس کے ساتھیوں میں سے بھی کسی ایک کو زندہ نہیں چھوڑا۔

بیہقی آخر میں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے منہ پر زخم کے علاوہ اس ساری مہم میں ان کا کوئی ساتھی کام نہیں آیا بلکہ کسی کے خراش تک نہیں آئی اور جب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس مہم میں سرخرو ہو کر مدینے واپس آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور ان کے منہ کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے وہ زخم فوراً مندمل ہو گیا اور اس کے بعد ان کی وفات تک اس میں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی آخری مہم

واقدی کی متعدد مستند حوالوں کے ساتھ روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کا عسکری رسالہ دے کر فدک کے قریب بنی مرہ کی سرکشی و بغاوت فرو کرنے کے لیے روانہ فرمایا تھا جہاں ان لوگوں سے ان کی بڑی زبردست جنگ ہوئی اور ان باغیوں کے کثیر تعداد میں افراد قتل ہونے کے علاوہ مسلمانوں کو بھی خاصا جانی نقصان پہنچا تھا لیکن بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں حد سے زیادہ شجاعت اور صبر و استقامت کا ثبوت دیا تھا۔

بنی مرہ کے ساتھ اس جنگ سے فارغ ہونے اور وہاں اسلامی اقتدار قائم کرنے کے بعد بشیر رضی اللہ عنہ فدک چلے گئے تھے اور انہوں نے وہاں کے ایک جزیہ گزار یہودی کے ہاں قیام کیا تھا اس کے بعد وہ مدینے واپس آ گئے تھے۔

واقدی کی مذکورہ بالا روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب بنی مرہ کی دوبارہ سرکشی کی اطلاع مدینے پہنچی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سرکوبی کے لیے غالب بن عبداللہ کو روانگی کا حکم دیا تھا اور ان کی مدد کے لیے متعدد دوسرے بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس طرف روانہ فرمائے تھے جن میں اسامہ بن زید، ابومسعود البدری اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ اب کے بار بنی مرہ کے ساتھ مرداس بن نہیک بھی جو ان کا حلیف تھا شامل ہو گیا تھا اور سب سے پہلے وہی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے سامنے آیا تھا لیکن اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے اور کچھ کہنے کی مہلت نہ دی اور اس پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اس نے پہلے ہی وار میں ان کے قدموں میں گر کر دم توڑ دیا۔

جب دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مرداس کے وجود باری تعالیٰ اور اس کی توحید کا اقرار کر لینے کے بعد اسے قتل کرنا مناسب نہ تھا اور انہوں نے اس پر اظہار بھی کیا تو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما خود بھی اپنی اس لغزش پر بہت شرمندہ ہوئے۔

واقدی بیان کرتے ہیں کہ جب اس واقعے کا ذکر مذکورہ بالا صحابہ نے مدینے میں واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ جب مرداس نے لا الہ الا اللہ زبان سے کہہ دیا تھا تو اس کے بعد انہوں نے اسے قتل کیوں کیا؟ اسامہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے جان بچانے کے لیے یہ کلمہ زبان سے نکالا تھا''۔

اس پر آپ نے کئی بار ان سے فرمایا کہ آیا وہ درحقیقت اس کلمہ کے اقرار کا صحیح مطلب سمجھتے تھے اور آخر میں ارشاد فرمایا کہ کاش وہ (اسامہ رضی اللہ عنہ) اسی روز مسلمان ہوئے ہوتے۔

واقدی مزید بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا مہم پر غالب بن عبداللہ کو روانہ فرماتے ہوئے انہیں بنی فدید کی سرکشی کی روک تھام کا بھی حکم دیا تھا اور وہ اس سے کامیاب لوٹے تھے۔

وہ مہم جس میں محلم بن جثامہ نے عامر بن اضبط کو قتل کر دیا تھا

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے یزید بن عبداللہ بن قسیط نے ابن عبداللہ بن ابی حدرد کے حوالے اور آخر الذکر کی زبانی بیان کیا کہ انہیں یعنی ابی حدرد کے والد کو آنحضرت ﷺ نے کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ جن میں ابوقتادہ الحارث بن ربعی اور محلم ابن جثامہ بن قیس بھی شامل تھے اضم کی طرف روانہ کیا جہاں سے کچھ لوگوں کی سرکشی و بغاوت کی خبر ملی تھی لیکن جب یہ لوگ اضم میں داخل ہوئے تو انہیں عامر بن اضبط اشجعی کچھ لوگوں کے ساتھ ایک طرف جاتے ہوئے ملے۔ ان کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے ان کے ساتھی دودھ سے بھرے برتن، کھجوریں اور کچھ دوسرا سامان اٹھائے ہوئے چل رہے تھے۔

ابی حدرد کے والد کا بیان ہے کہ عامر بن اضبط اشجعی انہیں اور ان کے ساتھی مجاہدین کو دیکھ کر ٹھہر گئے اور انہیں بڑے تپاک سے اسلامی طریقے سے سلام لیکن محلم بن جثامہ، جیسا کہ انہوں نے بعد میں بیان کیا عامر بن اضبط کے اس طرز تپاک اور سلام کو دھوکا سمجھے اور انہوں نے بلاتوقف اور کسی سوچ بچار کے بغیر میان سے تلوار نکال کر عامر کو قتل کر دیا اور جو سامان ان کے ساتھی لیے جا رہے تھے چھین لیا۔ جب اس واقعے کی خبر دی گئی تو مندرجہ ذیل آیہ شریفہ آپ پر نازل ہوئی۔

ابی حدرد کے والد کہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل آیت شریفہ کی شان نزول یہی واقعہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ذریعہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تَقُوْلُوْا .... الخ ﴾

یہ روایت کم وبیش انہی الفاظ میں امام احمدؒ نے بھی یعقوب ان کے والد محمد بن اسحٰق، یزید بن عبداللہ بن قسیط، قعقاع بن عبداللہ بن ابی حدرد اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کی ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر نے زیاد بن ضمیرہ بن سعد الضمری سے سن کر بیان کیا اور بتایا کہ زیاد نے عروہ بن زبیرؓ ان کے والد اور دادا سے سنا کہ آخر الذکر دونوں باپ بیٹے غزوۂ حنین میں شریک تھے جب وہاں آنحضرت ﷺ نے نماز ظہر ایک درخت کے سائے میں ادا فرمائی اور پھر اسی کے نیچے تشریف فرما ہوئے۔ اسی وقت آپؐ کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر عیینہ بن بدر نے جو عامر بن اضبط اشجعی کے قبیلے کے سردار تھے آپؐ سے عامر کا خون بہا طلب کیا۔ اس پر جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ کے حکم سے انہیں پچاس اونٹوں کی اسی وقت پیشکش کی اور ان سے کہا کہ پچاس اونٹ مدینے واپسی پر انہیں بھیج دیئے جائیں گے۔ اس پیشکش پر عیینہ بن بدر بولے:

''میں عامر کا خون بہا کبھی طلب نہ کرتا اگر اس کی بیوی کا انتہائی حزن وملال کسی اور طرح دور کر سکتا''۔

اس کے بعد عامر بن اضبط کے قبیلے کے ایک کوتاہ قامت شخص نے اٹھ کر کہا:

''مجھے عامر کے دعوئ اسلام اور اس پر فخر کے سلسلے میں نہ آج کوئی شبہ ہے اور نہ آئندہ کبھی ہوگا''۔

اس روایت میں مزید بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت ایک اور کریم شخص نے جس کا سانس اس کی [illegible] کی وجہ سے اس کے سینے میں سمانا مشکل ہو رہا تھا تیوریاں چڑھا کر کہا:

''ہم عامر کا خون تم کو بھی معاف نہیں کریں گے'' یہ بات اس نے تین بار کہی۔

بہر کیف جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا:

''اگر تم لوگوں کو پچاس اونٹ عامر کے خونبہا کے طور پر ابھی دے دیئے جائیں اور پچاس مدینے سے وہاں واپسی پر بھیج دیئے جائیں تو کیا وہ تمہارے لیے قابل قبول نہیں ہیں؟''۔

آنحضرت ﷺ کی زبان سے یہ سن کر عامر کے اہل قبیلہ نے جیسا کہ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے ملحم بن جثامہ کو عامر کا خون معاف کر دیا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے سالم ابوالنضر نے بیان کیا کہ عامر کے قبیلے والے اس کا خون بہا لینے پر راضی نہ تھے لیکن جب انہیں اقرع بن حابس نے تخلیے میں لے جا کر کہا:

''کیا تم لوگ اللہ کے رسول سے عامر کا خون بہا طلب کر رہے ہو اور وہ دنیا بھی چاہتے ہیں تو تم مانتے نہیں جب کہ آنحضرت ﷺ لوگوں میں اس طرح صلح صفائی کرانا چاہتے ہیں۔ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ رسول اللہ ﷺ تم سے ناراض ہو کر تم پر لعنت بھیجیں اور اس کی وجہ سے خدا بھی تم سے ناراض ہو اور تم پر لعنت بھیجے؟ اس کے علاوہ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ بنی تمیم کے پچاس افراد یہ گواہی دیں کہ عامر درحقیقت کافر تھا''۔

ابن اسحٰق مذکورہ بالا حوالے ہی سے کہتے ہیں کہ اقرع بن حابس کا آخری سوال سن کر عامر کے اہل قبیلہ بہت سٹپٹائے اور اس کا خون بہا لینے پر راضی ہو گئے۔

مشہور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ملحم سے مذکورہ بالا ناخوش گوار واقعہ پر باز پرس فرمائی تو اس نے جواب دیا کہ اس نے عامر کو قتل کرنے سے پہلے اسے اسلام کی دعوت دی تھی لیکن اس کے انکار پر اسے قتل کرنا پڑا۔ تاہم ملحم اپنی وفات تک ہمیشہ کرب میں مبتلا رہا اور جب اس کا انتقال ہوا اور اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا اور جب ایسا کئی بار ہوا تو اسے ایک پہاڑی گڑھے میں ڈال کر اس پر وزنی پتھر رکھ دیئے گئے۔

جب آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ خاک نے خود کثیف ہونے کے باوجود اسے قبول نہیں کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا جسم خاک سے بھی اپنے شر کی وجہ سے زیادہ کثیف تھا۔

ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ نے ملحم کی تدفین کا واقعہ سن کر ارشاد فرمایا:

''خاک اگرچہ کثیف سے کثیف جسم کو قبول کر لیتی ہے لیکن ملحم کی لاش کو اس نے قبول نہیں کیا اور بار بار باہر پھینکی' اس کی وجہ اسے تم لوگوں کے لیے درس عبرت بنانا تھا۔ بہر حال مندرجہ بالا آیہ شریفہ کی شان نزول اور اس کی تفسیر ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اپنی ''کتاب التفسیر'' میں پیش کریں گے''

عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کی مہم

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں کچھ مجاہدین کا ایک عسکری دستہ دے کر انہیں ایک غزواتی مہم پر روانہ فرماتے وقت ان کے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے سربراہ کی قطعاً حکم عدولی نہ کرے بلکہ اس کے ہر حکم کی فوراً تعمیل کی جائے لیکن راستے میں عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ ان کے ماتحت فوجی دستے کا ہر فرد من مانی کرنے پر تلا ہوا ہے۔

اس صورتِ حال پر غور کرنے کے بعد عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر وہی صورت حال قائم رہی تو جس غزواتی مہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھیجا ہے اس میں سرخروئی حاصل ہونے کی بجائے یقیناً ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

چنانچہ عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے یہ ترکیب نکالی کہ انہوں نے اپنے ماتحت فوجی دستے کو راستے میں ایک جگہ ٹھہرا کر اسے حکم دیا کہ ان میں سے ہر شخص اِدھر اُدھر سے سوکھی لکڑیاں اکٹھی کر کے لائے۔ جب لکڑیاں لا لا کر ایک جگہ جمع کر دی گئیں تو عبداللہ نے اپنے ماتحتوں کو دوسرا حکم یہ دیا کہ ان لکڑیوں کو آگ لگائی جائے۔ جب ان لکڑیوں سے شعلے اُٹھنے لگے تو عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا تیسرا حکم یہ تھا کہ ان کے اس فوجی دستے کا ہر شخص باری باری سے اس آگ میں داخل ہو۔

عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے اس حکم پر ان کے اس فوجی دستے کا ہر فرد ہچکچا کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگا۔

یہ دیکھ کر عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ غصے سے بولے:

''اب تم ایک دوسرے کے منہ کیا دیکھ رہے ہو' کیا تمہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم نہیں دیا تھا کہ تم میرے ہر حکم کی تعمیل کرو گے؟''۔

عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فوجی دستے کے ہر فرد سے یہی سوال باری باری کیا اور جب اس نے ان کے اس سوال کا جواب سر جھکا کر اثبات میں دیا تو اس وقفے میں عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا صرف غصہ ہی فرو نہیں ہوا بلکہ وہ لکڑیاں بھی جل بجھ کر راکھ ہو گئیں اور یہ دیکھ کر عبداللہ بھی مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

جب عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا مہم سر کرنے کے بعد واپس مدینے پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو آپؐ نے اس عسکری دستے کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اگر تم لوگ عبداللہ کے اس آخری حکم پر اس بھڑکتی آگ میں داخل ہو بھی جاتے تو اپنے پچھلے باغیانہ خیالات کی بدولت سزا کے طور پر اس سے کبھی زندہ نہ نکل سکتے''۔ (حدیث نبوی کا تشریحی ترجمہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عمرۃ القضاء

سہیلی نے اس عمرۃ القضیہ کو حدیبیہ کے قضا شدہ عمرہ کی پہلی تلافی کے طور پر بیان کیا ہے جس کے بعد دوسری اور مکمل تلافی آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے فتح مکہ کی صورت میں حاصل ہوئی۔

بہر کیف یہ عمرہ وہ ہے جس کے لیے قریش نے آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مکے میں داخلے کی یہ شرط رکھی تھی کہ ان میں سے کوئی شخص مسلح نہ ہو اور تین روز سے زیادہ وہاں قیام نہ کرے۔

یہ وہی عمرۂ مذکور ہے جس کے قضا ہونے پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مندرجہ ذیل آیہ شریفہ میں آئندہ فتح مکہ کا مژدہ سنایا تھا:

﴿ لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوۡلَهُ الرُّءۡيَا بِالۡحَقِّ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ .... الخ ﴾

اس آیہ شریفہ کی مفصل تفسیر ہم نے اپنی کتاب التفسیر میں پیش کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے اس تسلی آمیز ارشاد پر بھی کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت بیت اللہ میں عنقریب داخل ہو کر اس کا طواف کریں گے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ (مؤلف)

یہ عمرہ رسول اللہ ﷺ کے اس رویائے صادقہ کی تعبیر تھا جو آپؐ نے طلوع سحر کی طرح ملاحظہ فرمایا تھا اور جس کا ذکر واقعہ حدیبیہ کے ساتھ پہلے ہو چکا ہے۔

ابن اسحق بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر سے مدینے میں واپس تشریف لا کر وہاں سات مہینے یعنی پورے ربیع الثانی سے لے کر جمادی الاوّل، جمادی الثانی یا جمادی الآخر رجب، شعبان، رمضان اور شوال تک وہاں قیام فرمایا اور اس دوران میں آپؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف غزواتی مہمات پر روانہ فرمایا اور اس کے بعد ماہ ذیقعدہ میں مشرکین کے صدر مقام مکے کی طرف روانگی کا قصد فرمایا جب قریش مکہ کے ساتھ آپؐ کے وہاں داخل ہونے اور عمرہ ادا کرنے کا ایک باہمی معاہدے کی رو سے وقت آ گیا تھا۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر سے واپسی اور چند غزواتی مہمات سے فارغ ہو کر ماہ ذیقعدہ میں عمرۂ قضاء کے لیے جسے ارشاد ربانی ''والحرمات قصاص'' الخ کے مطابق عمرۂ قصاص بھی کہا جاتا ہے مکے کا قصد فرمایا تھا اور اس دفعہ آپؐ نے مدینے کی نگرانی کے لیے عویف بن اضبط دئلی کو مقرر فرمایا تھا۔

ابن ہشام مزید بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مکے میں داخل ہوئے تو ماہ ذیقعدہ سال ششم ہجری کا آخری دن

تھا لیکن چونکہ اس وقت ماہ محرم الحرام سال ہفتم ہجری کا چاند نظر آ چکا تھا اس لیے تاریخی لحاظ سے مکے میں آپؐ کے داخلے کو سال ہفتم ہجری کا واقعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

عمرۃ القضاء یا عمرۃ قصاص کے سلسلے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان سے ابن ہشام کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ معتمر بن سلیمان ''مغازیہ'' میں اپنے والد کے بیان کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر سے واپسی اور چند غزواتی مہمات سے فراغت کے بعد (ان مہمات کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) مدینے میں کچھ عرصہ قیام فرما کر لوگوں کو مکے کے سفر کی تیاری کا حکم دیا اور پھر آپؐ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس طرف روانہ ہو گئے۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ساتھ معاہدے کی رو سے صلح حدیبیہ کے تیسرے سال مکے میں داخل ہوئے اور قطار در قطار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیت اللہ کی طرف جانے لگے تو قریش مکہ آپ کو اور انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے خصوصاً عمرہ کے لیے آپؐ کے اشتیاق اور جد و جہد کو دیکھ کر عش عش کرنے لگے۔

ابن اسحق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی مزید بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار الندوہ سے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صفیں باندھ کر نظم و ضبط کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دے کر خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور مقام استیلام پر پہنچ کر حجر اسود کا تین بار طواف کیا جسے کچھ متعصب قریش نے آپ کا آخری عمرہ یا حجۃ الوداع سے تعبیر کیا تھا حالانکہ حجۃ الوداع اس کے بہت بعد کا واقعہ ہے جو فتح مکہ کے بعد ہوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکنین کے درمیان اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ری کا حکم دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ کنکریاں پھینکنے میں قوت کا مظاہرہ کریں تاکہ قریش کو ان کی قوت کا اندازہ ہو جائے۔ ویسے قریش مکے میں آپ کی صف بندی اور نظم و ضبط کے مظاہرے ہی سے آپس میں کہنے لگے تھے کہ ''یہ لوگ مکے پر مدینے کی اہمیت و فوقیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں''۔

مسلمؒ ابی ربیع زہرانی اور حماد بن زید کے حوالے سے بیان کرتے ہیں اور یہ واقعہ بیہقی نے بھی حماد بن سلمہ کے حوالے سے نیز بخاریؒ نے علی بن عبداللہ، سفیان، اسماعیل بن ابی خالد کے حوالے سے ابن ابی اوفی کی زبانی بیان کیا ہے کہ اس عمرہ کے لیے مکے میں داخلے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو مشرکین کے نوجوانوں اور ان لوگوں سے بچا بچا چل رہے تھے جنہوں نے آپ کو ہجرت سے قبل ایذا رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور مکے میں داخلے سے لے کر بیت اللہ پہنچنے تک عبداللہ بن رواحہ نے آپؐ کے اونٹ کی خطام تھام رکھی تھی۔ اس واقعے کی تائید عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی کی ہے۔

یونس بن بکیر نے ہشام بن سعد اور زید بن اسلم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمرہ کے موقع پر بیت اللہ کا طواف اونٹ پر سوار رہتے ہوئے اور حجر اسود کا طواف پیادہ پا فرمایا تھا اور یہ کہ جب آپؐ اونٹ پر سوار رہتے ہوئے بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے تو اس وقت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپؐ کے اونٹ کی رسی پکڑے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے

بسم اللّٰہ الذی لا دین الا دینہ بسم الذی محمد رسولہ

خلو بنی الکفار عن سبیلہ

ترجمہ: ''اللہ کے نام سے جس کے دین کے سوا کوئی دین نہیں اس کے نام سے محمد جس کے رسول ہیں۔ ابنائے کفار آپؐ کے راستے سے ہٹ جاؤ''۔

موسیٰ بن عقبہ زہری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ صلح حدیبیہ کے مطابق ٹھیک تین سال بعد عمرۃ القضاء کے لیے مکے تشریف لے گئے تھے اور جب آپؐ ارکان عمرہ کی ادائیگی کے لیے بیت اللہ کی طرف تشریف لیے جا رہے تھے تو مکے کے جو نوجوان آپ کی سواری کے سامنے آ جاتے تھے انہیں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جو آپؐ کے اونٹ کی رسی تھامے آگے آگے چل رہے تھے۔ آپؐ کے راستے سے ہٹنے کی بار بار ہدایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی نبوت کی شہادت پر مبنی اشعار پڑھتے جاتے تھے جن میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ آپ کا اس شان سے مکے میں داخلہ آپ کی صداقت نبوت کا مدلل ثبوت ہے حالانکہ اس وقت نہ آپ مسلح تھے اور نہ آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار تھا۔ تاہم مکے کے مشرکین جو اپنی قوم کے معزز ترین لوگ سمجھے جاتے تھے آپ کو تیوریاں چڑھا چڑھا کر اور غصے ہی سے نہیں بڑے رشک وحسد سے دیکھ رہے تھے اور وہی کیا بلکہ مکے کے تمام بوڑھے بچے، مرد، عورتیں آنحضرت کو دیکھنے کے لیے جوق در جوق اُمڈے چلے آ رہے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے عمرہ سے فارغ ہو کر جعفر بن ابی طالب کو میمونہ بنت حارث العامریہ کے پاس ان کی خیر و عافیت معلوم کرنے کے لیے بھیجا جنہیں آپؐ نے جناب عباس رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں چھوڑا ہوا تھا اور جن سے بعد میں انہوں نے آپ کی شادی کی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے مکے میں تین شب و روز قیام فرمایا اور جب چوتھے روز صبح کے وقت آپ کو وہاں سے واپس مدینے روانہ ہونا تھا تو آپ کے پاس سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ آئے۔ آپؐ اس وقت انصار کی مجلس میں بیٹھے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو میں مصروف تھے۔ حویطب بن عبدالعزیٰ نے بیٹھتے ہی کہا:

''صلح نامے کی رو سے آپ کو مکے میں تین روز قیام کرنا تھا اور اب آپ عمرہ سے بھی فارغ ہو چکے اور تین روز کی مدت بھی ختم ہو چکی۔ لہٰذا ہمیں آپ کی یہاں سے روانگی کا شدت سے انتظار ہے کیونکہ یہ سرزمین ہماری ہے اور ہم یہاں کسی اور کو زیادہ قیام کی اجازت نہیں دے سکتے''۔

حویطب بن عبدالعزیٰ کی زبان سے یہ سن کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے برجستہ کہا:

''یہ سرزمین نہ تمہاری ماں کو وراثت میں ملی ہے نہ تمہارے باپ کو لہٰذا اس پر......''۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ابھی کچھ اور کہنے والے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں روک دیا اور اسی وقت بلا تاخیر مکے سے واپس روانگی کا حکم دے دیا لیکن ساتھ ہی آپؐ نے سہیل اور حویطب کو مخاطب کر کے فرمایا:

''یہاں ایک عورت مجھ سے نکاح پر راضی ہے، میں چاہتا تھا کہ اس سے یہیں شادی کر لوں جس کے بعد ہم اور آپ لوگ

ایک ساتھ کھانے میں شریک ہوں''۔

لیکن ان دونوں نے یک زبان ہو کر کہا:

''ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہمیں یہاں سے آپ کی روانگی کا فوری طور پر شدت سے انتظار ہے''۔

چنانچہ آپؐ نے جناب عباس رضی اللہ عنہ کے مکان پر کسی کو بھیج کر ان سے کہلا بھیجا کہ اگر میمونہ مدینے جانا چاہیں تو فوراً آپ کی قیام گاہ پر آ جائیں۔ چنانچہ وہ جناب عباس رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر بلاتوقف اس شخص کے ساتھ آپ کی قیام گاہ پر پہنچ گئیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکے سے روانہ ہونے لگے تو آپؐ نے ابورافع کو حکم دیا کہ وہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا سامان جناب عباس رضی اللہ عنہ کے مکان سے لے آئیں اور انہیں ناقے پر سوار کر کے آپ کے پیچھے پیچھے آ جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے روانہ ہو کر پہلے سرف میں قیام فرمایا جہاں ابورافع بھی میمونہ رضی اللہ عنہا کے ناقے کی مہار تھامے پہنچ گئے اور وہیں آپؐ نے میمونہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لے کر انہیں حق مہر میں چار سو درہم ادا کر دیئے لیکن میمونہ رضی اللہ عنہا کی قسمت میں ام المومنین کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ رہنا زیادہ عرصے تک نہیں تھا کیونکہ وہ کچھ عرصہ بعد ہی وفات پا گئیں۔

واقدی کا بیان ہے کہ مکے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران قیام میں متعدد مشرکین مکہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی تزویج کا مسئلہ

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے آبان بن صالح اور عبداللہ بن ابی نجیح نے عطا و مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے میمونہ رضی اللہ عنہا کو مکے سے مدینے کی طرف واپس ہوتے ہوئے سفر کے دوران میں اپنی زوجیت میں لیا تو بعض لوگوں کو گمان ہوا کہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی اس وقت ناجائز تھی کیونکہ ان کے خیال میں میمونہ رضی اللہ عنہا اس وقت تک عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی منکوحہ تھیں لیکن ان کا یہ خیال غلط فہمی پر مبنی تھا اور ابن ہشام کے بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن دونوں میں سے کسی ایک سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن میمونہ رضی اللہ عنہا چاہتی تھیں کہ پہلے ان کی بہن کی شادی ہو جائے اس لیے یہ مسئلہ اس وقت تک معلق رہا جب تک آنحضرت ﷺ مکے تشریف لائے اور انہوں نے جناب عباس رضی اللہ عنہ کو جوان دونوں بہنوں کے محرم تھے میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا پیغام دیا جو انہوں نے میمونہ رضی اللہ عنہا کی رائے لینے کے بعد قبول کر لیا۔ اور اس طرح ان کی بہن سے پہلے آنحضرت ﷺ سے میمونہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ میمونہ رضی اللہ عنہا کو جناب عباس رضی اللہ عنہ کی منکوحہ سمجھ رہے تھے اس حقیقت سے ناواقف تھے۔

بخاریؒ ایوب کی زبانی عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میمونہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آنے سے قبل کنواری تھیں اس لیے آپ کا ان سے نکاح کسی صورت سے ناجائز نہیں ٹھہرایا جا سکتا بلکہ از روئے شریعت قطعاً جائز تھا۔ تاہم ان کی وفات آنحضرت ﷺ کے دوران سفر سرف ہی میں ہوگئی تھی۔

بیہقی اور دارقطنی نے بھی ابو الاسود مطر الوراق، عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا ماہِ محرم تک جب وہ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آئیں کنواری تھیں:

﴿ وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ .... الخ ﴾

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ مشرکین مکہ کے ساتھ اس صلح نامے کے مطابق جو حدیبیہ میں ہوا تھا مکے میں قضائے عمرہ سے فارغ ہو کر ماہ ذوالحجہ میں مدینے واپس تشریف لائے تو فریضہ حج ادا نہ کرنے کے باوجود مطمئن تھے کیونکہ اس سے قبل صلح حدیبیہ کے موقع ہی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ بشارت مل چکی تھی:

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ .... الخ ﴾

مندرجہ بالا آیت میں "فَتْحًا قَرِيْبًا" اور "مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ" سے مراد صریحاً فتح خیبر ہے جو آنحضرت ﷺ کو صلح حدیبیہ کے بعد مستقبل قریب میں حاصل ہوئی۔

فصل:

سال ہفتم ہجری کی باقیماندہ مہمات

بنی سلیم کی طرف ابن ابی العوجاء سلمی کی مہم:

بیہقی نے بنی سلیم کے خلاف ابن ابی العوجاء کی مہم کا ذکر کرتے ہوئے اس کے سلسلے میں بطور سند واقدی' محمد بن عبداللہ بن مسلم اور زہری کے حوالے پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ عمرۃ القضیہ (جس کے بارے میں مشرکین مکہ سے بحث چھڑ گئی تھی) کی ادائیگی کے بعد ماہ ذی الحجہ سال ہفتم ہجری میں مدینے واپس آئے تو آپؐ نے بنی سلیم کے خلاف ابن ابی العوجاء کو پچاس مجاہدین کے ساتھ مہم پر روانہ فرمایا لیکن جب وہ بنی سلیم کے علاقے کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کثیر تعداد میں اپنی قوم کے جنگجو جمع کر کے ان کے مقابلے کی تیاری کر رکھی ہے۔

بہرکیف ابن ابی العوجاء جب وہاں پہنچے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے ان کی پوری بات سنے بغیر ان پر اور ان کے ساتھی مجاہدین پر تیراندازی شروع کر دی۔ تاہم مجاہدین نے انہیں چاروں طرف سے محاصرے میں لے کر ان سے دست بدست سخت جنگ کی جس میں ان کے لوگ کثرت سے قتل ہوئے لیکن مجاہدین میں بھی شہداء کی تعداد کچھ کم نہ تھی بلکہ اس جنگ میں خود ابن ابی العوجاء سلمی کے متعدد شدید زخم آئے اور وہ اسی حالت میں بمشکل اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ سال ہشتم ہجری کے ماہ صفر کی پہلی تاریخ کو مدینے پہنچے۔ البتہ واقدی مدینے میں ان کی واپسی ماہ ذالحجہ سال ہفتم ہجری ہی میں بیان کرتے ہیں۔

اسی سال یعنی سال ہفتم ہجری ہی میں آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا ان کے شوہر ابی العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے حوالے کی تھی جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

سال ہفتم ہجری کے دوران میں حاطب بن بلتعہ مقوقس کے پاس سے لوٹے تھے اور ان کے ساتھ ماریہ (قبطیہ) اور سیرین بھی تھے جو دونوں راستے ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔

واقدی کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں منبر رسول ﷺ کی دوسری سیڑھی سال ہفتم ہجری ہی میں مکمل ہو گئی تھی لیکن آپؐ نے اس کا استعمال آغاز سال ہشتم ہجری میں فرمایا۔

سال ہشتم ہجری کے واقعات

عمرو بن عاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کا قبول اسلام:

عمرۃ القضا کے ذکر کے بعد سال پنجم ہجری سے تا سال ہفتم واقعات کا سلسلہ ملاتے ہوئے مضافات خیبر میں پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں ابو رافع یہودی کے قتل کے ساتھ واقدی کی طرح حافظ بیہقی نے بھی عبدالحمید بن جعفر اور ان کے والد کے حوالے سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد سے لے کر ان کے قبول اسلام تک پیش آنے والے واقعات بیان کیے ہیں جنہیں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''جب سے قریش میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی نبوت کا اعلان کیا میں اسی وقت سے اسلام کا مخالف تھا اور داعی نبوت کے ساتھ میری روش ہمیشہ معاندانہ رہی۔ میں بدر اور احد میں بھی مشرکین قریش کے ساتھ تھا لیکن صلح حدیبیہ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اگرچہ میری دولت میں اضافہ ہو رہا ہے لیکن لوگوں پر میرا اثر کم ہوتا جا رہا ہے اور وہ روز بروز میرا ساتھ چھوڑتے جا رہے ہیں۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ اگر اب کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکے کا رُخ کیا تو وہ اس کے ساتھ طائف کو بھی روند ڈالیں گے اس لیے میں نے اس سے قبل مکے سے فرار ہی کو غنیمت جانا اور وہاں سے حبشہ چلے جانے کو وہ موقع بہترین سمجھا جہاں مجھے نجاشی سے امداد و مراعات کی کافی توقع تھی اور اسلام سے چھٹکارا پالینا بھی کچھ مشکل نہ تھا۔ میں نے سوچا کہ مکے میں رہ کر اگر میں مسلمان بھی ہو جاؤں تو قریش مکہ تو ہرگز مسلمان نہ ہوں گے بلکہ الٹا میرے جانی دشمن ہو جائیں گے اس لیے میں نے اپنے پہلے فیصلے ہی کو اپنے حق میں بہترین فیصلہ سمجھا اور حبشہ چلا گیا''۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنا یہ بیان جاری رکھتے ہوئے مزید کہتے ہیں:

''میں نے مکے سے حبشہ کی طرف روانگی سے قبل اپنی جان پہچان کے قریبی لوگوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے نہ صرف میری رائے کو صائب تسلیم کیا بلکہ میرے اس فیصلے کو بہترین فیصلہ مان کر کثیر تعداد میں میرے ہمراہ چلنے پر تیار ہو کر میرے ساتھ ہو لیے لیکن جب میں حبشہ پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ مجھ سے پہلے عمرو بن امیہ ضمری [1] مجھ سے پہلے ہی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خط کے ساتھ نجاشی کی خدمت میں باریاب ہو چکے ہیں۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو اپنے اس خط میں دعوتِ اسلام دی تھی''۔

---

[1] اصل کتاب میں یہی ہے لیکن ابن ہشام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قاصد کا نام جعفر بن ابی طالب بتایا ہے۔ (مؤلف)

''بہر کیف جب میں نجاشی کے دربار میں داخل ہوا اس وقت عمرو بن امیہ ضمری وہاں سے نکل رہے تھے۔ میں نے نجاشی کے سامنے پہنچ کر حسب دستور پہلے اسے سجدہ کیا اور پھر وہ تحائف جو میں اس کے لیے لایا تھا پیش کیے اور اس نے مجھے خوش آمدید کہا لیکن جب میں نے اس سے کہا کہ ''ابھی جو شخص آپ کے دربار سے نکل کر گیا ہے وہ اس مدعی نبوت کا قاصد تھا جو ہم قریش مکہ کا بدترین دشمن ہے اور ہمیں کافر کہتا ہے اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے تو نجاشی نے اپنی نشست سے اٹھ کر میرے منہ پر ایسا مکا رسید کیا کہ میری ناک سے خون جاری ہو گیا اور میں سمجھا کہ میری ناک یقیناً ٹوٹ گئی ہے''۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آگے چل کر کہتے ہیں:

''بہر حال جب میرے ہوش و حواس کچھ درست ہوئے تو میں نے نجاشی سے کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ میں نے آپ سے عرض کیا وہ آپ کو ناگوار گزرا ہے''۔ اس کا جواب نجاشی نے یہ دیا کہ ''جس بزرگ ہستی کے قاصد کو تو مدعی نبوت کہتا ہے اور اس کے قاصد کو تو نے مجھ سے قتل کرنے کی درخواست کی ہے وہ خدا کا سچا نبی ہے اور جو کلام اس پر خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے وہ وہی کلام اور ناموس اکبر ہے جو پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا رہا''۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آگے چل کر بیان کرتے ہیں:

''نجاشی کی زبان سے یہ سن کر میں خوف زدہ ہو گیا اور مجھے اپنی موت قریب نظر آنے لگی۔ تاہم میں نے ڈرتے ڈرتے اس سے کہا:

''جناب والا! میں معافی کا طلب گار ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسلام قبول کر لیا ہے''۔

اس پر نجاشی نے کہا:

''تو نے درست سمجھا' میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسلام کے لیے ان کے قاصد کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے اپنے نامہ مبارک میں اسی کی دعوت دی تھی''۔ نجاشی کی بات میرے دل میں اُتر گئی۔ چنانچہ میں نے اس کے ہاتھ پر اسلام کے لیے بیعت کر لی۔ اس پر اس نے خوش ہو کر مجھے نیا لباس دیا جسے میں نے اپنے خون آلودہ کپڑے اتار کر اور وہیں غسل کر کے پہن لیا اور نجاشی کو سلام کر کے وہاں سے چلا آیا''۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''ظاہر ہے کہ اس کے بعد میرے پاس نجاشی سے کہنے کے لیے رہ ہی کیا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے دربار سے اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر سفر کی تیاری شروع کر دی۔ میرے ساتھی میرے نئے اور زرق برق لباس کو دیکھ کر پہلے تو بہت خوش ہوئے لیکن جب میں نے انہیں سارا حال سنایا تو وہ بھی دنگ رہ گئے۔ تاہم میرے سمجھانے بجھانے پر اسلام قبول کرنے پر تیار ہو گئے''۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آگے بیان کرتے ہیں:

''میں نے حبشہ سے واپسی پر مکہ جانے کی بجائے سیدھا مدینے کا رخ کیا لیکن جب کشتی سے ساحل سمندر پر اتر کر اونٹ پر بیٹھا اور ظہران پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہاں راستے سے ہٹ کر ایک خیمہ لگا ہوا ہے اور اس کے باہر ایک شخص کھڑا ہوا دو اونٹوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ جب میں اس خیمے کے نزدیک پہنچا تو اس کے اندر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میں نے ان سے پوچھا: ''آپ یہاں کیسے آ گئے اور یہاں سے اب کہاں کا قصد ہے؟'' وہ بولے: ''میں مدینے جا رہا ہوں اور تم؟'' میں نے کہا: ''میں بھی مدینے ہی جا رہا ہوں'' انہوں نے پوچھا: ''کیوں؟'' خالد چونکہ میرے پرانے دوست تھے اس لیے میں نے ان سے یہ راز پوشیدہ رکھنا مناسب نہیں سمجھا کہ میں پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر براہ راست بیعت کرنے مدینے جا رہا ہوں اس لیے میں نے انہیں اوّل سے آخر تک اپنی ساری داستان سنا دی''۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں کہ ان کی زبان سے سارا قصہ سن کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان سے لپٹ گئے اور انہیں بتایا کہ ویسے تو وہ بھی دل سے اسلام کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و نبوت پر ایمان لا چکے تھے لیکن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرح وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کرنے اور آپؐ کے دست مبارک پر انہی کی طرح براہ راست بیعت کے لیے مدینے جا رہے تھے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آگے بیان کرتے ہیں:

''خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سن کر کہ وہ بھی میری طرح اسلام کی حقانیت کے قائل ہو چکے ہیں میری خوشی کی بھی کوئی حد نہ رہی اور پھر ہم دونوں ہم سفر ہو کر مدینے پہنچے۔ مدینے پہنچ کر ہمیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے ہیں تو ہم سیدھے وہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ہمیں دیکھ کر پہلے تو آپؐ نے تبسم فرمایا اور پھر ہمارے مدینے آنے کا مقصد دریافت فرمایا جو ہم نے صاف صاف بیان کر دیا جسے سن کر آپؐ نے اظہار مسرت فرمایا''۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آگے کہتے ہیں:

''جب ہم دونوں اور ہمارے ساتھ آنے والے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ جنہیں میں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینے کے راستے میں دیکھا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ پا کر آپؐ کے سامنے مؤدب بیٹھ گئے تو سب سے پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی اس کے بعد عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے اور آخر میں میں نے ان الفاظ کے ساتھ آپ کے دست مبارک پر بیعت کی کہ ''میں اپنے پچھلے گناہوں پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کر کے اور آئندہ زندگی میں نیک عملی کا عہد کر کے آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے داخل اسلام ہوتا ہوں''۔ اس کے بعد میں نے خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما کی طرح زبان سے اقرار بھی کیا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آخر میں کہتے ہیں:

''ہمارے قبول اسلام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ہم تینوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اظہار مسرت کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے رنجیدہ اور آزردہ کہ ان کے معتوب تھے لیکن ان کے داخل اسلام ہو جانے کے بعد وہ بھی ان سے بغلگیر ہو کر ملے''۔

واقدی نے کئی مستند حوالوں سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شدید محبت کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد خلافت سے ملوکیت کی طرف اور امیر وقت سے ان کے ربط وضبط کے باوجود ان کی وفات پر اکثر لوگوں نے اظہار افسوس کیا تھا۔

خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی اسلام کی طرف تدریجی رغبت

واقدی کہتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن مغیرہ بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام نے بیان کیا کہ ان کے والد نے خود خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کی اسلام سے لگاؤ کی ابتدا اور اس کے بعد تدریجی رغبت کے بارے میں جو کچھ سن کر انہیں یعنی یحییٰ بن مغیرہ کو بتایا وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہی کے الفاظ میں یہ ہے:

''جب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت فرمانا چاہی تو میرے دل میں نیکی ڈالی اور اسلام کا رجحان پیدا فرمایا۔ تاہم مجھے یقین ہوگیا کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کا فیضان تھا۔ بہرکیف اس کے اسباب یہ ہوئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حدیبیہ تشریف لائے تو میں بھی دوسرے مشرکین مکہ کے ساتھ آپؐ سے ملاقات کے لیے عسفان آیا اور وہاں آپ کی مجلس میں اعتراضات کا سلسلہ شروع کرنے کے لیے کھڑا ہوا ہی تھا کہ ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا جو آپؐ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ادا فرمائی۔ اور پھر حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا گیا تو میرے لیے کچھ کہنے کو باقی ہی نہ رہا۔ پھر جب آپؐ اس صلح نامہ کے مطابق عمرۃ القضاء کی ادائیگی کے لیے مکے میں جس انداز سے داخل ہوئے تو میں نے اس کے نظارے سے عمداً احتراز کیا اور میں یہودیوں یا نصرانیوں کے مذہب میں شمولیت کے بارے میں سوچنے لگا اور میرا دل چاہا کہ میں ہرقل کے پاس چلا جاؤں لیکن اسی زمانے میں مجھے اپنے بھائی ولید ابن ولید کا خط ملا کیونکہ جب وہ مکے آپ کے ساتھ عمرۃ القضاء کے سلسلے میں آئے تو ان کے بلانے پر بھی میں ان سے وہاں اپنی غیر حاضری کی وجہ سے نہ مل سکا تھا''۔

میرے بھائی کا خط بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوا تھا جس کے بعد انہوں نے مجھے لکھا تھا:

''مجھے اسلام سے تمہاری پہلوتہی پر تعجب ہے جب کہ تمہاری عقل میں مجھے کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ جب میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تمہارا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے اب تک اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ اسلام سے تمہاری ناواقفیت کے علاوہ اور دوسری کوئی وجہ نہیں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ''خالد رضی اللہ عنہ اگر اسلام قبول کرلیں تو وہ ان کے لیے سراسر خیر و برکت کا باعث ہوگا''۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آگے بیان کرتے ہیں:

''اپنے بھائی کا یہ خط پڑھ کر میرے دل میں اسلام کے لیے ایک کشش سی پیدا ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف میرا دل خود بخود کھنچنے لگا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مشرکین مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ کے موقع پر میں نے آپ کا طرز ایسا مصلحانہ پایا جس میں صرف خیر ہی خیر تھی''۔

خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں:

''اس کے بعد میں نے ایک خواب بھی دیکھا کہ میں کسی تنگ و تاریک جگہ میں ہوں لیکن پھر میں نے اس خواب ہی میں اپنے آپ کو ایک سرسبز و شاداب وسیع جگہ میں پایا۔ اس خواب سے میں فوری طور پر کوئی نتیجہ تو اخذ نہ کرسکا لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا مصمم ارادہ کرلیا''۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بیان کیا:

''مدینے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت سے قبل میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنے خواب کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن جب اس کے بعد میں نے ان سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا تو وہ بولے کہ اس خواب میں میں نے جو تنگ و تاریک جگہ دیکھی تھی وہ کفر کا ظلمت کدہ تھا اور پھر جو وسیع اور سرسبز و شاداب جگہ دیکھی وہ فضائے اسلام تھی''۔

خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے آخر میں بتایا کہ انہوں نے مکے میں صفوان بن امیہ سے کہا تھا کہ وہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر کے مشرف بہ اسلام ہو جائیں تو اس نے کہا تھا کہ اگر سارے قریش مکہ بھی مسلمان ہو جائیں تب بھی وہ اسلام قبول کرنے کا خیال تک دل میں نہیں لاسکتا۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں تو انہیں خیال ہوا کہ چونکہ اس کا بھائی جنگ بدر میں قتل ہوگیا اس لیے اس کی اسلام کی اتنی شدید مخالفت قرین قیاس تھی لیکن جب انہوں نے یہی بات عکرمہ بن ابوجہل سے کہی تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ تاہم انہوں نے عکرمہ سے کہا کہ اس بات کا کسی دوسرے سے ذکر نہ کریں۔

اس کے بعد خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے مکے سے روانگی' راستے میں عمرو بن عاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما سے ملاقات اور پھر تینوں کے مدینے پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے جو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی زبانی پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کا زمانہ ماہِ صفر سال ہشتم ہجری بتایا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی فرق اور امتیاز روا نہیں رکھا۔

شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کی ہوازن کے خلاف مہم

واقدی کہتے ہیں کہ ان سے ابن ابی سبرہ نے عبداللہ بن ابی فروہ اور عمر بن حکم کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو چوبیس افراد پر مشتمل ایک عسکری رسالے کا سربراہ بنا کر ہوازن کی طرف روانہ فرمایا جہاں کچھ لوگوں نے جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑائی کی ٹھان لی تھی اور انہیں حکم دیا تھا کہ ان لوگوں کی اصلاح یا سرکوبی کے بعد ہی واپس آئیں۔ چنانچہ جب شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ جن لوگوں کے بارے میں بغاوت کی اطلاع مدینے میں آئی تھی وہ واقعی آس پاس کی بستیوں میں لوٹ مار اور وہاں کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنے کے لیے جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔

شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ باغیوں کو گھیر کر انہیں ہتھیار ڈالنے اور اسلام قبول کرنے کو کہیں لیکن اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہیں تو انہیں قتل کر دیں یا گرفتار کر لیں۔

واقدی مذکورہ بالا حوالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کی یہ مہم مکمل طور پر کامیاب رہی' ان کے ہاتھ کثیر مال غنیمت آیا' بہت سے باغی گرفتار ہوئے جن میں ان کی عورتیں بھی شامل تھیں۔

شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ نے حسب دستور خمس نکال کر باقی مال غنیمت اپنے ساتھیوں میں تقسیم کیا تو ان میں سے ہر ایک کے حصے میں دوسرے سامان کے علاوہ حصہ رسد بارہ بارہ اونٹ اور ایک ایک کنیز آئی۔ ایک عورت جو باقی رہی اسے شجاع رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے مخصوص کر لیا۔

جب شجاع رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینے واپس آئے تو سارے قیدی برضا و رغبت مسلمان ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کی عورتیں انہیں واپس کر دی گئیں لیکن جس لڑکی کو شجاع رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے مخصوص کیا تھا اس نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور انہی کی خدمت میں رہنے لگی۔

شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سربراہ سے مال غنیمت کی تقسیم کا محاسبہ نہیں کیا کیونکہ آپ کو ان کی عادلانہ تقسیم پر مکمل اعتماد تھا۔

بنی قضاعہ کے خلاف کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی مہم

واقدی کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبداللہ زہری نے بیان کیا کہ سال ہشتم ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بنی قضاعہ کے سرکش قبیلے کی بستی ذات الملاح کی طرف پچیس سواروں کا ایک دستہ دے کر روانہ فرمایا تا کہ انہیں راہِ راست پر لایا جائے۔ چنانچہ کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق پہلے اس سرکش قبیلے کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دی اور ان کے انکار اور بغاوت پر ڈٹے رہنے کے بعد ان سے سخت جنگ کی اور ان کے بہت سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تاہم اس قبیلے کے کافی لوگ میدان چھوڑ کر شام کی سرحد کی طرف بھاگ گئے۔

اس غزواتی مہم میں مسلمانوں میں سے ایک مجاہد شدید طور پر زخمی ہوا جسے کعبؓ نے رات کے وقت اس کی ضروری مرہم پٹی کرانے کے بعد صبح ہوتے ہی اسے اس کے ایک ساتھی کے ساتھ وہاں سے مدینے روانہ کر دیا تا کہ وہاں اس کا مکمل علاج اور تسلی بخش دیکھ بھال کی جائے۔

جب وہ زخمی مجاہد اور اس کا ساتھی مدینے پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زخمی مجاہد کو ایک ماہر معالج کے سپرد فرما کر اس کے ساتھی کو واپس ذات الملاح روانہ فرما دیا اور اس کے ہاتھ کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ شام کی سرحد تک باغیوں کا تعاقب کیا جائے اور انہیں چن چن کر قتل کر دیا جائے یا گرفتار کر کے مدینے لایا جائے۔

غزوۂ موتہ

غزوۂ موتہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی غزواتی مہم جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سرزمین شام کے علاقہ بلقاء کی طرف روانہ فرمایا تھا اور ان کی سرکردگی میں تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر بھیجا تھا۔

محمد بن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ عمرۃ القضیہ کے بعد جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں سال ہشتم ہجری کے ماہ ذالحجہ سے لے کر جس میں مشرکین عرب حج و زیارت خانہ کعبہ کے لیے مکے میں جمع ہوئے تھے ماہ جمادی الاوّل تک قیام فرمانے کے بعد آخر الذکر مہینے کے دوران ہی میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں شام کی سرزمین موتہ کی طرف ایک بھاری لشکر روانہ فرمایا تھا جہاں سے اطلاع ملی تھی کہ وہاں دشمنان اسلام کثیر تعداد میں جمع ہو کر مسلم علاقوں پر قبضہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

جیسا کہ ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تین ہزار مجاہدین پر مشتمل مجاہدین کا ایک لشکر لے کر مدینے سے روانہ ہوئے اور انہوں نے رات کو قیام اور دن کے وقت تیزی سے سفر کرتے ہوئے موتہ ہی میں اپنا آخری پڑاؤ ڈالا تھا۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ مجاہدین کے اس لشکر کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ تھا کہ اگر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دشمن کے ساتھ لڑائی میں شہید ہو جائیں تو ان کے بعد اس لشکر کی کمان جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کریں گے اور اگر خدانخواستہ وہ بھی لڑائی میں کام آ جائیں تو ان کے بعد اس لشکر کی کمان عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہوگی۔

واقدی کہتے ہیں کہ ان سے ربیعہ بن عثمان نے عمرو بن حکم اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آنحضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مذکورہ بالا لشکر موتہ کی طرف روانہ فرما رہے تھے تو اس وقت نعمان ابن فنحص یہودی آپ کی خدمت میں اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ حاضر تھا اور جب آپؐ نے اس لشکر کو یہ حکم دیا کہ اگر خدانخواستہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جائیں تو اس لشکر کی کمان جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کریں اور ان کے بھی شہید ہو جانے کی صورت میں اس لشکر کی سربراہی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کریں۔ پھر اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو اس لشکر کو اختیار ہے کہ وہ اسلامی مجاہدین میں سے جسے چاہیں اتفاق رائے سے اپنا سربراہ مقرر کر لیں تو نعمان ابن فنحص یہودی نے آپؐ سے عرض کیا:

''بنی اسرائیل کے انبیاء اپنے حواریوں کو بالکل اسی طرح احکام دیا کرتے تھے اور آپؐ کے بارے میں اب تک جو کچھ کم و بیش میں نے سنا ہے اس کے مطابق اگر آپ واقعی سچے نبی ہیں تو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اس مہم سے ناکام ہو کر واپس نہیں لوٹیں گے بلکہ آپ کے حکم کی متابعت میں انبیائے بنی اسرائیل کے متبعین کی طرح دشمن کا حتی الامکان مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان دے کر آپ کی نبوت کی صداقت کا ثبوت دیں گے''۔

واقدی کہتے ہیں کہ نعمان ابن فنحص یہودی کی یہ بات سن کر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بولے:

''میں ان شاء اللہ اس مہم میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا اور اگر قضائے الٰہی سے شہید ہو گیا تو میری شہادت رسول اللہ

ﷺ کی صداقتِ نبوت کی دلیل ہوگی''۔

یہ روایت بیہقی نے بھی بیان کی ہے۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ جب اس لشکر کے مدینے سے موتہ کی طرف روانگی کا مقررہ وقت ہوا تو آنحضرت ﷺ کے علاوہ تمام صحابہ ﷺ آپؐ کے مذکورہ بالا تینوں امرائے لشکر کو الوداع کہنے کے لیے جمع ہوئے اور انہیں سلام و دعا کے بعد رخصت کیا لیکن جب عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں سے رخصت ہونے لگے تو خود رو پڑے۔ جب ان لوگوں نے ان سے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگے:

''مجھے نہ دنیا سے محبت ہے اور نہ تم لوگوں کو جن سے میرے قریبی تعلقات ہیں چھوڑنے کا غم ہے بلکہ مجھے اس وقت وہ آیت قرآنی یاد آگئی جو میں نے رسول اللہ ﷺ کو تلاوت فرماتے ہوئے سنی ہے اور جس میں آگ کا ذکر ہے''۔

لوگوں کے دریافت کرنے پر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے انہیں وہ آیت سنائی جو یہ ہے:

﴿ وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴾

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سن کر وہ لوگ بولے:

''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہی تمہیں خیر و عافیت کے ساتھ ہمارے پاس لائے گا''۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کی اپنے لیے دعا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولے:

''میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس کے سامنے سرخرو ہو کر جاؤں''۔ (اشعار کا ترجمہ)

جب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رخصت ہونے کے لیے آنحضرت ﷺ کی طرف مؤدب ہو کر بڑھے تو آپؐ سے انہوں نے اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور اس کے سامنے سرخرو اور نیک نام ہو کر جانے کی دعا فرمانے کی التجا کی۔

ابن اسحق کہتے ہیں کہ اس لشکر کو الوداع کہنے کے لیے آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینے کے باہر تک تشریف لے گئے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرما کر اسے رخصت کیا۔

ابن اسحق مزید بیان کرتے ہیں کہ جب ہرقل کو اس اسلامی لشکر کے موتہ کے نزدیک پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو وہ روم سے اپنی ایک لاکھ فوج کو ساتھ لے کر بلقاء کی طرف برق رفتاری سے چل کر وہاں پہنچا اور شام کی فوجی چھاؤنیوں سے بھی ایک لاکھ مزید فوج جمع کر کے مسلمانوں کے سامنے آکر ڈٹ گیا۔ اس کی فوج میں ایک بڑا مشاق جنگجو اور ماہر حرب و ضرب جرنیل تھا جسے لوگ عموماً مالک بن رافلہ کے نام سے پکارتے تھے۔

جب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بلقاء میں ہرقل کی آمد اور اس کی اس کثیر التعداد فوج کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے معاون امرائے لشکر اور دوسرے لوگوں سے مشورہ کیا کہ آیا کوئی تیز رفتار سوار مدینے بھیج کر اس صورت حال کی آنحضرت ﷺ کو اطلاع کرا کے آپؐ سے کمک طلب کی جائے لیکن ان سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے ہیں تو انہیں دشمن کی کثرت تعداد اور اپنی قلت تعداد کی فکر نہ ہونا چاہیے۔ انہوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مزید کہا کہ اگر اس نے اپنے فضل و کرم سے ان کے اس تعداد کے لحاظ سے قلیل لشکر کو ہرقل کے اس بھاری لشکر کے مقابلے میں فتح سے ہمکنار کیا تو اس

کا شکر بجا لائیں گے اور اگر ان کی قسمت میں شہادت لکھی ہے تو ان کے لیے اس سے بڑھ کر اور دوسری کون سی نعمت ہو سکتی ہے جس کا انہیں اشتیاق ہوگا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی کہ ہرقل اپنے دو لاکھ افراد پر مشتمل بھاری لشکر کے ساتھ شہر بلقاء کے ایک نزدیکی گاؤں تک جسے شارف کہا جاتا تھا پہنچ چکا تو وہ بھی اپنے تین ہزار افراد پر مشتمل اسلامی لشکر کو لے کر موتہ پہنچ گئے اور اسے وہاں اس طرح صف آرا کیا کہ اس کے میمنہ پر بنی عذرہ کے ایک شخص قطبہ میں قتادہ کو رکھا اور میسرہ انصار کے ایک شخص عبایہ بن مالک کے سپرد کیا۔

واقدی کہتے ہیں کہ انہیں ربیعہ بن عثمان نے المقبری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے اس سے قبل اتنی زرق برق پوشاکیں پہنے اور اتنے چمکیلے ہتھیاروں سے لیس اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہرقل کے اس لشکر کو دیکھ کر تو ان کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ ان کی حیرت کا اندازہ کرتے ہوئے ثابت بن ارقم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''آپ نے دشمن کا اتنا بڑا لشکر اس سے قبل کبھی دیکھا ہے؟''۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''میں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی جب مشرکین مکہ کا ہمارے مقابلے میں کہیں بڑا لشکر وہاں آیا تھا لیکن اتنا بڑا لشکر ہمارے ساتھ بھی پہلے کبھی نہیں تھا جتنا آج ہے اگر تم بدر میں ہمارے ساتھ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ہم اہل اسلام نے دشمن کی کثرت تعداد کی کبھی پرواہ نہیں کی''۔

یہ روایت بیہقی نے بھی کم و بیش انہی الفاظ میں اور انہی حوالوں سے پیش کی ہے۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ موتہ میں جب اسلامی لشکر کا ہرقل کے اس لاکھوں افراد پر مشتمل لشکر سے مقابلہ ہوا تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے دشمن سے لڑائی میں انتہائی شجاعت کا ثبوت دیا۔ وہ کئی بار اپنے لشکر کے قلب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمودہ علم لے کر نکلے اور دشمن کی صفوں پر صفیں چیرتے چلے گئے لیکن آخر کار ہرقل کے آزمودہ کار نیزہ بازوں کے ایک بڑے گروہ میں گھر کر شہید ہو گئے تو ان کا علم جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سنبھالا اور انہوں نے بھی بڑی بہادری کے جوہر دکھائے لیکن تھوڑی دیر میں وہ بھی شہید ہو گئے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ غزوۂ موتہ سے قبل کسی مسلمان کو کسی لڑائی میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے زیادہ زخمی کبھی نہیں دیکھا گیا۔ وہ شہادت سے قبل کئی بار شدید زخمی ہو کر سواری سے گرے لیکن پھر کھڑے ہو کر اسی بہادری کے ساتھ دشمنوں سے لڑنے لگتے تھے اور اسی بہادرانہ انداز میں رجز پڑھتے ہوئے شہید ہوئے۔

ابوداؤد نے اپنے ہاں ابن اسحٰق کے حوالے سے موتہ کی جنگ میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے انداز جنگ کے بارے میں یہی روایت پیش کی ہے لیکن ان کے رجزیہ اشعار نقل نہیں کیے۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ جنگِ موتہ میں جیسا کہ ان سے کئی ثقہ اہل علم نے بیان کیا علم پہلے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے داہنے ہاتھ میں تھا۔ جب وہ کٹ گیا تو انہوں نے اسے اپنے بائیں ہاتھ میں لے لیا اور دوسرا ہاتھ کٹ جانے کے بعد انہوں نے اسے دونوں بازو ملا کر سنبھالا تا آنکہ وہ شہید ہو گئے۔

ابن ہشام کئی حوالوں سے بتاتے ہیں کہ جعفر بن ابی طالب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما سے پہلے شہید ہوئے تھے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسلامی علم بنی عجلان کے بھائی ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ نے اٹھا کر بلند آواز سے کہا تھا:

''مسلمانو! اب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اتفاق رائے سے جسے چاہو اپنا سردار بنا کر یہ علم اسے دے دو''۔

اس کے جواب میں لشکر اسلام نے بالاتفاق خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا سردار بنا کر اسلامی علم انہیں دے دیا تھا۔ اس وقت تک خالد ابن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ نے کسی اسلامی لشکر کی کمان نہیں کی تھی اس لیے وہ ہچکچا رہے تھے لیکن مسلمانوں کے اصرار پر انہیں یہ خدمت قبول کرنا پڑی تھی اور پھر انہی کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مسلمانوں کے اس قلیل لشکر کو ہرقل کے اس انتہائی کثیر التعداد لشکر کے مقابلے میں فتح سے ہمکنار کیا تھا۔

متعدد ثقہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جنگ موتہ میں پہلے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اور آخر میں مسلمانوں کے بے حد اصرار پر خالد ابن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لشکر کی کمان سنبھالی تھی اور اپنے قلیل التعداد لشکر کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہرقل کے کثیر التعداد لشکر کو شکست فاش دی تھی۔

ابن اسحٰق متعدد مستند حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ موتہ میں فتح حاصل کرنے کے بعد جب خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے زیر کمان اسلامی لشکر مدینے واپس پہنچا تو مسلمان اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں نماز جمعہ ادا کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ سے فراغت کے بعد مسلمانوں سے جنگِ موتہ کے کوائف دریافت فرمائے اور جب آپ کو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں بتایا گیا تو آپؐ نے ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی۔ پھر اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی شہادت کا حال سن کر آپؐ نے ان دونوں کے حق میں بھی دعائے مغفرت فرمائی۔ پھر جب آپ کو خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی بے مثال بہادری اور اسلام کے لیے سرفروشی کی حد تک جان بازی کا حال سنا کر ان کے ہاتھوں جنگ موتہ میں دشمن کی حد سے زیادہ کثرت کے باوجود فتح کا مژدہ سنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''سیف من سیوف اللہ'' کہہ کر مخاطب فرمایا اور فتح موتہ کی مبارک دی تھی اور پھر انہیں سیف اللہ کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا جو تاریخ اسلام میں آج تک درج چلا آتا ہے۔

خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے غزوۂ موتہ کے بعد بھی ہر جنگ میں رومی وشامی افواج کے چھکے چھڑائے تھے بلکہ اکثر ان کا صفایا کر دیا تھا۔ عراق میں بھی ان کی فتوحات کچھ کم نہ تھیں۔ نصرانی دنیا ان کے نام سے ایک مدت تک لرزہ براندام رہی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

فصل:

موتہ میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اندوہناک قتل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہارِ ملال

ابن اسحق بیان فرماتے ہیں کہ غزوۂ موتہ میں جس روز جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اسی روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنی گود میں بٹھایا' ان کی پیشانی اور آنکھوں پر بوسے دیئے جب کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے دریافت کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا جعفر رضی اللہ عنہ کے بارے میں موتہ سے کوئی ایسی ویسی خبر آئی ہے جس نے آپ کو اشکبار کر دیا ہے''۔

تو آپؐ نے فرمایا کہ:

''ہاں جعفر آج وہاں شہید ہو گئے لیکن شہادت سے قبل جن اندوہناک حالات سے وہ دوچار ہوئے وہ بڑی غم انگیز ہے''۔

غزوۂ موتہ میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تفصیلات پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ جو حدیث نبوی اس بارے میں متعدد ثقہ راویوں کے حوالے سے جو روایات کتب احادیث میں درج کی گئی ہیں ان سے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ اندوہناک صورتِ حال سے گزر کر شہادت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار ملال کا بین ثبوت ملتا ہے۔ انہی احادیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعد شہادت جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بریدہ بازوؤں کے ساتھ داخل بہشت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے انہیں پرندوں کی طرح دو بازو عطا فرما دیئے جن کے ذریعہ وہ حسب خواہش جنت میں ہر طرف پرندوں ہی کی طرح اڑنے لگے۔

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نام کے آخر میں لفظ طیار کے اضافے کا سبب یہی حدیث نبوی ہے۔

اس سلسلے میں ابن اسحق ایک اور روایت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہیں عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے ام عیسیٰ خزاعیہ' ام جعفر بنت محمد بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور محمد بن جعفر کی دادی اسماء بنت عمیس کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو آپؐ کے پاس لایا جائے اور جب انہیں آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو آپؐ انہیں اپنی گود میں بٹھا کر ان کی آنکھوں کو بوسہ دیتے ہوئے آبدیدہ ہو گئے۔

ابن اسحاق ایک اور روایت میں محمد بن جعفر بن زبیر کی زبانی عروہ بن زبیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب مجاہدین اسلام کا لشکر غزوۂ موتہ میں فتح یابی کے بعد واپس ہو کر مدینے کے نزدیک پہنچا تو آنحضرت ﷺ اس کے استقبال کے لیے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینے سے باہر تشریف لے آئے۔ آپؐ اس وقت سواری پر تشریف فرما تھے اور سب سے آگے تھے جب آپ کو دوسرے امرائے لشکر کی شہادت کے ساتھ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بڑی اندوہناک صورتِ حال سے دو چار ہو کر شہادت کی خبر ملی تو آپؐ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ وہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بچوں کو سنبھالیں جو اپنے باپ کی شہادت کی خبر سن کر بے تاب ہو کر رونے لگے تھے اور پھر فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ کو آپؐ کے پاس لایا جائے اور جب انہیں آپؐ کے پاس لایا گیا تو آپؐ نے ان کی آنکھوں کو بوسہ دیا اور ان کے ساتھ خود بھی آب دیدہ ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ جس بے بسی و بے چارگی کی حالت میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی اس پر آپ کا اظہارِ ملال بالکل فطری تھا۔ آپؐ نے اپنے اہل بیت کو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بچوں کی ہمیشہ خبر گیری کا حکم بھی دیا تھا۔

غزوۂ موتہ میں خالد بن ولید مخزومی کی بہادری، جانبازی اور فتحیابی کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں اس پر مبارکباد دینے کے بعد ان کے حق میں دعائے خیر فرما کر انہیں سیف اللہ کے خطاب سے سرفراز فرمایا لیکن بعض روایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب آپ کو ہرقل کے بھاری اور کثیر التعداد لشکر کے مقابلے میں بعض مجاہدین کے میدان چھوڑ دینے کی اطلاع دینے کے بعد انہیں ''فرار'' کہا گیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ ''جنگلی درندوں میں گھر کر اگر کوئی شخص اپنی جان بچانے کے لیے ان کے سامنے سے بھاگ نکلے تو اسے ''فرار'' نہیں کہا جاتا'، اور یہ بھی فرمایا تھا کہ:

''وہی لوگ ان شاء اللہ آئندہ کرار ثابت ہوں گے''۔

فصل:

امرائے لشکر اسلام زید، جعفر اور عبداللہ رضی اللہ عنہم کے فضائل

امرائے لشکر اسلام جنہوں نے غزوۂ موتہ میں شہادت پائی یعنی زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے خاندانی شجرات اور فضائل جو کتب تواریخ میں متعدد مستند حوالوں کے ساتھ درج کیے گئے ہیں حسبِ ذیل ہیں:

① **زید رضی اللہ عنہ:** زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امراء القیس بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ بن ثعلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ کلبی قضاعی۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جن کا خاندانی شجرہ اوپر درج کیا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ ان کے آپ کی غلامی میں آنے کی تفصیلات یہ ہیں:

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے اہل خاندان کو کچھ ظالم و جابر لوگوں کے ایک گروہ نے لوٹ کر قلاش کر دیا تھا اور زید رضی اللہ عنہ کو غلام بنا لیا تھا جس کے بعد زید رضی اللہ عنہ کو حکیم بن حزام نے ان سے خرید کر حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دیا تھا۔ یہ قبل نبوت کا واقعہ تھا۔ اس کے بعد زید رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہ حیثیت غلام وہ رتبہ حاصل ہوا کہ باید و شاید۔ آپ ؐ نے انہیں آزاد کر کے ان کی ایسی تربیت فرمائی جس کی مثال نہیں مل سکتی اور انہوں نے بھی آپ کی خدمت گزاری میں دن رات ایک کر دیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس درجہ محبت کرتے تھے کہ لوگ انہیں زید ؓ بن محمد کہنے لگے تھے۔

زید رضی اللہ عنہ غلاموں میں مسلمان ہونے والے پہلے شخص تھے۔ ان کا ذکر قرآن میں کئی جگہ آیا ہے: مثلاً

① ﴿ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَاءَ كُمْ ﴾

② ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾

③ ﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ﴾

④ ﴿ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِکْ عَلَيْکَ زَوْجَکَ ...... الخ ﴾

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ مذکورہ بالا سب آیات میں زید رضی اللہ عنہ ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور انعم اللہ علیہ سے مراد زید رضی اللہ عنہ کا اسلام میں داخل ہونا ہے۔

ہم نے ان باتوں کا تفصیلی ذکر اپنی تفسیر قرآن میں کیا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ دکھانا ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سوا صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا ذکر (اس طرح) قرآن پاک میں نام کے ساتھ نہیں آیا۔

اللہ تعالیٰ نے زید رضی اللہ عنہ کو اسلام کی ہدایت فرمائی' انہیں اپنے رسول کی تربیت سے نوازا اور انہیں ام ایمن جیسی زوجہ بخشیں جن کے بطن سے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے جنہیں ''حب بن حب'' بھی کہا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا شادی کی تھی اور انہیں بعد ہجرت مہاجرین میں سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا تھا۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ کے لیے جو مہم روانہ فرمائی تھی اس کی سربراہی اپنے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بجائے انہی کے سپرد کی تھی۔

حسان بن ثابت نے زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی مدح میں متعدد اشعار کہے ہیں:

② **جعفر بن ابی طالب** رضی اللہ عنہ: جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم' جیسا کہ سب جانتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ وہ اپنے بھائی علیؓ سے عمر میں دس سال بڑے تھے اور ان کے بھائی عقیل' عمر رضی اللہ عنہما میں ان سے دس سال بڑے تھے جب کہ طالب عمر میں عقیل رضی اللہ عنہ سے بھی دس سال بڑے تھے۔

جعفر رضی اللہ عنہ کا شمار قدیم ترین مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ حبشہ کی طرف ان کی ہجرت مشہور واقعہ ہے جو ان کے اوصاف حمیدہ میں شمار کیا جاتا ہے جس کا ذکر مکے سے مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کے ضمن میں پہلے کیا جا چکا ہے۔ جب وہ حبشہ سے واپس ہو کر خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپؐ نے فرمایا:

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہوئی ہے یا جعفر سے دوبارہ ملنے کی''۔

یہ فرما کر آپؐ نے اٹھ کر انہیں گلے لگا لیا اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ عمرۃ القضیہ سے فراغت کے بعد مکے سے واپس ہوئے آپؐ نے فرمایا تھا:

''جعفر خلق و خلق دونوں میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہیں''۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے جعفر رضی اللہ عنہ آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سن کر بہت خوش ہوئے تھے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ کے لیے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر روانہ فرمایا تھا تو اس وقت اس لشکر کو نماز پڑھانے کے لیے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی کو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی نیابت سونپی تھی۔

غزوۂ موتہ میں شہادت کے بعد ان کے جسم پر نوے سے زیادہ تیروں' تلواروں [illegible] کے زخم [illegible] گئے تھے جو سب کے سب سامنے کی طرف تھے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے غزوۂ موتہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی نے اسلامی علم سنبھالا تھا۔ جب رومیوں سے لڑائی میں ان کا داہنا ہاتھ جس میں انہوں نے علم پکڑ رکھا تھا کٹ گیا تو انہوں نے علم اپنے بائیں ہاتھ میں لے لیا تھا اور بائیں ہاتھ کے کٹ جانے کے بعد انہوں دونوں بازو جوڑ کر اسے اپنے سینے سے لگا کر سنبھال لیا اور اس پر گرفت اس وقت تک نہیں چھوڑی جب تک کسی موذی رومی نے ان کے جسم کو دو ٹکڑے نہ کر دیا۔

جب ان کے قتل کی خبر آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپؐ نے انہیں شہیدوں کی صف اوّل میں ٹھہرایا تھا وہ حدیث نبوی بھی پہلے پیش کی جا چکی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ان کے بریدہ بازوؤں کی جگہ پرندوں کی طرح دو بازو عطا فرمائے جن سے اب وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دو بازوؤں ہی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے انہیں ذوالجناحین فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نام کے آخر میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لفظ طیار کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ابن عمر جب جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے ملتے تھے تو انہیں ہمیشہ ابن ذوالجناحین ہی کہہ کر سلام کیا کرتے تھے۔ تاہم یہ بات بعض راویوں نے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب کی ہے لیکن درحقیقت اس سلسلے میں وہی بات صحیح ہے جو صحیح بخاریؒ میں درج ہے۔

حافظ ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یکے بعد دیگرے علی بن حجر اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے العلاء بن عبدالرحمٰن اور ان کے والد اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بیان کیا کہ:

''میں نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ جنت میں اڑتے دیکھا ہے''۔

اس سے قبل ترمذیؒ نے ایک حدیث کے ضمن میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنی شہادت کے وقت تینتیس سال کے تھے لیکن ابن اثیر نے اپنی کتاب ''غابہ'' میں ان کی شہادت کے وقت عمر اکتالیس سال بتائی ہے تاہم یہ بھی کہا ہے کہ کچھ لوگ اس بارے میں مختلف الخیال ہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے بھائی علی رضی اللہ عنہ سے عمر میں دس سال بڑے تھے اس لحاظ اور حساب سے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی عمر ان کی شہادت کے وقت انتالیس سال ہوتی ہے کیونکہ علی رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تھا اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی جس کے بعد جیسا کہ مشہور ہے وہ مکے میں تیرہ سال رہے اور جب انہوں نے مکے سے ہجرت کی اس وقت ان کی عمر اس حساب سے اکیس سال تھی۔ اور چونکہ غزوۂ موتہ ہجرت کے آٹھویں سال وقوع پذیر ہوا تو اکیس سال میں آٹھ سال اضافے کے بعد اس وقت خود علی رضی اللہ عنہ کی عمر انتیس سال تھی اور چونکہ جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان سے عمر میں دس سال بڑے تھے۔ لہٰذا اس حساب سے ان کی عمر شہادت کے وقت ٹھیک انتالیس سال ٹھہرتی ہے۔ (مؤلف)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے غزوۂ موتہ میں ان کی شہادت کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو طیار کہا جانے لگا تھا۔ حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بڑا دردناک و پراثر مرثیہ تھا۔

③ **عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ:** عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بن ثعلبہ بن امرئ القیس بن عمرو بن امری القیس الاکبر بن مالک بن الاغر بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج بن حارث بن الخزرج ابو محمد عموماً ابن رواحہؓ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور کچھ لوگ انہیں ابوعمرو الانصاری الخزرجی بھی کہتے ہیں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے ماموں اور عمرہ بنت رواحہ کے بھائی تھے۔ ان

کا شمار بھی قدیم ترین اسلام و ایمان لانے والوں میں ہوتا ہے۔ وہ بیعت عقبہ میں شریک اور بنی حارث بن خزرج کے نقیبوں میں سے تھے انہوں نے بدر و اُحد' غزوۂ خندق' حدیبیہ اور غزوۂ خیبر میں بھی شرکت کی تھی اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' وہی تھے جو عمرۃ القضاء کی ادائیگی کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے مکے میں داخلے کے وقت آپ کی سواری کی باگ یا رکاب تھامے آپؐ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور پکار پکار کر کہتے جاتے تھے:

''اے اولادِ مشرکین! ایک طرف ہٹ کر رسول اللہ (ﷺ) کے لیے راستہ خالی کر دو''۔

وہ اس کے علاوہ رسول اللہ (ﷺ) کی مدح' توحید خداوندی اور آپ کی نبوت کا اعلان بھی بصورت اشعار فی البدیہہ کرتے جاتے تھے۔

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی غزوۂ موتہ میں اپنے دو ساتھی امرائے لشکر اسلامی یعنی زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد اسلامی علم بلند کیے' مجاہدین اسلام کے حوصلے بڑھاتے اور کثیر التعداد' تربیت یافتہ رومی لشکر کے مقابلے میں پرستارانِ حق کی مثالی شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے جس کا اعلان خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہ صرف داخل جنت ہو کر زندگی میں آپؐ سے جدا ہوئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں مدینے سے غزوۂ موتہ کے لیے رخصت کرتے وقت فرمایا تھا:

''جاؤ' اللہ تمہیں ثابت قدم رکھے''۔

ہشام ابن عروہ کہتے ہیں:

''چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کے وقت تک ثابت قدم رکھا جس کے بعد وہ داخل جنت ہو گئے''۔

حماد بن زید ثابت اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں حاضرین سے مخاطب تھے۔ اسی دوران میں آپؐ نے ان لوگوں سے جو کھڑے ہوئے تھے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ'' تو وہ لوگ فوراً بیٹھ گئے لیکن اس کے ساتھ ہی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی جو مسجد سے الگ ایک جگہ کھڑے آپ کا خطبہ سن رہے تھے بیٹھ گئے۔ جب دوسرے لوگوں نے جو مسجد سے باہر ابن رواحہؓ کے ساتھ کھڑے آنحضرت ﷺ کا خطبہ سن رہے تھے آپ کو یہ بات بتائی تو آپؐ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے مزید نوازے اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کا جو جذبہ اور اس کی باتیں سننے کا جو اشتیاق ان کے دل میں ہے اسے اور بڑھائے''۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بھی حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ کئی دیگر مشہور شعرائے عرب نے مرثیے کہے ہیں۔

شہدائے موتہ کے اسماءِ گرامی

غزوۂ موتہ میں شہید ہونے والے مہاجرین میں سے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے علاوہ تین غلام زید بن حارثہ کلبی، مسعود بن اسود بن حارثہ بن نضلہ العدوی اور وہب بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہم یعنی کل چار افراد تھے اور انصار میں سے عبداللہ بن رواحہ، عباد بن قیس الخزرجیان، حارث بن نعمان بن اساف بن نضلہ نجاری، سراقہ ابن عمرو بن عطیہ بن خنسا المازنی رضی اللہ عنہم یعنی یہ بھی چار ہی افراد تھے۔ اس طرح مہاجرین و انصار دونوں کو ملا کر شہدائے موتہ کی مجموعی تعداد آٹھ تھی۔ البتہ ابن ہشام ابن شہاب زہری کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ شہدائے موتہ میں عمرو بن زید بن عوف بن مبذول المازینان کے دو بیٹے جو آپس میں علاتی بھائی تھے اور سعد بن حارث بن عباد بن سعد بن عامر بن ثعلبہ بن مالک افصی کے دو بیٹے بھی شامل تھے۔

اگر ابن ہشام کی زبانی ابن شہاب زہری کی بیان کردہ یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تب بھی شہدائے موتہ کی مجموعی تعداد بارہ افراد سے تجاوز نہیں کرتی اور یہ کچھ کم اور معمولی بات نہیں ہے کہ ایک لاکھ رومی اور ایک لاکھ عرب کی نصرانی فوج یعنی دشمن کی دو لاکھ افراد پر مشتمل ہر طرح کے اسلحہ جنگ سے لیس افواج کا مقابلہ صرف تین ہزار اسلامی مجاہدین نے جم کر کیا اور اس میں اپنے صرف بارہ آدمی کھوئے جب کہ انہوں نے دشمن کی فوج میں نہ صرف کشتوں کے پشتے لگائے بلکہ اس پر فتح بھی حاصل کی۔

غزوۂ موتہ میں شریک مجاہدین میں سے صرف ایک خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بیان یہ ہے کہ اس روز ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں جن سے یکے بعد دیگرے انہوں نے جتنے زیادہ سے زیادہ مشرک وہ قتل کر سکتے تھے کیے تھے اور آخر میں ان کے ہاتھ میں ایک یمنی تلوار کا صرف قبضہ رہ گیا تھا اور انہوں نے اسی سے لاتعداد باطل پرستوں اور صلیب کے پجاریوں کے مقابلے میں اسلام وقرآن کا دفاع کیا تھا۔ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے اس بیان کے علاوہ مجموعی طور پر غزوۂ موتہ میں شریک اور راہِ خدا میں لڑنے والے مجاہدین اسلام کے جذبہ ایمانی اور ان کے حق میں نصرت خداوندی کا ثبوت مندرجہ ذیل آیت قرآنی میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ قَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ .... الخ ﴾

ملوکِ عالم کے نام آنحضرت ﷺ کے خطوط

واقدی کے بقول ملوکِ عالم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی مراسلت کا آغاز سال ششم ہجری میں ہو گیا تھا جب کہ بیہقی کہتے ہیں کہ اس کی ابتداء سال ہشتم ہجری میں ہوئی تھی۔ البتہ اس بارے میں ان دونوں میں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس کا آغاز صلح حدیبیہ یا غزوۂ موتہ کے بعد ہوا تھا۔

بہرکیف جہاں تک اس سلسلے کا آغاز صلح حدیبیہ کے بعد ہونے کا سوال ہے تو اس کا ثبوت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایک مصدقہ بیان سے ملتا ہے جو درج ذیل ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ہمارا تعلق تاجروں کی قوم سے تھا اور ہم اکثر شام کی طرف تجارتی قافلے لے کر جایا کرتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی مکے سے ہجرت اور آپ کے ساتھ ہماری لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد ہمارا یہ کاروبار قریباً ختم ہو گیا تھا لیکن صلح حدیبیہ کے بعد جب ہم اہل مکہ کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو ہم نے یہ تجارتی سلسلہ پھر شروع کیا کیونکہ مجھے اہل مکہ نے مجبور کیا کہ میں اب کے ایک بڑا تجارتی قافلہ لے کر شام کی طرف جاؤں تا کہ پچھلے دونوں کی کچھ تلافی ہو جائے۔ چنانچہ میں نے ایک تجارتی قافلہ ترتیب دیا جس میں مکے کے قریب قریب ہر عورت و مرد کا کچھ نہ کچھ تجارتی مال شامل تھا''۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ آگے بیان کرتے ہیں:

''میں یہ قافلہ لے کر اس کے سربراہ کی حیثیت سے شام کی طرف سفر کر رہا تھا تو فلسطین کے علاقے غزہ پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ روم کا شہنشاہ ہرقل یروشلم کی زیارت اور وہاں نصرانیوں کے عظیم کلیسا کے لیے تحائف لے کر بیت المقدس آیا ہوا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسے یہ وہم ہو گیا ہے کہ اس کے شامی مقبوضات پر اطراف کے کچھ بااقتدار لوگ حملہ آور ہونے والے ہیں۔ اس سلسلے میں جب اس نے اپنے دانشور مصاحبین سے مشورہ کیا تو وہ بولے کہ ایسے لوگ صرف یہودی ہو سکتے ہیں اس لیے انہیں چن چن کر قتل کر دیا جائے''۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ آگے بیان کرتے ہیں:

''مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہرقل نے اپنے مشیروں کی یہ بات سن کر ان سے پوچھا: ''تم لوگ قریش کی حربی قوت اور ان کے مقابلے میں مدینے میں جو ایک نئی قوت ابھر رہی ہے اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' اس سوال کا جواب ہرقل کے مشیروں نے یہ دیا کہ قوم قریش اور مدینے کی نئی قوت تو باہم مذہبی مناقشات میں الجھی ہوئی ہیں اس لیے ان کی طرف سے خطرے کی کوئی بات نہیں لیکن ہرقل نے انہیں مدینے کی اس نئی اسلامی قوت کی طرف توجہ دلائی جو اس وقت تک

مشرکین مکہ اور خیبر وغیرہ کے یہودیوں کو پے در پے شکست دیتی چلی آ رہی تھی تو ہرقل کے مشیر بھی سوچ میں پڑ گئے لیکن انہوں نے اسے فوراً یہ بتایا کہ قریش مکہ کا ایک معزز شخص ایک بڑا تجارتی قافلہ لیے شام کی طرف جا رہا ہے جو اس نئی ابھرتی ہوئی اسلامی قوت کے بارے میں صحیح معلومات بہم پہنچا سکتا ہے''۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہرقل نے اپنے مشیروں کے اس مشورے کو صائب سمجھ کر مجھے طلب کیا اور ابتدائی تعارف کے بعد مجھ سے جو سوالات کیے اور میں نے ان کے جو جوابات دیئے وہ یہ ہیں:

ہرقل: ''میں نے سنا ہے کہ تمہاری قوم کے ایک شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نامی نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ کیا یہ درست ہے؟''۔

ابوسفیان: ''جی ہاں یہ درست ہے''۔

ہرقل: ''کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری قوم کے کسی بہت مالدار قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں؟''۔

ابوسفیان: ''وہ مالی حیثیت کے لحاظ سے ایک اوسط درجے کے ہاشمی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں''۔

ہرقل: ''کیا ان کے پیرو سب کے سب صاحب ثروت اشخاص ہیں؟''۔

ابوسفیان: ''وہ قریباً سب نادار، مفلس، مسکین اور مفلوک الحال لوگ ہیں''۔

ہرقل: ''کیا تمہاری قوم میں اس سے پہلے بھی کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟''۔

ابوسفیان: ''جی نہیں''۔

ابوسفیان آگے بیان کرتے ہیں:

میرے یہ جوابات سن کر ہرقل بولا:

''تم نے میرے پہلے سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ تمہاری قوم کے جس شخص نے تمہارے بقول نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ تمہاری قوم کے ایک اوسط درجے کی حیثیت کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے لیکن شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اب تک جتنے نبی دنیا میں آئے ہیں ان سب کا تعلق اوسط درجے کے معمولی قبیلوں سے تھا۔

تم نے میرے دوسرے سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ تمہاری قوم میں پیدا ہونے والے اس بقول خود نبی کے قریباً سارے پیرو نادار، مفلس، مسکین اور مفلوک الحال لوگ ہیں تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ پچھلے تمام انبیاء کے تمام پیرو ایسے ہی لوگ تھے کیونکہ انہیں دنیا کا نہیں عاقبت کا خیال تھا۔ میرے تیسرے اور آخری سوال کا جواب تم نے یہ دیا ہے کہ اس شخص سے قبل تمہاری قوم کے کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور تم ابتداء میں یہ بتا چکے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تعلق تمہاری قوم سے ہے اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ خدا کے رسول ہیں تو سن لو کہ انجیل میں بشارت موجود ہے کہ خدا کا آخری نبی اور رسول عرب کی سرزمین پر پیدا ہوگا اور اس کا نام احمد ہوگا تم نے اپنی قوم کے اس مدعی نبوت کا نام محمد بتایا ہے تو یہ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہاری زبان میں احمد اور محمد مترادف الفاظ ہیں۔ اور یہ بھی سن لو کہ ہر نبی کا انداز جنگ یہی رہا ہے۔ جو تمہارے

بقول اس مدعی نبوت کا ہے''۔

ابوسفیان آخر میں کہتے ہیں کہ:

''ہرقل کی یہ باتیں سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے اس کے پاس سے واپس آ کر اپنے قافلے کو فوراً وہاں سے کوچ کا حکم دے دیا''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے زہریؒ نے بیان کیا کہ انہیں ایک نصرانی راسقف نے بتایا کہ اسی زمانے میں دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ ہرقل کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر پہنچے تھے جس میں لکھا تھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے روم کے عظیم ہرقل کے نام۔ جس نے ہدایت کا پاس کیا اس پر سلام۔ امابعد! اسلام قبول کرو اس کا اجر تمہیں اللہ تعالیٰ دو مرتبہ دے گا اور اگر تم نے انکار کیا تو اس کی ذمہ داری بھی تمہیں دوہری اٹھانا ہو گی''۔

اسی اسقف نے زہری کو مزید بتایا کہ ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کے اس خط کو آخر تک پڑھوا کر اپنے پاس محفوظ کر لیا اور پھر ایک رومی عالم کو جو عبرانی زبان سے واقف تھا لکھا کہ:

''جس نبی کی انجیل میں بشارت دی گئی تھی اس کا عرب میں ظہور ہو گیا ہے اور ہم اسی وقت کے منتظر تھے لہٰذا ہمیں اس کی اتباع پر کمر بستہ ہو جانا چاہیے''۔

اس کے بعد اس نے اپنی سلطنت کے امراء کو اپنے دربار میں بلا کر سمجھایا کہ

''ہم نصرانیوں پر اس نبی کی اتباع لازم ہے جس کی انجیل میں بشارت دی گئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرے پاس اس بزرگ ہستی کا مکتوب گرامی آیا ہے جس میں اس نبی مکرم (ﷺ) نے مجھے اسلام کی دعوت دی ہے۔ میرا مصمم ارادہ ہے کہ میں اس دعوت کو قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤں۔ مجھے امید ہے کہ تم سب لوگ بھی اس سلسلے میں میری پیروی کرو گے''۔

ہرقل کی زبان سے یہ گفتگو سن کر درباری امراء دنگ رہ گئے اور ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے اس کے اس ارادے کی شدید مخالفت نہ کی ہو بلکہ اس نے دیکھا کہ ان کے اشارے پر دربار کے تمام دروازے بند کیے جا رہے ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کے کٹر مذہبی درباری اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں اس لیے اس نے فوراً ہنس کر کہا:

''خداوند کا شکر ہے کہ تم اس کڑی آزمائش میں پورے اُترے، مجھے تمہاری مذہبی پختگی کا پورا پورا یقین تھا لیکن میں صرف تمہیں آزمانا چاہتا تھا۔ تمہیں اس سخت امتحان میں کامیابی مبارک ہو''۔

ہرقل کی زبان سے یہ کلمات سن کر اس کے دربار کے تمام بند دروازے کھلوا دیئے گئے اور اس کا ہر درباری اس کے سامنے حسب دستور سربسجود ہو گیا جس پر ہرقل نے اطمینان کا سانس لیا۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ واقعہ حمص میں پیش آیا تھا جہاں ہرقل نے خود اپنے درباریوں پر دربار کے دروازے

بند کرائے اور اس وقت تک نہیں کھلوائے تھے جب تک انہوں نے اس کی اتباع کا اقرار نہیں کیا تھا اور سربسجود نہیں ہو گئے تھے۔

''بخاری نے ابوسفیان اور ہرقل کی ملاقات کا واقعہ جس کی ابن اسحٰق نے بھی تصدیق کی ہے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ابوسفیانؓ ہرقل کے دربار سے ناراض ہو کر چلا آیا تھا کیونکہ اس نے نہ صرف آنحضرت ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی تھی بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ دین اسلام بت پرستی پر جلد غالب آ جائے گا''۔

یہ روایت غریب ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کے بیان میں ان دونوں میں سے کسی کی کوئی ذاتی مصلحت نہیں تھی۔ واللہ اعلم (مؤلف)

ابن جریر اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں ابن حمید' سلمہ اور محمد بن اسحٰق نے بعض اہل علم کے حوالے سے بتایا کہ جب دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا مکتوب جس میں آپؐ نے اسے دعوتِ اسلام دی تھی لے کر ہرقل کے پاس پہنچے تو اس نے اسے پڑھ کر ان سے کہا کہ:

''میں جانتا ہوں کہ تمہارے نبی' نبی مرسل ہیں لیکن میں روم کے عوام سے خائف ہوں اس لیے بہتر ہے کہ آپ یہ خط اسقف کے پاس لے جائیں کیونکہ اس کا رومیوں پر مجھ سے زیادہ اثر ہے اور وہ مجھ سے زیادہ اس کی بات مانتے ہیں''۔

چنانچہ دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ آپ کا وہ مکتوب لے کر اسقف اعظم کے پاس گئے تو اس نے بھی آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور پھر انہیں ساتھ لے کر روم کے بڑے کلیسا میں گیا اور وہاں لوگوں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ:

''اے روم والو! یہ اللہ کے نبی کا قاصد ان کا مکتوب لے کر آیا ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے رسول ہیں جن کی بشارت انجیل میں دی گئی ہے اور ان کا نام احمد بتایا گیا ہے''۔

اسقف کی یہ بات سن کر جملہ حاضرین نے ایک شخص کے سوا اس کی تائید کی جس کے بعد اس مخالفت کرنے والے کو زد و کوب کر کے قتل کر دیا گیا۔

جب دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ نے ہرقل کے پاس آ کر اسے وہ واقعہ سنایا تو وہ بولا:

''دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ رومیوں پر مجھ سے زیادہ اثر اسقف کا ہے' ہم بادشاہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ ہمیں عام رومیوں سے اپنی جان کا خوف رہتا ہے''۔

جب اسقف نے قیصر روم ہرقل سے اسلام قبول کرنے کے لیے کہا تو اس نے اسے بھی وہی جواب دیا جو دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ طبرانی نے بھی اس بارے میں یہی روایت پیش کی ہے لیکن اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اسقف اس وقت شام میں تھا اور جب اس نے وہاں رومیوں سے اسلام قبول کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ان سے کہا کہ پھر

وہ مسلمانوں کو جزیہ دینے کے لیے رضامند ہو جائیں۔ اس پر وہ بولے:

''ہم عربوں سے ملک' سلطنت اور دولت وحشمت کس بات میں کم ہیں جو ہم ان کی تابعداری کریں''۔

ان کا یہ جواب سن کر اسقف بولا:

''پھر تم سرزمین سوریہ مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ''۔

سرزمین سوریہ سے اسقف کی مراد فلسطین' اردن' دمشق' حمص بلکہ ساری سرزمین شام تھی لیکن جب روم کو وہ نصرانی جو اس وقت وہاں صاحب اقتدار تھے اس کی بات ماننے پر رضامند نہ ہوئے تو وہ اس سرزمین کو چھوڑ کر الوداع کہتا ہوا قسطنطنیہ چلا گیا۔ واللہ علم

شام کے عربی النسل نصرانی بادشاہ کے نام

آنحضرت ﷺ کا مکتوب

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ ہرقل کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنی اسد بن خزیمہ کے بھائی شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فرمانروائے شام منذر ابن حارث بن ابی شمر غسانی کو اس قسم کا ایک خط لکھا جس میں اسے محاسن اسلام بتا کر دعوتِ اسلام دیتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو اس کا ملک اس کے قبضے میں رہے گا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا وہ مکتوب گرامی اسے پڑھ کر سنایا گیا تو منذر بن حارث بولا:

''مجھ سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے' اگر کسی نے اس کی کوشش کی تو میں اس کی خبر لینے کے لیے اس کے ملک پر چڑھ دوڑوں گا''۔

شاہِ فارس کے نام آنحضرت ﷺ کا مکتوب

بخاریؒ لیث کا بیان یونسؒ زہریؒ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالوں کے ساتھ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو شاہ فارس کسریٰ کے نام خط دے کر ایران روانہ فرمایا اور اسے حکم دیا کہ:

''اگر فرمانروائے فارس تمہیں بحرین کی طرف دھکا دے تو تم بھی اسے بحرین کی طرف دھکا دے دینا''۔

یعنی اگر وہ اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے تو وہ بھی اس پر لعنت بھیج کر خاموشی سے واپس چلا آئے۔ جب اس شخص نے آپ کا مکتوب گرامی ایران پہنچ کر کسریٰ کو دیا تو اس نے اسے پڑھ کر پھاڑ ڈالا اور بولا:

''میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں' کیا (نعوذ باللہ) اس نے ہمیں بھی عرب سمجھا ہے؟''۔

جب آپؐ کے اس قاصد نے واپس آ کر آپ کو یہ واقعہ سنایا تو آپؐ نے فرمایا:

''سب پھاڑنے والے پھاڑ دیئے جائیں گے''۔

یعنی تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ یہ ایران و اہل ایران کے حق میں گویا آپ کی بد دعا اور پیغمبرانہ پیشگوئی تھی۔

عبداللہ بن وہب' یونس اور زہری کے حوالے دے کر کہتے ہیں کہ آخر الذکر کو عبدالرحمٰن بن عبدالقاری نے بتایا کہ جس روز آنحضرت ﷺ کو آپؐ کے قاصد نے ایران میں آپ کے مکتوب گرامی کے ساتھ کسریٰ کے طرز عمل کا واقعہ سنایا اسی روز آپؐ نے مسجد میں حاضرین کو منبر سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''میں آپ لوگوں میں سے بعض کو عجمی بادشاہوں کی طرف بھیجنا چاہتا ہوں لیکن یہ بھی کہتا ہوں کہ آپ لوگ مجھ سے اس طرح اختلاف نہ کریں جیسے بنی اسرائیل نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے کیا تھا''۔

آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سن کر مہاجرین یک زبان ہو کر بولے:

''یا رسول اللہ (ﷺ) ہم آپ کی رائے عالی سے تا بہ ابد سر مو اختلاف نہیں کریں گے' آپ ہمیں جہاں چاہیں بھیج دیجیے''۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے (ان مہاجرین کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرمائی اور شجاع[1] رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کی طرف (اپنا دوسرا مکتوب دے کر) روانہ فرما دیا۔ جب آپؐ کے یہ قاصد ایران پہنچے تو کسریٰ نے اپنے ایوان دربار کو مزید آراستہ کرنے کا حکم

---

[1] ہمارے اصل مآخذ میں یہی لکھا ہے لیکن ابن ہشام کے مطابق آنحضرت ﷺ نے شجاع بن وہب کو شام کے حکمران حارث بن شمر غسانی کے پاس بھیجا تھا اور ایک آخری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے انہیں جبلہ بن ایہم غسانی کے پاس بھیجا تھا۔ (مؤلف)

دیا اور وہاں امراء وعظمائے ایران کو طلب کیا۔ اس کے بعد آپؐ کے قاصد شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو دربار میں باریابی کی اجازت دی۔

جب شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کسریٰ کے دربار میں پہنچے تو کسریٰ نے حکم دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب ان سے لیا جائے لیکن انہوں نے کہا کہ:

''مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم دیا ہے کہ میں ان کا یہ مکتوب گرامی جناب والا کے ہاتھ میں بذات خود دوں''۔

کسریٰ نے شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو انہیں قریب بلایا اور ان کے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی لے کر اپنے درباری کاتب کو جس کا تعلق حیرہ سے تھا طلب کیا اور اسے وہ خط دے کر پڑھنے کا حکم دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کی تحریر کی ابتدا یہ تھی:

''محمد بن عبداللہ' اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے فارس کے عظیم کسریٰ کے نام''۔

لیکن کسریٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے تعارف کی اس انداز میں ابتداء سنتے ہی باقی خط پڑھوائے بغیر غضب ناک ہو کر مذکورہ بالا کاتب کے ہاتھ سے آپ کا مکتوب گرامی لے کر پھاڑ ڈالا اور شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس کے دربار سے نکل جائیں۔

شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کسریٰ کے دربار سے باہر آ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور سوچنے لگے کہ واپسی کے لیے کون سا راستہ اختیار کیا جائے تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کے ساتھ کسریٰ کے اس طرز عمل کی اطلاع جلد از جلد دی جا سکے۔ لیکن فوراً ہی کوئی حتمی فیصلہ کر کے گھوڑے کو ایک طرف سرپٹ ڈال دیا۔

اُدھر کسریٰ نے شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کے چہرے سے ان کے غصے کا اندازہ لگا کر انہیں واپس بلانے کے لیے کوئی آدمی دوڑایا اور کاتب کو حکم دیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی جوڑ کر اس کا باقی حصہ اسے پڑھ کر سنائے۔ کسریٰ کے بھیجے ہوئے شخص نے کافی دور تک شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو واپس لانے کے لیے دونوں راستوں پر یکے بعد دیگرے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ اس وقت تک حیرہ سے بھی کہیں آگے نکل آئے تھے۔

جب شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ نے مدینے پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے مکتوب گرامی کے ساتھ کسریٰ کے طرز عمل کا واقعہ سنایا یعنی اس نے آپ کا خط لے کر اس کے افتتاحی الفاظ سن کر اسے پھاڑ دیا تھا تو آپؐ نے فرمایا:

''کسریٰ نے اپنے ہاتھوں اپنا ملک پارہ پارہ کر دیا ہے''۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے احمد بن حمید' سلمہ اور ابن اسحاق نے زید بن ابی حبیب کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مکتوب گرامی دے کر کسریٰ کے پاس عبداللہؓ بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعید بن سہم کو بھیجا تھا اور آپؐ کے اس مکتوب گرامی کی افتتاحی سطور یہ تھیں:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے فارس کے عظیم کسریٰ کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت

کی اتباع کی' اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں (کیونکہ) میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کی طرف سے میری ذمہ داری ساری زندہ انسانی برادری کو خدا کے غضب سے ڈرانا اور اس کی طرف سے کافروں کے سامنے قول حق پیش کرنا ہے تم چاہو تو یہ دعوتِ حق قبول کرلو عدم قبول کی صورت میں ایران کے تمام مجوسیوں کا گناہ تمہارے سر ہوگا''۔

جب آنحضرت ﷺ کا یہ مکتوب گرامی کسریٰ کو پورا پڑھ کر سنایا گیا تو وہ غصے سے بولا:

''یہ خط اس شخص نے مجھے لکھنے کی جسارت کی جو (نعوذ باللہ) خود میرا غلام ہے''۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ کسریٰ نے یہ کہہ کر باذام کو جو یمن میں اس کا نائب تھا ایک خط لکھوایا اور اسے حکم دیا کہ وہ جلد سے جلد اپنے دو آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجے اور انہیں لکھے کہ وہ ان آدمیوں کے ساتھ کسریٰ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

ماذام نے کسریٰ کا یہ خط ملتے ہی اسے اپنے کاتب ومحاسب کے ہاتھ جس کا نام قہرمانہ تھا آنحضرت ﷺ کے پاس روانہ کر دیا۔ ماذام نے قہرمانہ کے ہمراہ فارس کا ایک اور شخص خرخرہ نامی بھی کر دیا اور ان دونوں کو آپؐ کے نام ایک خط بھی دیا جس میں لکھا تھا کہ کسریٰ کے حکم کی فوری تعمیل کی جائے۔

ابن جریر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب ماذام کے بھیجے ہوئے یہ دونوں آدمی طائف پہنچے اور انہوں نے وہاں کسی سے آنحضرت ﷺ کا پتہ پوچھا تو اس نے انہیں بتایا کہ آپ کا قیام مدینے میں ہے لیکن جب اس شخص نے ان سے ان کے حجاز میں آنے کا مقصد پوچھا تو انہوں نے اسے ساری بات بتا دی جسے سن کر طائف کا وہ شخص بہت خوش ہوگیا اور اس نے دوسرے لوگوں سے کہا کہ اب انہیں اور قریش مکہ کو کوئی فکر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آنحضرت ﷺ کو کسریٰ نے قابو کرلیا ہے اور اب وہ (نعوذ باللہ) سزا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا یعنی جو کام اس وقت تک قریش نہ کر سکے وہ کام اب کسریٰ جیسا باجبروت ایرانی بادشاہ کر دکھائے گا۔

بہرکیف جب ماذام حاکم یمن کے فرستادہ دونوں شخص مدینے پہنچ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان میں سے فارس کے دوسرے شخص اباذویہ نے آپ کو کسریٰ اور ماذام کے خطوط دے کر آپؐ سے زبانی کہا کہ:

''ملک الملوک کسریٰ شہنشاہ ایران نے ماذام حاکم یمن کو حکم دیا تھا کہ وہ آپؐ کے پاس دو آدمی بھیج کر آپ کو شہنشاہ ایران کا حکم سنائیں بلکہ آپ کو خود لے کر شہنشاہ کی خدمت میں حاضر کریں۔ چنانچہ آپ ماذام کے حکم کے مطابق پہلے ہمارے ساتھ فوراً یمن چلئے تاکہ وہاں سے آپ کو ایران میں شہنشاہ کی خدمت میں حاضر کیا جائے''۔

اس کے بعد اباذویہ نے آپ سے مزید کہا:

''آپ کے لیے شہنشاہ کے حکم کی تعمیل ہی بہتر ہے کیونکہ اگر آپؐ نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو وہ نہ صرف آپ کو ہلاک کر دیں گے بلکہ آپ کے سارے ملک کو بھی تباہ و برباد کر ڈالیں گے''۔

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ جب ماذام حاکم یمن کے فرستادہ یہ دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ آپ کو ان کی یہ شکلیں ناگوار گزریں اور آپؐ نے اباذویہ ہی سے جس نے آپؐ سے سلسلہ کلام شروع کیا تھا فرمایا:

''مجھے تیری اور تیرے ساتھی کی یہ شکل وصورت دیکھ کر افسوس ہوا۔ پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں ایسی وضع رکھنے کا حکم کس نے دیا ہے؟''۔

باذویہ نے جواب دیا:

''یہ حکم ہمیں ہمارے مالک نے دیا ہے''۔

ظاہر ہے کہ اس کی مراد کسریٰ سے تھی۔ باذویہ کا جواب سن کر آپؐ نے فرمایا:

''مگر ہمارے مالک نے تو ہمیں داڑھی رکھنے اور مونچھیں کم کرنے کا حکم دیا ہے''۔

بہرکیف اس کے بعد آپؐ نے باذویہ اور اس کے ساتھی قہرمانہ سے کہا کہ وہ دونوں اگلے روز آپؐ کے پاس آئیں تاکہ آپؐ انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ فرما سکیں۔ آپؐ سے یہ سن کر وہ دونوں آپؐ سے اگلے روز آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے لیکن اسی روز آپ کو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ کسریٰ کو اس کے بیٹے شیرویہ نے فلاں رات کو فلاں شہر میں قتل کر کے ایران کے تخت اور سلطنت پر قبضہ کر لیا ہے۔

ابن جریر لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر ملنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود ہی ماذام کے فرستادہ دونوں آدمیوں کو بلا کر انہیں یہ خبر سنائی تو وہ حیرت سے بولے:

''آپؐ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے سمجھ بھی رہے ہیں؟''۔

آپؐ نے فرمایا:

''جو اطلاع میں نے تمہیں دی ہے وہ بالکل درست ہے اور میں اسے خوب جانتا اور سمجھتا ہوں۔ بہرحال اب تمہیں چاہیے کہ یہاں سے فوراً یمن واپس جاؤ اور وہاں ماذام کو یہ اطلاع دے دو''۔

آپؐ نے انہیں کچھ زرنقد بھی دیا تھا۔

اباذویہ اور اس کا ساتھی قہرمانہ دونوں آپؐ سے مذکورہ بالا خبر سن کر پہلے حواس باختہ ہو چکے تھے چنانچہ آپؐ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اسی روز واپس یمن چلے گئے۔

اباذویہ نے یمن پہنچ کر جب ماذام کو مذکورہ بالا خبر سنائی تو وہ بھی حیران رہ گیا لیکن اباذویہ نے اسے مشورہ دیا کہ جب تک ایران سے اس خبر کی تصدیق نہ ہو جائے اس کی اطلاع یمن میں کسی کو نہیں ہونا چاہیے۔

ماذام نے کہا:

''ایسا ہی ہوگا لیکن اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس شخص کے مخبر صادق ہونے میں کلام نہیں ہے۔ البتہ اگر یہ خبر غلط ہوئی تو ہم پھر

اسے دیکھ لیں گے''۔

جیسا کہ ابن جریر نے لکھا ہے اس کے چند روز بعد ہی ماذام کو شیرویہ نے خط لکھا کہ اس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے کیونکہ اس نے ایرانیوں پر ظلم و تعدی اور ایران کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کے آگے شیرویہ نے ماذام کو لکھا کہ جس طرح وہ اس کے باپ کا فرمانبردار اور اطاعت گزار رہا ہے رہے تو اسے پہلے کی طرح یمن کا حاکم رہنے دیا جائے گا اس لیے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا رہے۔

شیرویہ کی طرف سے یہ خط ملنے کے بعد ماذام نے اباذویہ سے کہا:

جس شخص نے تمہیں یہ خبر سنائی تھی وہ یقیناً نبی مرسل ہے کیونکہ انبیاء کے سوا دوسروں سے پہلے ایسی اہم خبریں کسی کو نہیں ہوتیں۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ چونکہ ماذام کو آنحضرت ﷺ کے سچا نبی ہونے کا یقین کامل ہو چکا تھا اس لیے وہ نہ صرف خود مسلمان ہو گیا بلکہ اس کی تلقین پر یمن میں جتنے ایرانی باشندے تھے سب نے اسلام قبول کر لیا۔

بیہقی کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے کسریٰ کی ہلاکت کے بارے میں ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا:

''کسریٰ پر لعنت ہو کہ وہ ایران کے بعد عرب کو بھی تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا تھا''۔

پھر جب آپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ شیرویہ نے اپنے بعد اپنی بیٹی کو ایران پر حکومت کے لیے نامزد کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا:

''جس قوم کی حکمران کوئی عورت ہوگی وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتی''۔

بیہقی کا بیان ہے کہ کسریٰ سے کسی شخص نے اس کے محل سے باہر اس عصا کی طرف اشارہ کر کے جسے وہ عموماً سہارے کے لیے لے کر چلا کرتا تھا کہا تھا کہ اگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا تو اس کا وہ عصا ٹوٹ جائے گا لیکن اس نے جواب دیا تھا کہ: ''میرا یہ عصا کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ اس کے فوراً بعد جب کسریٰ اپنے خلوت خانے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہاں وہی شخص موجود ہے اور اس سے کہہ رہا ہے کہ اگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا تو اس کا عصا ٹوٹ جائے گا۔ اس پر اس نے پھر وہی جواب دیا کہ اس کا وہ عصا ہرگز نہیں ٹوٹے گا۔ پھر کسریٰ نے اپنے حاجب کو بلا کر پوچھا: یہاں اس شخص کو داخل ہونے کی کس نے اجازت دی ہے؟'' کسریٰ کے حاجب نے حیران ہو کر جواب دیا: ''اعلیٰ حضرت! یہاں تو کوئی نہیں ہے''۔ یہ سن کر کسریٰ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو واقعی وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ کسریٰ نے اس عجیب و غریب واقعے کو وہم سمجھ کر بھلانا چاہا لیکن بھلا نہ سکا اور اس کے چند روز بعد ہی اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے قتل کر دیا۔

بیہقی مزید بیان کرتے ہیں کہ کسریٰ کے قتل کی خبر عرب میں مشتہر ہونے سے قبل سب سے پہلے سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ نے سن کر آنحضرت ﷺ کو سنائی تھی تو آپؐ نے اس پر حیرت کا اظہار نہیں فرمایا تھا لیکن بعد میں لوگ عموماً کہتے تھے کہ:

''کسریٰ نے آنحضرت ﷺ کے مکتوب گرامی کی توہین کی تھی اس لیے کسریٰ رہا نہ اس کا ملک اس کی اولاد کے قبضے میں رہا لیکن اس کے مقابلے میں قیصر روم نے چونکہ آپؐ کے مکتوب کا نہ صرف احترام کیا تھا بلکہ اسے مشک میں بسا کر محفوظ کر لیا تھا اس لیے اس کا ملک علیٰ حالہ اب تک باقی ہے''۔

آنحضرت ﷺ کا خط مقوقس کے نام

آنحضرت ﷺ نے چوتھا خط مقوقس حاکم اسکندریہ کو ارسال فرمایا تھا جس کا نام جریج بن مینا قبطی تھا۔ یونس بن بکیر ابن اسحٰق کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ان سے یعنی ابن اسحٰق سے زہری نے عبداللہ بن القاری کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مقوقس صاحب اسکندریہ کے نام جو خط بھیجا تھا اسے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ آپؐ کے حکم سے لے کر گئے تھے اور جب وہ آپ کا وہ مکتوب گرامی لے کر اسکندریہ پہنچے تھے تو مقوقس نے انہیں بڑے عزت و احترام سے ٹھہرایا تھا اور آپ کا وہ مکتوب گرامی موصول ہونے پر انتہائی اظہار مسرت کرتے ہوئے جواباً آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا تھا نیز آپ کی خدمت میں تحائف کے طور پر قیمتی سرج کی مرصع عبا و قبا کے علاوہ دو کنیزیں بھی بھیجی تھیں جن میں سے آپؐ نے ایک جو بعد میں ام ابراہیم کہلائیں اپنی خدمت میں لے لی تھیں اور دوسری محمد بن قیس العبدی رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی تھی۔

بیہقی نے مقوقس کے نام آنحضرت ﷺ کے مکتوب گرامی کے بارے میں متعدد مستند حوالوں کے ساتھ خود حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کا جو اپنا بیان پیش کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے اسکندریہ کے حکمران مقوقس کے پاس اپنا مکتوب گرامی دے کر بھیجا تو اس نے مجھے اپنے خاص محل میں ٹھہرایا اور اپنے پاس بٹھایا۔ پھر اس نے اپنے مشیروں کو طلب کیا اور مجھ سے پوچھا: ''جن کا تم خط لائے ہو کیا وہ خدا کے نبی ہیں جیسا کہ انہوں نے اس خط میں لکھا ہے؟'' میں نے جواب دیا: ''وہ خدا کے نبی بھی ہیں اور اس کے رسول بھی''۔

اس نے کہا:

''اگر وہ خدا کے رسول ہیں تو اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کے بجائے اپنا شہر اور اپنی قوم کو چھوڑ کر دوسرے شہر اور دوسرے لوگوں میں کیوں چلے گئے ہیں؟''۔

میں نے جواب دیا: ''حضرت عیسیٰ خدا کے رسول تھے یا نہیں؟''۔

وہ بولا: ''یقیناً تھے''۔

میں نے کہا:

''تو آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان کی قوم نے انہیں کتنا ستایا تھا بلکہ اپنے نزدیک سولی تک دے دی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان دنیا پر اٹھا لیا تھا''۔

میرا یہ جواب سن کر مقوقس بولا:

''تم واقعی حکیم ہو اور تمہارے نبی بھی معدن حکمت اور واقعی سچے نبی ہیں''۔

حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ آگے بیان کرتے ہیں کہ:

''اس گفتگو کے بعد مقوقس نے میری خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی اور جب مجھے رخصت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحائف کے طور پر قیمتی ملبوسات کے علاوہ تین کنیزیں بھی بھیجی تھیں جن میں سے ایک آپؐ کے بیٹے ان کے بطن سے بعد میں ولادت پانے والے ابراہیم کی ماں ام ابراہیم ماریہ رضی اللہ عنہا تھیں اور دوسری سیرین تھیں جو آپؐ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بخش دی تھیں جن کے بطن سے عبدالرحمٰن بن حسان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے''۔

حقیقت یہ ہے کہ مقوقس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بصد اظہار احترامات جو ہدایا بھیجے تھے ان میں تین کنیزیں تھیں جن میں سے ایک ماریہ قبطیہ نامی کنیز کو آپؐ نے اپنی خدمت میں لے لیا تھا جن کے بطن سے ابن رسول اللہ ابراہیمؓ پیدا ہوئے تو وہ ام ابراہیم کہلائیں۔ اس کے علاوہ مقوقس نے آپؐ کے لیے بطور ہدایا ایک سفید فام مادہ خچر ایک جوڑی سیاہ مزین و منقش چرمی موزے اور ایک حبشی غلام بھیجا تھا جس کا نام مابور تھا۔ یہ غلام مصری دستور کے مطابق خصی کر دیا گیا تھا اور اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے ام ابراہیم ماریہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آنے جانے کی اجازت دے دی تھی لیکن اس کے بارے میں لاعلمی کی وجہ سے لوگوں میں غلط افواہیں پھیلنے لگیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے اس کے قتل کی اجازت طلب کی لیکن انہیں حقیقت حال کا علم ہوا تو آپؐ سے معافی چاہی اور دوسرے لوگ بھی اس حقیقت سے واقفیت کے بعد حد درجہ نادم ہوئے۔ (مؤلف)

غزوۂ ذات السلاسل

حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ فتح مکہ سے قبل آنحضرت ﷺ کو خبر ملی تھی کہ شام کی سرحد پر بنی بلی اور بنی قضاعہ کے علاقے میں کثیر تعداد میں لوگ جمع ہو کر پھر آپؐ کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہیں تو آپؐ نے اس علاقے کے ان لوگوں کی اصلاح اور بصورت دیگر سرکوبی کے لیے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مجاہدین کے ایک رسالے کا سربراہ بنا کر ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا لیکن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ان فتنہ پرداز اور سرکش لوگوں کی تعداد ان کے عسکری رسالے سے کئی گنا ہے تو انہوں نے ایک مجاہد کو فوراً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کمک کی درخواست کے ساتھ بھیج دیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ درخواست پہنچنے پر آپؐ نے ایک دوسرا فوجی رسالہ جس میں ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) بھی شامل تھے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جو مہاجرین میں سے تھے ان کی مدد کے لیے روانہ فرما دیا۔

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ بنی بلی کی طرف عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ قبیلہ العاص بن وائل کے رشتے سے ان کے ماموؤں پر مشتمل تھا۔ بہر کیف جب مذکورہ بالا کمک وہاں پہنچی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بولے کہ باغیوں کے مقابلے میں پہلے اور دوسرے دونوں رسالوں کی کمان وہ کریں گے لیکن ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اصولاً ان سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ جو رسالہ بطور کمک آنحضرت ﷺ نے ان کی سرکردگی میں بھیجا ہے اس کے علاوہ پہلے رسالے کی سربراہی بھی انہی کی ذمہ داری ہے۔ تاہم اختلافی مسئلے کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہوئے جب ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) نے ان دونوں کو مزید بحث سے روکا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جو فطری طور پر نرم و شگفتہ مزاج تھے اس بات پر راضی ہو گئے اور دونوں رسالوں کی سربراہی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سپرد ہو گئی۔

اس کے بعد جب باغیوں نے مجاہدین کے ان دونوں رسالوں سے مقابلے کی کوشش کی تو تعداد میں ان کی مجموعی تعداد سے بھی کئی گنا ہونے کے باوجود ان سے شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔ لیکن مجاہدین کے ہاتھ تھوڑے سے اونٹوں کے سوا مال غنیمت میں کچھ نہ لگا اور ان میں سے بھی دس اونٹ ان کے رات کے کھانے میں کام آ گئے۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس شب کو جہاں مسلمانوں نے پڑاؤ کیا تھا سخت سردی تھی جس کی وجہ سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ محتلم ہو گئے لیکن پانی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے تیمّم کر کے صبح کی نماز ادا کی۔ تاہم ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے قلت آب کی وجہ سے غسل نہیں کیا تھا اور جتنا پانی مل سکا اس سے ستر پاک کر کے تیمّم کر لیا تھا لیکن ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے غسل کے بجائے تیمّم پر اکتفا کیا تھا لیکن غسل ستر سے جو پانی بچ گیا تھا اس سے وضو کر لیا تھا۔

ایک آخری روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وافر مقدار میں پانی دستیاب ہونے کے باوجود صبح

کی نماز سے قبل غسل نہیں کیا تھا اور جب اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا:

''عمرو! کیا تم نے غسل کے لیے پانی دستیاب ہونے کے باوجود بغیر غسل کیے جنبی حالت میں نماز پڑھی تھی؟''۔

آپؐ کے اس سوال کا جواب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ دیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) چونکہ وہاں صبح کے وقت بھی شدید سردی تھی اس لیے مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوگئی اور میں نے غسل کی جگہ تیمم اور اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھ لی۔ ویسے چونکہ میں نے قرآنی آیت:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾

''یعنی اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرنے والا ہے''۔

سنی ہوئی تھی اس لیے میں اپنی جگہ مطمئن ہوگیا تھا''۔

کہا جاتا ہے کہ آنحضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ آخری دلیل سننے کے بعد ہنس کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد کسی روایت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر انہیں سرزنش کی تھی یا نہیں۔

ساحل بحر کی طرف غزواتی مہم

چونکہ فتح مکہ سے قبل آنحضرت ﷺ کو مکے مدینے کے درمیان ساحل بحر کے نزدیکی راستے میں مشرکین کی طرف سے شورش و بدامنی پھیلانے کی اطلاع ملی تھی اس لیے آپؐ نے اس طرف ایک غزواتی مہم پر مجاہدین اسلام کو روانہ فرمایا۔

امام مالکؒ وہب بن کیسان اور جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ساحل سمندر کے نزدیک علاقے میں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تین سو مجاہدین پر مشتمل ایک عسکری رسالہ روانہ فرمایا جس میں جابر رضی اللہ عنہ کے بقول وہ خود بھی شامل تھے۔

جابر رضی اللہ عنہ مزید کہتے ہیں:

''ابھی ہم راستے ہی میں تھے کہ ہمارا زادراہ سوائے کچھ کھجوروں کے ختم ہوگیا اور زادراہ کی اس سخت قلت کے پیش نظر سارے رسالے کو فرداً فرداً تھوڑی تھوڑی کھجوریں بانٹ دیں لیکن آگے چل کر ان کی مقدار بھی صرف اتنی رہ گئی کہ ہر شخص صرف ایک کھجور یومیہ پر گزارہ کرنے پر مجبور ہوگیا۔ بہرکیف جب ہم ساحل سمندر تک اسی طرح صبر وشکر کے ساتھ صرف ایک ایک کھجور فی کس یومیہ اور پانی پر گزارہ کرتے ہوئے پہنچ گئے تو وہاں ہمیں مچھلیاں مل گئیں جن پر ہم نے اٹھارہ روز بسر کیے''۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب وہ اپنے جیش کے ساتھ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جو ان کے امیر جیش تھے ان اضلاع کی طرف مڑے جدھر سے قریش مکہ کے قافلے مدینہ کا سیدھا راستہ چھوڑ کر یعنی اس سے بچ کر شام جاتے تھے اور راستے میں جو مشرکین کی بستیاں پڑتی وہاں ٹھہرتے ہوئے اور وہاں کے باشندوں کو مسلمانوں کے خلاف شور وشر اور بغاوت پر آمادہ کرکے آگے بڑھتے تھے تو انہیں نہ قریش کا کوئی قافلہ ملا اور نہ کوئی راہ گیر اور راستہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا تو وہ مچھلیاں بھی جن پر انہوں نے اٹھارہ روز گزارے تھے ختم ہوگئیں تو درختوں کے پتے (خبط) دھو دھو کر کھانے پڑے جس کی وجہ سے اس جیش کا نام ''جیش الخبط'' پڑ گیا تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''اس مصیبت سے گھبرا کر ہم نے دوبارہ ساحل سمندر کا رخ کیا تو وہاں پہنچ کر ہمیں مچھلیاں تو نہ ملیں لیکن ہم نے دیکھا کہ سمندری موجوں نے ایک عظیم الجثہ بحری جانور کو ساحل پر لا پٹکا ہے۔ اس جانور کو دیکھ کر ہماری جان میں جان آئی مگر جب ہم نے دیکھا کہ وہ مردہ ہے تو ہمارے ارمانوں پر اوس پڑ گئی''۔

جابر رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں کہ ان کے اس جیش کے تمام ساتھی اس جانور کو یکے بعد دیگرے دیکھنے کے بعد مڑ مڑ کر امیر جیش ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا حسرت سے منہ دیکھنے لگے تو بولے:

''آنحضرت ﷺ کو میں نے کہتے سنا ہے کہ اضطراری حالت میں جان بچانے کے لیے مردہ جانور کا گوشت کھالینا جائز ہے'' لہٰذا تم اس جانور کا گوشت کھا سکتے ہو''۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ بتایا تو ہم لوگوں نے اس عظیم الجثہ سمندری جانور کا گوشت آپس میں بانٹ لیا لیکن ہم تین سو افراد کو اس میں سے ایک ایک بوٹی بھی مشکل سے ملی''۔

جابر رضی اللہ عنہ آخر میں کہتے ہیں کہ جب ان کا وہ جیش واپس مدینے پہنچا تو آنحضرت ﷺ نے اس صورت حالات پر جس سے اسے اس مہم کے دوران میں سابقہ پڑا تھا اظہار افسوس فرماتے ہوئے اس کے صبر واستقامت پر اسے کلمات تحسین وآفرین سے نوازا اور اس مردہ جانور کے گوشت کو بھی ان حالات میں اس کے لیے جائز قرار دیا۔

بعض راویوں نے اس مہم اور ان واقعات کا ذکر صلح حدیبیہ سے پہلے کے واقعات کے ساتھ اور سال ششم ہجری کے واقعات کے ضمن میں کیا ہے لیکن یہ روایات سن ہجری کے تعین کی حد تک محل نظر ہیں کیونکہ ان روایات میں نجاشی کی وفات کا ذکر بھی کیا گیا ہے جسے آنحضرت ﷺ نے ''ایک صالح شخص کی وفات'' فرمایا تھا' لیکن نجاشی کی وفات کا ذکر دوسرے مستند راویوں نے بلا استثنا سال ہشتم ہجری کے واقعات کے ساتھ کیا ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

❀❀❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتح مکہ

غزوۂ فتح مکہ سال ہشتم ہجری ماہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے۔اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ایک آیہ شریفہ میں جو اس سے قبل نازل ہوئی اور سورۂ فتح میں فرمایا جو اس کے بعد نازل ہوئی۔ وہ آیت اور سورہ درج ذیل ہیں:

﴿ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قَاتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾

﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴾

ابن اسحاق غزوۂ مکہ اور اس میں آنحضرت ﷺ کی فتح عظمیٰ کے بارے میں اس کی بنیادی وجوہات پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ میں ان شرائط کی شمولیت کے باوجود کہ اگر اس مدت صلح کے سہ سالہ دور میں اگر کوئی مسلمان قریش مکہ کے پاس واپس چلا جائے گا تو قریش اسے مدینے بھیجنے کے ذمہ دار نہیں ہوں گے بلکہ اس کے برعکس اگر قریش مکہ کا کوئی شخص اسلام قبول کر کے یا اسلام قبول کیے بغیر اگر مدینے چلا جائے گا تو آنحضرت ﷺ اسے واپس مکے بھیج دیں گے اور قریش مکہ اور اہل مدینہ یعنی مسلمانوں کے مابین اس مدت صلح کے دوران میں امن و امان کی ذمہ داری فریقین پر ہوگی اور قریش مکہ کی اس ہٹ دھرمی پر مبنی شرائط کو بھی آنحضرت ﷺ کی طرف سے قبول کر لینے کے باوصف قریش مکہ کی طرف سے اس دوران میں بھی چھیڑ چھاڑ، فتنہ پردازی و شرانگیزی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جب کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے مکے کے شام جانے والے قافلوں میں رکاوٹ پیدا کرنے کا مسلمانوں کو قطعاً کوئی حکم نہیں دیا بلکہ مذکورہ بالا صلح نامے کی پوری پوری پابندی کا خیال رکھا گیا لیکن جب مدینے کے قرب و جوار اور مکے اور شام کے راستے میں آباد قبائل میں جن میں سے کچھ مسلمانوں کے طرف دار اور کچھ قریش مکہ کے طرف دار تھے قریش کے طرف دار قبائل کی طرف سے خواہ مخواہ جھگڑے کھڑے کیے گئے بلکہ قریش کی طرف سے اپنے طرفداروں کو ابھار کر مسلمانوں کے طرف دار قبائل کے خلاف نفرت پھیلانے کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی حتیٰ کہ مسلمانوں کے طرف دار قبائل کے کئی افراد بے سبب قتل کر دیئے گئے تو آنحضرت ﷺ کو اس طرف بطور خاص توجہ فرمانا پڑی جس کی پہلی کڑی وہ مہم تھی جو آپ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بنی بلی اور ان کے ساتھ ہو جانے والے کچھ بنی قضاعہ و بنی ذیل کی سرکوبی کے لیے ساحلی اضلاع کی طرف روانہ فرمائی اور جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

قریش کے مذکورہ بالا بے سبب عداوتی اقدامات کی روک تھام کے لیے آنحضرت ﷺ کے اولین اقدام کی خبر سے قریش

1

مکہ میں کھلبلی پڑ گئی اور ابوسفیان صلح نامہ حدیبیہ کی مدت میں توسیع کے لیے گفتگو کی خاطر بھاگم بھاگ مدینے آیا لیکن خود قریش مکہ کی طرف سے اس کی خلاف ورزیوں کے پیش نظر وہ آپؐ سے اس سلسلے میں براہ راست گفتگو کی جسارت نہ کر سکا۔ اس نے اس سلسلے میں پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مدد کی درخواست کی لیکن انہوں نے اس کا اجیر بننے سے معذرت کرتے ہوئے کہا:

''تم قریش کے سردار ہو اپنی قوم کے کسی معزز مسلمان مہاجر سے اس سلسلے میں مدد کیوں نہیں طلب کرتے؟''۔

اس کے بعد جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا تو وہ آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا لیکن وہ اس وقت اپنے مکان میں موجود نہ تھے۔ اس نے جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ وہ اپنے والد گرامی سے اس کی سفارش کر دیں لیکن انہوں نے فرمایا کہ وہ ایسے معاملات میں دخل اندازی نہیں کر سکتیں۔ ان کے اس جواب پر اس نے ان کے بیٹوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہی اس کی سفارش اپنے نانا سے کر دیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''یہ بچے بھلا ایسے معاملات میں کیا کر سکتے ہیں جب کہ وہ انہیں سمجھ بھی نہیں سکتے''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اس دوران میں جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی کعب پر قریش کے مظالم کی اطلاع دے چکے تھے اور انہوں نے اس مظلوم قبیلے پر قریش اور ان کے طرف دار قبائل کے ڈھائے ہوئے مظالم کی داستان کچھ ایسے رقت آمیز انداز میں بیان کی کہ آپؐ قریش کے خلاف جنہوں نے صلح نامہ حدیبیہ کی مقررہ مدت کے اختتام سے پہلے ہی مذکورہ بالا ظالمانہ اقدامات میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی تھی خود بھی کوئی سخت اقدام اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس سے قبل ابوسفیان مکے واپس جا کر وہاں مشرکین کو مدینے میں اپنی ناکامی کی اطلاع دے چکا تھا۔

مشہور ہے کہ ابوسفیان مدینے میں اپنی بیٹی ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ملنے بھی گیا تھا' لیکن جب وہ ان کے حجرے میں اس فرش پر بیٹھنے لگا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوا کرتے تھے تو وہ بولیں:

''آپ اس فرش پر نہ بیٹھیے کیونکہ یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بیٹھنے کا پاک فرش ہے جب کہ آپ مشرک اور نجس ہیں''۔

ممکن تھا کہ ابوسفیان اپنی بیٹی سے کہتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح نامہ حدیبیہ کی مدت میں توسیع کے لیے اس کی سفارش کریں لیکن ان کے اس طرز عمل سے دل برداشتہ ہو کر ان سے کچھ کہے سنے بغیر ہی ان کے حجرے سے کھڑے کھڑے لوٹ آیا۔ تاہم وہ جرأت کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو ہی گیا تو آپؐ نے فرمایا:

''یہ تم ہو جو قریش کے صلح نامہ حدیبیہ کی خود تمام تر خلاف ورزیوں کے باوجود اس کی مدت میں توسیع کے خواہش مند ہو؟''۔ (حدیث نبوی کا تشریحی ترجمہ)

ابوسفیان کے مدینے سے چلے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کی مدت کے اختتام سے پہلے ہی قریش مکہ کی طرف سے اس کی خلاف ورزی اور بنی کعب وغیرہ پر ان کے مظالم کے پیش نظر اور انہیں ایک آخری اور عبرت آموز سبق دینے کے لیے مہاجرین وانصار اور اپنے طرف دار قبائل پر مشتمل ایک بڑے لشکر کی تیاری اور مکے کی طرف روانگی کا حکم دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کا یہ حکم سن کر آپؐ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) کیا آپؐ کے اور قریش مکہ کے مابین تین سال کی مدت کے لیے صلح نامہ نہیں ہے؟''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تمہیں اس صلح نامے کی مدت کے اختتام سے قبل قریش نے بنی کعب پر بے سبب جو مظالم توڑے ہیں ان کی خبر نہیں ہے؟''۔

بہرحال آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا لشکر کو مکے کی طرف روانہ فرماتے ہوئے یہ احتیاط ملحوظ خاطر رکھی کہ اسے خشکی کے راستے بھیجنے کی بجائے بحری راستے سے روانہ فرمایا تاکہ نواح مکہ میں اس کے پہنچنے سے قبل قریش مکہ کو اس کی آمد کی خبر نہ ہو سکے۔

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا قصہ:

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر نے عروہ بن زبیر وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب مذکورہ بالا لشکر آنحضرت ﷺ کے حکم سے مکے کی طرف روانگی کے لیے تیاریوں میں مصروف تھا تو اسی دوران میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے یہ خبر ایک خط میں لکھ کر وہ خط ایک عورت کو دیا تاکہ وہ اسے جلد سے جلد قریش مکہ کو پہنچا دے۔ محمد بن جعفر کے خیال میں اس عورت کا تعلق مزینہ سے تھا لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا نام سارہ تھا اور وہ بنی عبدالمطلب میں سے کسی کی کنیز تھی۔ اس نے وہ خط اپنے بالوں میں چھپا لیا تھا۔

بہرکیف اس واقعے کی خبر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو کر دی اور یہ خبر ہوتے ہی آپؐ نے حضرت علی اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کو اس عورت کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔

محمد بن جعفر کہتے ہیں کہ ان دونوں نے اس عورت کو راستے ہی میں جالیا اور اسے سواری سے اتار کر اس سے کہا کہ وہ خط ان کے حوالے کر دے۔ پہلے تو وہ اس خط کی اپنے پاس موجودگی سے انکار کرتی رہی لیکن جب حضرت علی اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے اسے تلاشی کی دھمکی دی تو اس نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ مذکورہ بالا اپنے بالوں سے نکال کر ان کے حوالے کر دیا۔

محمد بن جعفر مزید بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے حاطب رضی اللہ عنہ سے اس خط کے بارے میں باز پرس کی تو وہ شرمندہ ہو کر بولے کہ چونکہ ان کا ایک بیٹا اور کچھ دوسرے اہل وعیال مکے میں تھے اور انہیں مسلمانوں کے مکے پر حملہ آور ہونے کی صورت میں ان کی طرف سے اندیشہ تھا اس لیے ان سے یہ غلطی سرزد ہو گئی۔

حاطب رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سننے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کی تاکہ وہ حاطب رضی اللہ عنہ کی گردن اڑا دیں لیکن آپؐ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ﴾ سناتے ہوئے فرمایا:

''عمر رضی اللہ عنہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے آئندہ سرزد ہونے والی بھی ہر خطا معاف فرما دی ہے اور تم جانتے ہو کہ حاطبؓ اہل بدر میں سے ہیں''۔

حاطب رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر پانی پانی ہو گئے اور آپؐ سے دست بستہ معافی کے طالب ہوئے تو آپؐ نے بغیر کسی سرزنش کے انہیں معاف فرما دیا کہ رحمت عالم کی یہی سیرت تھی۔ اس کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ نے

مندرجہ ذیل آیت شریفہ میں حاطب رضی اللہ عنہ کے اس ارتکاب عمل کا ذکر فرمایا ہے۔ اور مسلمانوں کو ایسی باتوں کے بارے میں ہدایت فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ یاایُّها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوّی و عدوّکم اولیاء تلقون الیهم بالمودة ..... الخ ﴾

ابن اسحٰق نے اس قصے کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔

سہیلی بیان کرتے ہیں کہ حاطب رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خط میں قریش مکہ کو لکھا تھا کہ:

''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری طرف بڑی رات کے برابر یعنی ایک عظیم لشکر لے کر سیلاب کی طرح آنے والے ہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ تنہا بھی تمہارے مقابلے کے لیے تشریف لاتے تب بھی تمہاری شکست یقینی ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ (تمہارے مقابلے میں) آپ کی مدد کا وعدہ فرما چکا ہے جسے وہ یقیناً پورا فرمائے گا''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ابن سلام کے علاوہ جنہوں نے اپنی تفسیر میں اس قصے کو بیان کیا ہے بخاریؒ نے بھی اس واقعے کو مسلم کی سند کے ساتھ پیش کیا ہے۔

فصل:

آنحضرت ﷺ کی مدینے سے مکے کی طرف روانگی

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ اس دفعہ جب آنحضرت ﷺ نے مکے کی طرف روانگی کا ارادہ فرمایا تو مدینے میں اپنی نیابت کے لیے کلثوم بن حصین بن عتبہ بن خلف غفاری کا تقرر فرمایا' آپؐ مدینے سے دسویں رمضان المبارک کو صبح کی نماز کے بعد روانہ ہوئے اور کدید و عسفان کے درمیان امج پہنچ کر روزہ افطار فرمایا۔ پھر اگلی صبح نماز کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر ظہران سے آگے اپنے دس ہزار مسلمانوں پر مشتمل لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالا۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ اس وقت آپؐ کے زیر کمان بارہ ہزار مسلمانوں پر مشتمل لشکر تھا جس میں زہری اور موسیٰ بن عقبہ کے بقول بنی سلیم کے مسلمانوں نے مل کر اور اضافہ کر دیا تھا لیکن بعض دوسرے لوگوں کا بیان یہ ہے کہ آپؐ کے دس ہزار مسلمانوں پر مشتمل اصل لشکر میں بنی سلیم اور بنی مزینہ کے مسلمانوں کے علاوہ راستے میں جتنے قبائل کی بستیاں پڑی تھیں۔ ان کے کچھ نہ کچھ مسلمان شامل ہو گئے تھے اس لیے اس اسلامی لشکر کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تک جا پہنچی تھی۔ ویسے کسی فرد واحد نے اس سفر میں آنحضرت ﷺ کی مزاحمت نہیں کی تھی' کیونکہ اس لشکر میں اکثر مہاجرین و انصار کا کسی نہ کسی قبیلے سے تعلق تھا۔ بخاریؒ نے بھی محمود' عبدالرزاق' معمر اور زہری کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے۔

بیہقی کہتے ہیں کہ ان سے عاصم بن علی نے لیث بن سعد' عقیل اور زہری کے حوالوں سے آنحضرت ﷺ کی مدینے سے روانگی کے بارے میں جو کچھ بیان کیا اور خود زہری نے عبید اللہ بن عبداللہ کی زبانی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے اس بارے میں جو کچھ سنا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ آپؐ مدینے سے ماہ شعبان میں روانہ ہوئے تھے اور ماہِ رمضان راستے میں آیا تھا بلکہ جیسا کہ سعید بن مسیبؒ بتاتے ہیں آپؐ نے مدینے سے روانہ ہو کر قدید و عسفان کے درمیان ایک کنوئیں پر پہنچ کر روزہ افطار فرمایا تھا جس کا یہ مطلب ہے کہ آپ مدینے سے ماہ رمضان ہی میں روانہ ہوئے تھے۔

بخاریؒ علی بن عبداللہ اور جریر کی زبانی منصور' مجاہد' طاؤس اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ماہ رمضان میں مدینے سے روانہ ہوئے تھے اور عسفان میں روزہ افطار فرمایا تھا جس کے بعد مکے پہنچنے تک سفر کے دوران میں کبھی روزہ رکھا تھا اور کبھی قضا فرما دیا تھا۔ اس سے لوگوں کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ سفر کے دوران میں شرعاً روزہ قضا کیا جا سکتا ہے۔ خود ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی کہتے ہیں کہ مدینے سے مکے پہنچنے تک سفر کے دوران میں آنحضرت ﷺ کبھی روزہ رکھتے تھے اور کبھی قضا فرما دیتے تھے اور اس طرح آپؐ کے لشکر والوں میں سے کچھ لوگ اس سفر میں کبھی روزہ رکھتے تھے اور کبھی قضا کر دیتے تھے لیکن [illegible] روزہ داروں نے بھی روزہ قضا کر دیا تھا۔

فصل:

عباسؓ بن عبدالمطلب، ابی سفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور ام المؤمنین ام سلمہؓ کے بھائی عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہم کا قبول اسلام اور مکے کے راستے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ عباسؓ بن عبدالمطلب اور ابوسفیانؓ بن حارث بن عبدالمطلب اپنے اہل وعیال سمیت مکے سے روانہ ہوکر مکے اور مدینے کے راستے میں کسی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جب کہ ابن ہشام کا بیان یہ ہے کہ وہ جحفہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ کا قیام اس سے قبل مکے میں تھا اور دوسرے بنی عبدالمطلب کی طرح وہ بھی عرب کے گوشے گوشے سے آنے والے خانہ کعبہ کے زائرین کے لیے بلا معاوضہ آب رسانی کا کام کیا کرتے تھے اس لیے وہ آپؐ کے چچا ہونے کے علاوہ ابن شہاب بقول زہری ویسے بھی آپ کی پسندیدہ شخصیت تھے۔

ابن اسحٰق ایک دوسری جگہ بیان کرتے ہیں کہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے علاوہ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہما نے بھی مکے اور مدینے ہی کے راستے میں ''بنین العقاب'' نامی قصبے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر آپؐ کے ساتھ مکے چلنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپؐ سے عباس بن عبدالمطلب اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ کہہ کر کہ وہ آپؐ کے چچا اور چچا زاد بھائی ہیں ان کی اس خواہش کو قبول کرنے کی سفارش کی تھی لیکن آپؐ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ انہیں اس معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جب ان لوگوں نے آپؐ سے یہ عرض کیا کہ مکے والے تو آپ کی طرف ان کا جھکاؤ دیکھ کر اب انہیں واپس قبول نہیں کریں گے لہٰذا ظاہر ہے کہ وہ سب کے سب انہی اطراف میں بھٹکتے بھٹکتے بھوکے پیاسے مر جائیں گے تو آپؐ نے ان پر ترس کھا کر انہیں اپنے ساتھ مکے چلنے کی اجازت دے دی تھی جس کے بعد ان سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے پچھلے اعمال پر ندامت اور اسلام میں شمولیت پر مسرت کا اظہار بڑے قابل تعریف اشعار میں کیا ہے جو اکثر کتبِ تاریخ میں ملتے ہیں۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے بعض لوگوں نے بیان کیا کہ قبول اسلام کے بعد جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کو یاد کر کے ایک روز خدا سے اپنے اعمال پر توبہ اور آپؐ کے سامنے اظہار ندامت کر رہے تھے تو آپؐ ان کے سینے پر ایک زوردار ہاتھ جما کر بولے:

''تم بھی تو پہلے ہمارے سینے پر اس طرح [illegible] کرتے تھے''۔ (مفہوم ترجمہ)

فصل:

ظہران سے آگے بیرون مکہ آنحضرت ﷺ کا آخری پڑاؤ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے آنحضرت ﷺ کی عسکری تدبیر کے عین مطابق ظہران سے گزر کر مکے کے بالکل سامنے پہنچنے تک مشرکین مکہ کو آپ کے وہاں پہنچنے کی مطلق خبر نہ ہو سکی۔ حالانکہ ان کے جاسوس مکے اور مدینے کے درمیان عام راستے کے علاوہ بھی ہر راستے کی خبر رکھتے تھے۔ اس لیے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کے بارے میں آپؐ نے جو اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی اسے قبول فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی تھی کہ انہیں وہاں بھی آپؐ یا آپؐ کے لشکر کا کوئی فرد نظر ہی نہ آ سکا۔

بہر کیف کچھ چرواہوں یا ان گوالوں کے ذریعہ جو اہل مکہ کو بیرونِ مکہ سے دودھ فراہم کیا کرتے تھے مشرکین مکہ کو آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے اتنے بھاری لشکر کی مکے کے اس قدر نزدیک آ جانے کی خبر ملی تو وہ ٹپٹا گئے اور انہوں نے اس کی تصدیق کے لیے ابوسفیان بن حارثؓ بدیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام کو مکے سے روانہ کیا اور وہ اِدھر اُدھر ٹوہ لگاتے پھر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نظر میں آ گئے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت آنحضرت ﷺ کی سواری کے سفید خچر پر آپ کی اجازت بلکہ حکم سے سوار تھے اپنے ساتھیوں کو ملا کر ان تینوں بلکہ ان کے ساتھیوں کے گرد بھی انہیں گرفتار کرنے کے لیے گھیرا ڈالا تو ابوسفیان خود ہی دوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے اور ان سے بولے: ''اخاہ! عباسؓ میرے بھائی تم؟ تم یہاں کہاں؟''۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''تمہیں کیا معلوم نہیں کہ میں بدیل بن ورقاء اور حکیم ابن حزام تینوں مسلمان ہو چکے ہیں؟''۔

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے حیرت زدہ ہو کر کہا: ''اچھا! اور یہ سفید خچر کس کا ہے جس پر تم سوار ہو؟'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے:

> ''یہ رسول اللہ (ﷺ) کا خچر ہے اور آپؐ نے مجھے یہ دے کر تم جیسے مشرکین کے جاسوسوں کا سراغ لگانے اور گرفتار کرنے کے لیے بھیجا ہے''۔

اتنا کہہ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ابوسفیان اور ان کے سب ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لے چلے۔

آنحضرت ﷺ نے عسکری حسن تدبیر کے لحاظ سے اپنے لشکر کو ظہران کے عام راستے یا گزرگاہ وادی کباث سے لے کر مکے کے سامنے کی وادی تک اس طرح چہار جانب پھیل کر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا تھا کہ وہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کم و بیش بارہ ہزار افراد پر مشتمل ہونے کے بجائے اپنی اصل تعداد سے کئی گنا نظر آتا تھا۔ اس وقت آپؐ اپنی اس عسکری تدبیر کی کامیابی کے علاوہ مشرکین کو خبر ہوئے بغیر اپنے اس لشکر کے ساتھ وہاں تک پہنچ جانے پر مسرور نظر آ رہے تھے۔ اس لیے آپؐ کے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے دریافت کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) آپ اس وقت بہت مسرور نظر آ رہے ہیں کیا آپ کو اس کامیابی کے علاوہ یہاں مال غنیمت کے وہ انبار بھی نظر آ رہے جو فتح مکہ کے بعد ہم اہل ایمان کی دسترس میں آنے والے ہیں؟''۔

آنحضرت ﷺ نے جواباً فرمایا:

''ہاں لیکن یہ مال غنیمت نہیں ہے جو آپ لوگ سمجھ رہے ہیں بلکہ میری نظر میں یہ سرزمین ہے جو ظلمت کفر کی انتہائی ناپاکی سے نکل کر ان شاء اللہ پاک ترین ہونے والی ہے''۔ (تشریحی ترجمہ)

آنحضرت ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کے پیش نظر دنیاوی مال و دولت کے بجائے آپ کے بقول صرف وہ سرزمین تھی جو فتح مکہ کے بعد خدا کے فضل و کرم سے اہل اسلام کی ملکیت میں آ کر فیضان اسلام سے مشرف ہونے والی تھی اور یہی اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہونے کی حیثیت سے آپ کا مشن تھا یعنی دوسرے غزوات کے علاوہ غزوۂ مکہ اور فتح مکہ سے آپ کا مقصد وحید صرف اسلام کی اشاعت اور اس کا فروغ تھا۔

جب آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس' ابوسفیان' بدیل اور حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں لیے جا رہے تھے تو ان کا گزر مدینے کے مہاجرین و انصار مدینہ کے علاوہ ان مختلف قبائل کے کیمپوں سے ہوا جن کے امتیازی نشانات ان پر لہرا رہے تھے اور ان کے خیموں کے سامنے ان کے چولہے روشن تھے۔ ابوسفیان نے بنی قضاعہ کے کیمپ کے قریب ٹھہر کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''یہ کیمپ کس قبیلے کا ہے؟''۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''تم کیا دیکھ نہیں رہے ہو کہ اس قبیلے کے کیمپ کے سب سے بڑے خیمے پر اس قبیلے کا امتیازی نشان نظر آ رہا ہے؟''۔

ابوسفیان نے کہا: ''یہ کیمپ تو بہت بڑا ہے جب کہ اس قبیلے کے نوجوانوں کی تعداد تو اتنی نہیں ہے''۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے:

''اس قبیلے کا ہر فرد جن میں اس کے جوان' بوڑھے اور نابالغ بچے تک شامل ہیں جوش جہاد میں دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش مشرکین سے جہاد کرنے کے لیے یہاں آ گیا ہے''۔

اسی طرح ابوسفیان جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے کافی بڑے سبز خیمے کی طرف جا رہے تھے تو ہر قبیلے کے کیمپ سے اپنے دونوں مذکورہ بالا ساتھیوں کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں گزرنے اور اس کی حیرت ناک تنظیم اور نظم و ضبط کو دیکھ کر اس پر انگشت بدنداں ہوتے ہوئے چند مخصوص خیموں کے پاس پہنچے تو پہلے خیمے کے سامنے ٹھہر کر بولے: ''یہ خیمہ کس کا ہے؟'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''یہ خیمہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہے'' اور اس سے اگلے خیمے کے بارے میں ابوسفیان کے اسی سوال پر انہوں نے جواب دیا: ''یہ خیمہ ابوبکر ابن قحافہ رضی اللہ عنہما کا ہے''۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابوسفیان اور ان کے مذکورہ بالا دونوں ساتھیوں کو گرفتاری کی حالت میں دیکھ کر کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ جب یہ سب لوگ آنحضرت ﷺ کے بڑے سبز خیمے کے سامنے وہاں جو مجلس مشاورت کے لیے [illegible] داخل ہوئے تو وہاں اس وقت حضرات ابوبکر و عمر [illegible] بھی موجود تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی شکل دیکھتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اجازت دیجیے تاکہ میں ان سب کی خصوصاً آپؐ کے اور خدا کے علاوہ اسلام کے پاس سب سے بڑے دشمن اسلام کی گردن مار دوں' یہ وہی ہے جس نے ہجرت سے قبل آپ کو ایذا رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی بلکہ یہ تو آپ کو قتل تک کرانے میں ہمیشہ پیش رہا ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غیض وغضب کا یہ عالم دیکھ کر رحمت عالم نے جو اس وقت بھی سارے عرب میں اسلام کا درخشاں مستقبل صاف ملاحظہ فرما رہے تھے انہیں صبر کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''عمرؓ! تمہیں معلوم نہیں کہ جس شخص کو تم آج اسلام کا سب سے بڑا دشمن کہہ رہے ہو کسی دن اسلام کا بہت زیادہ حامی اور مدد ومعاون ثابت ہوگا''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو آپؐ کے مزاج شناس اور ہر حالت میں تابع فرمان تھے دم بخود رہ گئے۔ ابوسفیان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ایک جانی دشمن کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر کہا:

اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًا لَّرَسُوْلُ اللّٰهِ.

اور یہ کہہ کر تصدیق قلب کے اظہار کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر لی جس کے بعد ابوسفیان کے دونوں ساتھیوں بدیل بن ورقاء اور حکیم ابن حزام نے بھی بلا تامل اسلام قبول کر لیا بلکہ ان تینوں کے علاوہ دیگر گرفتار شدگان بھی مسلمان ہو گئے۔

بیہقی متعدد مستند حوالوں کے علاوہ آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ' ابوسفیان اور ان کے مذکورہ بالا ساتھیوں کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ سب اسی رات کو مسلمان ہو گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلہ رحمی کا صرف یہی کمال نہیں تھا کہ آپؐ نے ابوسفیان کے پچھلے اعمال اور ان کی حد سے زیادہ دشمنی اور آپؐ سے اظہار عناد سے درگزر فرماتے ہوئے انہیں معاف فرما دیا تھا بلکہ جب اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم فتح مکہ کے دن کو یوم انتقام کہہ رہے تھے آپؐ نے اسے بیت اللہ کی آزادی اور عظمت وحرمت کا دن فرما کر یہ بھی فرمایا تھا کہ جو اس روز ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا یا اس کے دروازے میں داخل ہو جائے گا اور اس سے کوئی تعارض نہیں کیا جائے بلکہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جو شخص حریم کعبہ میں داخل ہو جائے گا وہ بھی اور جو شخص اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کے خلاف تلوار نہیں اٹھائے گا وہ بھی مامون ومصئون ہوگا۔

بخاریؒ حسبِ معمول متعدد مستند حوالوں کے ساتھ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے ایک رات قبل مشرکین مکہ نے تو ابوسفیان' حکیم ابن حزام اور بدیل بن ورقاء کو اسلامی لشکر کی سراغ رسانی کے لیے بھیجا تھا لیکن انہیں یہ خبر ملی کہ یہ لوگ نہ صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں گرفتار بلکہ مسلمان بھی ہو گئے تو وہ حد درجہ سراسیمہ ہو گئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کا مکے میں داخلہ

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں زہری وانس کے حوالے سے امام مالک کا یہ بیان درج کیا گیا ہے کہ غزوۂ فتح مکہ کے روز جب آنحضرت ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ مکے میں داخل ہوئے اور مشرکین لڑنے کے لیے آپ کے مقابل آئے تو اس وقت آپؐ کے سر مبارک پر خود اور اس کے نیچے سیاہ عمامہ شریف تھا جس کا شملہ آپؐ کے دوش مبارک پر ایک طرف پڑا ہوا تھا تاہم آپؐ نے اس وقت احرام باندھا ہوا نہیں تھا۔

اسی روایت میں ہے کہ اس وقت مجاہدین اسلام میں سے کسی نے آپ سے دریافت کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) اگر مشرکین ہم سے لڑتے لڑتے بھاگ کر جب ہم ان کے تعاقب میں ہوں بیت اللہ شریف کے زیر سایہ چلے جائیں تو ہم کیا کریں؟''۔

آپؐ نے فرمایا: ''انہیں قتل کردو''۔ یہ سوال یقیناً اس لیے کیا گیا تھا کہ حکم شریعت کے مطابق بیت اللہ میں بلکہ اس کے گرد و پیش بھی کسی جانور تک کو مارنا حرام تھا اور ہے لیکن آپ کا یہ ارشاد گرامی بھی اسی حکم شریعت کے عین مطابق تھا جس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر دشمنانِ اسلام وہاں مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں تو انہیں قتل کرنا ناجائز نہیں ہے۔ مسلم وترمذی کے حوالے سے اہل سنت کے فقہی ائمہ اربعہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اعظم امام ابوحنیفہؒ نے مندرجہ بالا حدیث نبوی کی روشنی میں یہی بیان کیا ہے۔

ویسے متعدد ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے روز مشرکین مکہ میں سے جس شخص نے بھی آنحضرت ﷺ سے ہمکلام ہونا چاہا تو آپؐ نے اسے انتہائی نرمی سے جواب دیا۔ جب مجاہدین میں سے کسی نے مشرکین مکہ کے بارے میں یہ کہنا چاہا کہ انہوں نے ماضی میں آپؐ پر کتنے مصائب اور ظلم توڑے تھے تو آپؐ نے اسے سختی سے روک کر فرمایا:

''اسی مکے کی عورتوں میں سے ایک عورت کے شکم سے میری ولادت ہوئی ہے''۔

اس حدیث نبوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے فتح مکہ کے روز بھی جو مشرکین کے مقابلے میں آپ کی عظیم الشان فتح اور ان کی شرمناک شکست فاش کا دن تھا آپؐ نے اپنے کسی ساتھی کو انہیں بے سبب قتل کرنے بلکہ سختی سے پیش آنے تک کی اجازت نہیں دی تھی جب تک ان کا کوئی اقدام معاندانہ وجنگجویانہ نہ ہو جب کہ روم کے حکمران نے بیت المقدس میں داخل ہو کر وہاں بنی اسرائیل کو ذلیل اور شرمناک انداز میں سربسجود ہونے کا حکم دیا تھا۔

متعدد اہل علم نے مکے میں آنحضرت ﷺ کے باوقار داخلے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آپؐ وہاں کے بالائی حصے سے شہر میں داخل ہوئے تھے جب کہ بیہقی نے متعدد دیگر حوالوں کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی آپؐ کے عسکری ملبوسات' سیاہ

نمائے اور سواری کی تفصیلات کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپؐ مکے کے نشیبی حصے سے وہاں داخل ہوئے تھے اور مکے کے بالائی حصے سے وہاں داخل ہونے والے خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ صحیح بخاری میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔

مشہور ہے کہ فتح مکہ کے روز آنحضرت ﷺ وہاں کے مشرک مردوں سے زیادہ خواتین کے ساتھ نرمی واخلاق سے پیش آئے تھے۔ حسان ابن ثابت نے اپنے اشعار میں فتح مکہ کے ساتھ آپؐ کے اس حسن اخلاق کا بھی ذکر کیا ہے۔

جب مکے کی خواتین جوق در جوق آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے لگیں تو آپؐ نے متبسم ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''انہیں اس عزت واحترام سے میرے پاس آنے دو جس کا ذکر حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں کیا ہے''۔

جب آنحضرت ﷺ حریم کعبہ میں تشریف فرما تھے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

''ان بزرگ کو ان کے گھر ہی میں رہنے دیتے تا کہ میں خود ان کے پاس آتا''۔

اس کے بعد آپؐ نے انہیں احترام کے ساتھ اپنے قریب بٹھایا اور ان کے سر کے سفید جھک بالوں پر شفقت سے دست مبارک پھیر کر فرمایا: ''یہ سفید بال ان کا امتیازی نشان ہیں''۔ اس کے بعد آپؐ نے ان سے فرمایا: ''مسلمان ہو جائیے'' آپ کی زبان مبارک سے یہ سنتے ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جب مکے میں داخل ہوئے تو اسلامی علم ان کے ہاتھ میں تھا اور وہ کہہ رہے تھے:

''آج قتل وغارت کا دن ہے' آج کفار کی عزت وحرمت منانے کا دن ہے''۔ (کچھ راوی یہ قول عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب کرتے ہیں)

بہرحال جب کسی نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات آنحضرت ﷺ کو سنائی تو آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''سعد سے علم لے لو اور اسے لے کر تم مکے میں داخل ہو'' اس کے علاوہ آپؐ نے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' یہ بھی فرمایا: ''آج کعبۃ اللہ کی عزت اور اس کے احترام کا دن ہے'' ظاہر ہے کہ آپؐ کے اس قول سے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے قول کی نفی مقصود تھی۔

کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے علم لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا جائے جس سے سعد رضی اللہ عنہ کی طرف تادیب مقصود تھی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مکے میں داخلے سے ایک روز قبل آنحضرت ﷺ نے خیف بنی کنانہ میں پڑاؤ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

''ان شاء اللہ تعالیٰ کل ہماری منزل مکہ ہوگی جہاں اللہ تعالیٰ ہمیں فتح سے ہمکنار فرمائے گا''۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ ان سے عبداللہ ابن ابی نجیح اور عبداللہ بن ابی بکر نے بیان کیا کہ صفوان بن امیہ' عکرمہ [illegible] جہل اور سہیل [illegible] خندمہ میں جمع ہو کر فتح مکہ سے قبل مسلمانوں سے جنگ کے لیے باہم مشورہ اور تیاری کر رہے تھے۔

دوسری طرف بنی بکر کا بھائی بند حماس بن قیس بن خالد اپنے جسم پر اسلحہ جست جاتے ہوئے ساتھ ساتھ اپنی تلوار کی تعریف میں اشعار بھی کہتا جارہا تھا۔ جب اس کی بیوی نے اس سے پوچھا کہ یہ تیاری کس کے مقابلے کے لیے ہو رہی ہے تو وہ بولا: ''محمدؐ اور ان کے صحابہؓ سے مقابلے کے لیے۔'' یہ سن کر اس کی بیوی نے کہا: ''محمدؐ اور ان کے صحابہ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔'' اس پر حماس بن قیس بولا: ''میں ان کے بعض صحابہ کا تو خاتمہ کر ہی دوں گا''۔

جب یہ سب لوگ خندمہ میں جمع تھے تو انہیں مسلمانوں کی ایک جماعت نے جو خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر مشتمل تھی' دیکھ لیا۔ پہلے کرز بن جابر نے بنی محارب بن فہر کے ایک شخص کو قتل کیا۔ پھر یہ لوگ دوسروں کی طرف متوجہ ہوئے۔ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ جن کے لشکر کے یہ ساتھی کفار کے اس گروہ کے ہر شخص کو قتل کرنا چاہتے تھے خود اس لشکر میں شامل تھے لیکن انہوں نے راستہ کاٹ کر اور دوسری طرف سے آ کر ان کافروں کو گھیر لیا اور صفوان وعکرمہ نیز حماس بن قیس کے علاوہ جو میدان چھوڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے چن چن کر سب کو قتل کر ڈالا۔ اس معرکے میں خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں بارہ یا تیرہ مشرکین قتل ہوئے۔

حماس بن قیس جب خندمہ سے بھاگ کر اپنے گھر پہنچا تو اس نے اپنی بیوی کو فی البدیہہ اشعار میں جیسا کہ اکثر عربی قبائل کی عادت تھی اس کے دریافت حال پر یہ داستان سنائی کہ اس نے اپنی تلوار کے جوہر دکھاتے ہوئے کئی مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا لیکن جب صفوان اور عکرمہ بن ابوجہل میدان چھوڑ بھاگے تو اسے بھی مجبوراً بھاگنا پڑا۔

مذکورہ بالا معرکہ حق و باطل میں مشرکین کے ہاتھوں کئی مسلمان بھی شہید ہو گئے تھے۔

طبرانی نے مختلف حوالوں کے ساتھ فتح مکہ کا ذکر کرتے ہوئے درج ذیل حدیث نبوی بھی تحریر کی ہے۔ طبرانی کے بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کی تخلیق کے روز اس شہر (مکہ) میں قتل و غارت کو حرام قرار دے کر اسے اور اس کی گرد و پیش سرزمین کو سورج اور چاند کی طرح منور فرمایا۔ مجھ سے پہلے بھی یہاں قتل و غارت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر شخص کے لیے حرام تھے۔ اس نے (صرف) مجھے آج یہاں ایک ساعت کے لیے کفار کو قتل کرنے اور اس کا حکم دینے کی اجازت دی ہے جس کے بعد یہ شہر اللہ تعالیٰ کے اسی حکم کے تحت آ جائے گا''۔ (حدیث نبوی کا مفہومی وتشریحی ترجمہ۔ مترجم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے بعد کسی نے آپؐ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ جو یہاں اب تک کفار کو بے دریغ قتل کیے چلے جا رہے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یا آپؐ نے صرف انہیں اس کا حکم دیا ہے؟''۔

اس شخص کے اس سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شخص سے فرمایا:

''اٹھو اور اسی وقت خالدؓ (ابن ولید) کو میرے پاس لے آؤ''۔

[illegible]

ہیں اپنے حکم کی خلاف ورزی پر ان سے باز پرس کی اور پوچھا:

''کیا میں نے تمہیں (اپنے حکم کے بغیر) کسی کو قتل کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟'' ۔

تو وہ بولے۔

''یارسول اللہ (ﷺ) فلاں شخص نے مجھے آپ کا یہ حکم سنایا تھا کہ ''جس شخص پر تم قابو پا لو اسے قتل کر دو۔ اس کے علاوہ مجھے مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم معلوم تھا کہ'' حرم میں بھی اگر کوئی کافر تم سے لڑے تو تم اسے قتل کر سکتے ہو''۔

اس کے بعد خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا:

''کیا حضورؐ سے اس سلسلے میں اجازت طلب کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کھلی اجازت پر ترجیح دی جا سکتی ہے؟ یہاں جن مواضع پر میں نے کفار کو قتل کیا وہ وہی تھے جن پر خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے قتل کی اجازت دی ہے''۔

خالد ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مندرجہ بالا سوال کے جواب میں خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ یہ دلیل سن کر آپؐ خاموش ہو گئے اور کسی ردعمل کا اظہار نہیں فرمایا۔

ابن اسحٰق مزید کہتے ہیں کہ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے جواب کے بعد آنحضرت ﷺ کے سکوت کی وجہ تھی کہ خود آپؐ نے اسی روز مسلمانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ ''اگر کفار تم سے لڑتے ہوئے بیت اللہ کے زیر سایہ بھی پہنچ جائیں تو انہیں قتل کر دو''۔ اور آپ کا یہ حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بیت اللہ شریف میں یا اس کے زیر سایہ بھی جن لوگوں کا نام لے کر انہیں قتل کرنے کا حکم دیا تھا ان میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی تھا جو پہلے مسلمان ہو کر کچھ عرصے تک کاتب وحی بھی تھا لیکن بعد میں مرتد ہو کر مکے چلا آیا تھا۔ وہ فتح مکہ کے روز آپؐ کے حکم کے مطابق قتل ہونے سے بچ گیا تھا اور اس نے بھاگ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جو اس کے رضاعی بھائی تھے پناہ لے لی تھی۔

اس کے بعد چونکہ آنحضرت ﷺ نے اسے، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے معاف فرما دیا تھا اور اس نے خود بھی توبہ کر کے اسلام سے رجوع کر لیا تھا اور دوبارہ صدق دل سے مسلمان ہو کر بلند کردار ثابت ہوا تھا اسی لیے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے عہد خلافت میں اسے عمال میں شامل کیا تھا۔

جب فتح مکہ کے روز وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ اسے دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے۔ جب آپؐ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ:

''جب وہ خود ہی اپنے آپ کو قتل کر چکا تھا تو میں اس کے بعد اسے کیا سزا دیتا''۔ (حدیث نبوی کا مفہومی ترجمہ)

اس کے بعد بھی جب آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ:

''اگر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اور معافی طلب کرنے کے بعد دوبارہ مسلمان نہ ہو جاتا تو آپ اس سے

میں کیا حکم صادر فرماتے ہیں؟''

اس سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا تھا:

''نبی مفروضات پر قتل کا حکم نہیں دیا کرتے''۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی وفات صبح کی نماز پڑھتے ہوئے مسجد میں اور بعض روایات کے مطابق اس کے فوراً بعد اس کے گھر میں ہوئی تھی جس کا ذکر ہم حسب موقع ان شاء اللہ عنقریب تفصیل سے کریں گے۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا حکم کے تحت جو لوگ فتح مکہ کے روز قتل ہونے سے بچ گئے تھے ان میں بنی تیم بن غالب کا ایک شخص عبداللہ بن خطل بھی تھا۔

کہا جاتا ہے کہ قبول اسلام سے قبل اس کا نام عبدالعزیٰ بن خطل تھا اور قبول اسلام کے بعد اس کا نام عبداللہ رکھا گیا تھا۔ (مؤلف)

ابن اسحٰق کے بقول جہاں تک بعض مستند روایات سے انہیں معلوم ہوا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور عبدالعزیٰ بن خطل کے علاوہ دو افراد اور ایسے تھے جن کے قتل کا حکم آنحضرت ﷺ نے دیا تھا۔ عبدالعزیٰ بن خطل کے مسلمان ہو جانے کے بعد آپؐ نے اسے کسی کام سے مدینے کے باہر بھیجا تھا اور اس کے ساتھ انصار میں سے ایک شخص بھی بھیجا تھا۔ عبدالعزیٰ بن خطل نے جس کا نام اس وقت عبداللہ تھا کسی بات پر غصے میں آ کر اپنے غلام کو جو اس کے ساتھ تھا قتل کر دیا لیکن اس کے بعد بھاگ کر نہ صرف مرتد ہو گیا تھا بلکہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو کیا کرتا تھا جس میں اس کی بیوی اور اس کی کنیز بھی شامل ہو جاتی تھیں۔ عبداللہ بن خطل اور اس کی بیوی کی کنیز کو ابو برزہ اسلمی اور سعید بن حریث مخزومی نے قتل کر دیا لیکن اس کی بیوی حرم میں چھپ کر بھاگ نکلی تھی۔

ان کے علاوہ ان لوگوں میں حویرث ابن نقیذ بن وہب بن عبد قصی بھی تھا جو ہجرت سے قبل مکے میں آنحضرت ﷺ کو حد سے زیادہ ایذا پہنچایا کرتا تھا۔ جب عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہجرت کے اوّلین زمانے میں آنحضرت ﷺ کی بیٹیوں فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپؐ کے پاس لے جا رہے تھے تو جس اونٹ پر یہ دونوں سوار تھیں اسے اسی حویرث نے راستہ روک کر بدکا دیا تھا جس کی وجہ سے آپ کی مذکورہ بالا دونوں بیٹیاں اس اونٹ کی پشت سے زمین پر گر پڑی تھیں فتح مکہ کے روز حویرث کا خون بھی مسلمانوں پر مباح کر دیا گیا تھا لیکن اسے خانہ کعبہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔

ابن اسحاق نے مذکورہ بالا اشخاص کے علاوہ مقیس بن صبابہ کا ذکر بھی کیا ہے جس نے اپنے بھائی کے قاتل کو سہواً قتل کر دیا لیکن جب اس سے دیت طلب کی گئی تو وہ بھی بھاگ کر مرتد ہو گیا تھا۔ اسے فتح مکہ کے روز اسی کے قوم کے ایک شخص نمیلہ بن عبداللہ نے قتل کیا تھا۔

ابن اسحٰق نے ان لوگوں کے ساتھ جن کا خون بہانا آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے روز مسلمانوں کے لیے مباح فرما دیا تھا بنی عبدالمطلب اور عکرمہ بن ابوجہل کی ایک کنیز سارہ کا بھی ذکر کیا جو مسلمان ہونے کے بعد حاطب کا خط لے کر مدینے سے مکے آ رہی تھی اور راستے میں پکڑی گئی تھی۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ وہ ہجرت سے قبل مکے میں آپ کو تکالیف پہنچانے میں پیش پیش رہتی تھی

لیکن جہاں تک بعض دوسرے اہل علم سے ہمیں معلوم ہوا ہے اور ہم پہلے اس کا ذکر بھی کر چکے ہیں سارہ کو گرفتاری کے بعد آنحضرت ﷺ نے معاف فرما دیا تھا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ رہ کر مدینے ہی میں کسی کے گھوڑے کے نیچے آ کر مری تھی۔ (مؤلف)

کہا جاتا ہے کہ مکہ کی مکمل فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے طواف کے بعد خانہ کعبہ میں ایک ہی سلام سے آٹھ رکعتیں نماز ادا فرمائی تھیں جیسا کہ آپ کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتح مدائن کے بعد ایوان کسریٰ میں آٹھ رکعت نماز شکرانہ ادا کی تھی لیکن سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے برعکس ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر بن زبیر نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن ثور اور صفیہ بنت شیبہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے بعد مکمل اطمینان ہو جانے پر مقام استیلام پر سات بار حجر اسود کا طواف کرنے کے بعد عثمان بن طلحہ کو طلب فرمایا اور ان سے کعبے کی کنجیاں لے کر اس کا دروازہ کھلوایا اور جب آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے وہاں کبوتر کی شکل کا سامنے ہی ایک بت دیکھا اور اسے آپؐ نے اپنے ہاتھ سے توڑ کر ایک طرف پھینک دیا۔ اس کے بعد آپؐ لوگوں کے ہمراہ مسجد الحرام میں تشریف لے گئے جہاں آپؐ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی یا دو سجدے کیے۔ اس کے بعد آپ زمزم پر تشریف لے گئے اور وہاں پہلے پانی طلب فرما کر پیا' پھر وضو فرمایا۔

جب آپؐ کے ہمراہ وہاں آنے والے مسلمانوں نے وضو کرنا شروع کیا تو مشرکین انہیں حیرت سے دیکھنے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ: ''ایسی عجیب وغریب بات تو ہم نے پہلے کبھی دیکھی تھی نہ سنی تھی''۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان سے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کے حمد وثنا کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ اس نے اپنے وعدے کے مطابق آپ کو فتح مکہ سے سرفراز فرمایا اور دشمنوں کو شکست دی۔ اس کے بعد آپؐ نے کہا کہ:

''یا اللہ مجھے یہاں کے مال ومنال سے کوئی رغبت نہیں ہے کیونکہ تیرے دین کے مقابلے میں تیرے فضل وکرم سے یہ سب کچھ میرے لیے ہیچ اور میرے قدموں کے نیچے ہے۔ میرے لیے کعبے کی خدمت اور حجاج کی سقائی کافی ہے' اگر میرے ہاتھوں یہاں سہواً کوئی بے جا قتل ہوا ہے تو میں اس کی دیت فی کس سو اونٹوں کے حساب سے ادا کروں گا''۔ (حدیث نبوی کا تشریحی ترجمہ۔ مترجم)

اس کے بعد آپؐ نے مشرکین قریش سے جو وہاں جمع ہو گئے تھے یوں خطاب فرمایا:

''اے قریش کے لوگو! تم سے زمانہ جاہلیت کی نخوت اور اپنے آباء واجداد پر بے جا نخوت (آج) چلی گئی' تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے''۔

اس کے بعد آپؐ نے یہ قرآنی آیت ﴿ یَاأَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ أُنْثٰی ﴾ فرمایا کہ یہ خالق کائنات خدائے واحد کا مخلوق انسانی سے خطاب ہے۔ (حدیث نبوی کا تشریحی ترجمہ)

اس کے بعد آپؐ نے مشرکین مکہ سے دریافت فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ (آج) میرا تم سے کیا سلوک ہوگا؟''۔
آپؐ کے اس سوال کے جواب میں قریش مکہ نے یک زبان ہو کر کہا: ''وہی جس کی ایک مہربان بھائی کے بیٹے سے امید کی جا سکتی ہے''۔ ان کے اس جواب پر آپؐ نے فرمایا: ''جاؤ تم سب آزاد ہو''۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ مسجد الحرام میں جا کر تشریف فرما ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے قریب کھڑے ہو کر آپؐ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) ہمارے لیے کسی ادب خانہ (بیت الخلاء) اور اس کے ساتھ سقایہ کے بندوبست کا حکم دے دیجیے''۔

آپؐ نے علی رضی اللہ عنہ کی اس درخواست کے جواب میں فرمایا: ''عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ انہیں بلاؤ''۔ جب عثمان بن طلحہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا ''بیت اللہ کی مفتاح برداری کا کچھ کرشمہ دکھائیے، آج نیکی اور وفا کا دن ہے''۔

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ انہیں بعض اہل علم نے بتایا کہ فتح مکہ کے روز جب آنحضرت ﷺ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو آپؐ نے وہاں دیواروں پر فرشتوں وغیرہ کی تصاویر بنی ہوئی دیکھیں جن میں ایک تصویر ایسی تھی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فال لینے کے تیروں سے تقسیم کرتے دکھایا گیا تھا جس کا زمانہ جاہلیت میں عربوں میں عام دستور تھا۔ آپؐ نے وہ تصویر دیکھ کر فرمایا:

''خدا انہیں ہلاک کرے جنہوں نے ہمارے ان بزرگ کو اس تصویر میں فال لینے کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کرتے دکھایا ہے (معاذ اللہ) کہاں شان ابراہیمی اور کہاں فال لینے کے تیر''۔

اس کے بعد آپؐ نے یہ قرآنی آیت تلاوت فرمائی:

﴿ مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

اس کے بعد آپؐ کے حکم سے وہ تمام تصاویر بیت اللہ شریف کی ان اندرونی دیواروں سے مٹا دی گئیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان تمام تصاویر کو آپؐ کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مٹایا تھا اسی روایت میں ہے کہ خانہ کعبہ میں اس روز حضور نبی کریم ﷺ نے سنگین ستونوں پر رکھے ہوئے تین سو یا بعض روایات کے مطابق تین سو ساٹھ بت دیکھے تھے۔ آپؐ ان کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہر بت کے منہ پر اپنا عصا مارتے اور فرماتے جاتے تھے:

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾

بخاریؒ متعدد حوالوں کے ساتھ ان بتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان کی طرف اپنے عصا سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے جاتے تھے:

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ جَآءَ الْحَقُّ وَ مَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَ مَا يُعِيْدُ ﴾

اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ بیت اللہ شریف کے اندر تشریف لے گئے تو آپؐ نے وہاں ان کا کوئی نشان نہ دیکھا کیونکہ وہ وہاں سے ہٹا دیئے یا توڑ پھوڑ دیئے گئے تھے۔

بخاریؒ اور لیث کہتے ہیں کہ ان سے یونس نے بیان کیا کہ انہیں نافع نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ جب مکے کے بالائی حصے سے سواری پر خانہ کعبہ کی طرف تشریف لائے تو آپؐ کے پیچھے یکے بعد دیگرے ایک ہی قطار میں اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔ آپؐ نے کعبہ میں پہنچ کر بیت اللہ کے اندرونی دروازے کی کنجیاں طلب فرمائیں اور اسامہ بن زید' بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ وہاں داخل ہوئے' پھر مسجد الحرام میں تشریف لا کر دن کا ایک بڑا حصہ وہاں گزارا' دوسرے لوگ جو آپ کی قدم بوسی کے لیے بے قرار تھے ان میں آگے آگے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ بیت اللہ کے دروازے پر بلال رضی اللہ عنہ مستعد کھڑے ہیں۔ عبداللہ بن عمر نے بلال رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ''آنحضرت ﷺ نے نماز کہاں پڑھی؟''۔ تو بلال رضی اللہ عنہ نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ بلال رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنا بھول گئے کہ آنحضرت ﷺ نے وہاں جس طرف انہوں نے اشارہ کیا تھا کتنی رکعات نماز پڑھی تھی یا کتنے سجدے کیے تھے۔

امام احمد کی اس بارے میں یہ روایت ہے کہ انہیں متعدد ثقہ افراد نے ہیثم' ابن عون نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتایا کہ جب رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے ہمراہ فضل بن عباس' اسامہ بن زید' عثمان بن طلحہ اور بلال رضی اللہ عنہم تھے۔ آپؐ نے بلال رضی اللہ عنہ کو دروازہ کھولنے کے لیے فرمایا اور وہاں خاصی دیر تشریف فرما رہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بلال رضی اللہ عنہ سے وہاں سب سے پہلے وہی ملے تھے اور انہوں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کہاں پڑھی؟ تو انہوں نے دوستونوں کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''ان دوستونوں کے درمیان''۔

صحیح بخاری میں یہ روایت یوں درج ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب اس وقت نماز ادا فرمائی تو بیت اللہ کا دروازہ آپؐ کے سامنے اور باقی عمارت جس کا ایک ستون آپؐ کے داہنی جانب اور دوستون بائیں جانب تھے آپؐ کے پس پشت تھی اور بیت اللہ کے تین دوسرے ستون وہاں سے کچھ دور تھے۔ بخاریؒ کے بقول خانہ کعبہ کی پوری عمارت اس زمانے میں صرف چھ ستونوں پر قائم تھی اور اس کے احاطے کی دیوار وہاں سے ہر طرف تین جریب کے فاصلے پر تھی۔ (مؤلف)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں اسماعیل اور لیث نے مجاہد اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ کے روز خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ جب بلال رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے حکم سے وہاں اذان دی اس وقت ابوسفیان بن حرب' عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ سے بہت دور بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب کے بقول اللہ تعالیٰ کو غالباً یہ بات ناپسند تھی کہ قریش کے یہ سردار اس وقت اذان کی آواز سن سکیں کیونکہ وہ پہلے اسے سن کر طیش میں آ جاتے تھے۔ تاہم اس وقت آواز اذاں سن کر انہیں غصہ نہیں آیا تھا۔

عبدالرزاق نے معمر اور ایوب کے حوالے سے ابن ابی ملیکہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو

خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دینے کا حکم دیا تھا اور جب مشرکین قریش نے بلال رضی اللہ عنہ کو وہاں چڑھے دیکھا تو بولے:

''اس حبشی غلام کو تو دیکھو کہ یہ کہاں چڑھا ہوا ہے''۔

محمد بن سعدؒ نے واقدیؒ محمد بن حرب' اسماعیل بن ابی خالد اور ابی اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا ہے فتح مکہ کے روز ابوسفیان شاید ایک جگہ بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ قریش کو جمع کر کے کاش ایک بار پھر آنحضرت ﷺ سے جنگ کر سکتا کہ اچانک آپؐ اسی وقت اس کے سر پر پہنچ گئے اور آپؐ نے اس کے سینے پر مکا مار کر فرمایا: ''آج تجھے اللہ نے ذلیل کیا ہے''۔ آپ کی زبان مبارک سے یہ سن کر ابوسفیان سر اٹھا کر بولا:

''کیا میں نے آپ کو یقین نہیں دلایا ہے کہ اب میرے نزدیک آپؐ (سچے) نبی ہیں اور تا قیامت رہیں گے؟''۔

بیہقی کہتے ہیں کہ انہیں عبداللہ الحافظ' ابوحامد بن حسن المقری' احمد بن یوسف سلمی' محمد بن یوسف الفریابی اور یونس بن ابی اسحٰق نے ابی السفر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ فتح مکہ کے روز آنحضرت ﷺ وہاں کی ایک عام سڑک سے گزر رہے تھے اور ابوسفیان آپؐ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور مشرکین مکہ اس پر آوازے کس رہے تھے تو یقیناً وہ اپنے دل میں سوچ رہا ہوگا کہ کاش وہ آپؐ سے آخری بار اور جنگ کر سکتا کیونکہ اس وقت آپؐ نے پلٹ کر اس کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: ''تجھے یہ ذلت اللہ نے دی ہے''۔

بیہقی نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے روز بعض اہل اسلام خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رات سے صبح تک تکبیر و تسبیح و تہلیل اور طواف میں مصروف رہے تھے اور ابوسفیان نے یہ دیکھ کر ہند سے کہا تھا: ''یہ سب اللہ کی طرف سے ہے''۔ اور اس نے بھی یہی جواب دیا تھا کہ: ''ہاں یہ سب اللہ کی طرف سے ہے''۔

جب صبح کو ابوسفیان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اس سے فرمایا:

''کیا تم نے ہند سے رات یہ کہا تھا کہ جو کچھ تم دیکھ رہی ہو وہ سب اللہ کی طرف سے ہے؟''۔

ابوسفیان نے جواب دیا: ''جی ہاں! میں نے یہی کہا تھا''۔

اس کے بعد ابوسفیان نے کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور ہر شخص ہند کے سوا یہ سن کر میری تائید کرے گا''۔

یاد رہے کہ فتح مکہ کے روز جن مشرکین کے قتل کا حکم آنحضرت ﷺ نے دیا تھا ان میں عکرمہ بن ابوجہل بھی شامل تھا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچا کر مکے سے فرار ہو گیا اور یمن جا پہنچا تھا۔ تاہم اس کی بیوی جو مسلمان ہو کر مدینے چلی گئی تھی اسے یمن سے مدینے لے آئی تھی اور اس نے اسے آپ کی خدمت میں لے جا کر اس کے لیے آپؐ سے معافی طلب کی تھی تو آپؐ نے اسے معاف فرما دیا تھا جس کے بعد وہ اپنے پچھلے گناہوں سے تائب ہو کر صدق دل سے مسلمان ہو گیا تھا۔ (مؤلف)

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ انہیں دوسرے متعدد لوگوں کے بیانات کے علاوہ مجاہد کے بیان سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے روز' جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' صاف طور پر ارشاد فرمایا تھا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے مکے کی سرزمین اور اس کے گرد و پیش کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے دن سے سرزمین حریت قرار دیا ہے' یہاں اس کے حکم کے مطابق نہ شکار کھیلا جا سکتا ہے یعنی کسی جانور یا پرندے کو شکار کیا جا سکتا ہے نہ مارا جا سکتا ہے' یہی حکم یہاں کی فضا میں پرندوں کے شکار پر بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہی حکم یہاں جنگ و جدل اور قتل و غارت کے بارے میں بھی ہے البتہ لڑائی کے موقع پر جوابی کارروائی کی اجازت ہے''۔

کسی نے پوچھا:

''یارسول اللہ (ﷺ) جو آبی پرندے یہاں کی فضا سے اُڑتے ہوئے گزریں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟''۔

اس سوال پر آپؐ نے قدرے سکوت فرما کر جواب دیا: ''وہ حلال ہیں''۔

آخر میں آپؐ نے فرمایا کہ:

''یہ حکم مجھ سے پہلے بھی تھا اور میرے بعد بھی تا قیام قیامت برقرار رہے گا''۔ (حدیث نبوی کا مفہومی وتشریحی ترجمہ۔مترجم)

فتح مکہ کے روز آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا حکم کے تحت حرمت مکہ کے سلسلے میں وہاں بیت اللہ ہونے کے سبب اپنے مندرجہ بالا ارشادات گرامی کا عامۃ الناس کے لیے مکمل عملی ثبوت فراہم فرمایا تھا اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' آپؐ نے اس روز چند مخصوص ازلی دشمنان خدا و اسلام کے سوا مکے میں قتل و غارت کی سختی سے ممانعت فرما دی تھی بلکہ مکے میں داخل ہونے سے قبل' جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' آپؐ نے خندمہ ہی میں فرما دیا تھا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے' جو اپنا گھر بند کر کے بیٹھ جائے اور جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے وہ مامون و مصئون رہے گا۔ فتح مکہ کے روز آنحضرت ﷺ کے اس قول و عمل کی بنیاد پر جمہور علمائے اسلام نے بالاتفاق یہ فتویٰ دیا ہے کہ کسی قوم سے صلح کے بعد اس کے کسی شہر میں مسلمانوں کا وہاں داخل ہو کر مال غنیمت کے حصول کے لیے کسی کے خلاف تلوار اٹھانا حرام ہے۔

جیسا کہ متعدد مستند روایات سے ثابت ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے مشرکین مکہ کو جمع کر کے ارشاد فرمایا تھا کہ:

''تمہارے جو لوگ مر چکے وہ مر چکے اور جو زندہ ہیں وہ زندہ رہیں گے''۔

یعنی نہ انہیں قتل کیا جائے گا نہ ان سے کوئی تعارض کیا جائے گا۔ فتح مکہ کے بعد وہاں مشرکین سے مال غنیمت کا عدم حصول اور تقسیم سے دستبرداری تاریخ اسلام کا سنہری باب اور ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔

ابن ہشام کے بقول حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر متعدد مسلمان شعراء نے فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ اور مجاہدین اسلام کی مدح میں کثرت سے اشعار کہے تھے جب کہ عرب کے مشرک شعراء نے ان کی ہجو میں اشعار کہے تھے۔

مشہور شاعر عبداللہ بن زبعری سہمی جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا اور اس کے علاوہ عرب کے دیگر مشرک شعراء نے فتح مکہ کے بعد مسلمانوں اور اسلام کی ہجو کرنے میں اپنا دفاع اور سارا زور قلم صرف کر دیا تھا لیکن بعد میں توبہ کر کے جب مسلمان ہو گئے تھے تو پھر ان کا سارا زور قلم دین اسلام کی مدح و ثنا میں صرف ہونے لگا تھا۔ (مؤلف)

فصل:

فتح مکہ کے شرکاءومشاہدین کی تعداد

ابن اسحٰق نے فتح مکہ میں شریک مجاہدین اسلام اوراس کا مشاہدہ کرنے والے دوسرے لوگوں کی جواس روز مسلمان ہوئے تھے مجموعی تعداد کے بارے میں جواعداد وشمار پیش کیے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

مجاہدین بنی سلیم	ایک ہزار
مجاہدین بنی غفار	چارسو
مجاہدین مزینہ	چارسو
مدینے کے مہاجرین وانصار مجاہدین قبائل تمیم وقیس اور بنی اسد کے مجاہداوران قبائل کے حلیف قبائل	چھ ہزارنوسو
کل	میزان دس ہزار

بعض روایات میں جن کے راوی عروہ' زہری اورموسیٰ بن عقبہ ہیں صرف مجاہدین اسلام کی تعداد بارہ ہزار بتائی گئی ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

فتح مکہ کے بعد بنی جزیمہ بن کنانہ کی طرف خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی مہم

ابن اسحق کہتے ہیں کہ ان سے حکیم بن حکیم بن عباد بن حنیف نے ابی جعفر محمد بن علی کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مختلف عربی قبائل کی طرف ان سے جنگ و جدل کے لیے نہیں بلکہ انہیں دعوت اسلام دینے کے لیے روانہ فرمایا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرے قبائل عرب سلیم بن منصور اور مدلج بن مرہ کے کچھ لوگ بھی تھے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر اور مذکورہ بالا عرب قبائل کے لوگوں کے ساتھ قبیلہ بنی جزیمہ بن عامر بن عبدمنات بن کنانہ کی بستی کے سامنے پہنچے تو اس قبیلے کے لوگ بھی مسلح ہو کر ان سے مقابلے کے لیے سامنے آ گئے۔

خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر ان لوگوں سے کہا:

''تم لوگ اپنے ہتھیار رکھ دو کیونکہ ہم تم سے لڑنے نہیں بلکہ تمہیں دعوت اسلام دینے آئے ہیں اس لیے تمہیں چاہیے کہ تم مسلمان ہو جاؤ''۔

ابن اسحق مزید بیان کرتے ہیں کہ بنی جزیمہ کے ایک معتبر صاحب علم شخص نے انہیں بتایا:

''جب خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے ہم سے ہتھیار رکھنے کے لیے کہا تو ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے آگے آ کر اپنے اہل قبیلہ سے کہا:

''تم انہیں نہیں جانتے' یہ خالدؓ ہیں' جب تم ہتھیار رکھ دو گے تو تمہاری گرفتاری اور اس کے بعد تمہارا قتل عام یقینی ہے۔ خیر میں تو ہرگز ہرگز اپنے ہتھیار نہیں رکھوں گا''۔

اپنے قبیلے کے اس شخص کی یہ بات سن کر دوسرے لوگوں نے اسے پکڑ کر کہا:

''تمہاری عقل تو نہیں ماری گئی؟ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے سامنے قبیلے والوں کا خون بہہ جائے''۔

اس کے بعد بنی جزیمہ نے اتفاق رائے سے خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے ہتھیار زمین پر پھینک دیئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بنی جزیمہ کے اسی معتبر صاحب علم شخص نے انہیں بتایا کہ جونہی اس کے قبیلے والوں نے اپنے ہتھیار زمین پر پھینکے خالدؓ نے ان سب کو گرفتار کرنے کے بعد انہیں چن چن کر قتل کرا دیا۔

ابن اسحق آخر میں کہتے ہیں کہ جب اس سانحے کی خبر آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپؐ نے آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا:

''یا اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ جو کچھ خالدؓ نے کیا مجھے اس سے بری الذمہ رکھنا''۔

آنحضرت ﷺ کو جب کسی اور شخص نے اس سانحے کی خبر پہنچائی تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر وہی التجا

تین بار کی جس کا ذکر بطور بالا میں آ چکا ہے۔ پھر جب آپ کو کچھ اور لوگوں کے ذریعہ یہی اطلاع ملی تو جیسا کہ متعدد روایات سے ظاہر ہوتا ہے' آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے وہی التجا اس طرح دو بار کی اور یہ بھی فرمایا کہ:

''افسوس ہے خالدؓ نے زمانہ جاہلیت کی باتیں ابھی تک ترک نہیں کیں''۔

خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی بنی جزیمہ سے مراجعت سے قبل جو کچھ لوگ وہاں سے مکے واپس آ گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان میں سے ایک سے دریافت فرمایا کہ خالد رضی اللہ عنہ کو مذکورہ بالا اقدامات سے روکنے کی کسی نے کوشش کی تھی یا نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ:

''ایسی کوشش صرف دو آدمیوں نے کی تھی جن میں سے ایک میرا بیٹا عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے اور دوسرا ابی حذیفہ کا غلام سالم رضی اللہ عنہما ہے''۔

یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے ان دونوں کے قد و قامت' رنگ اور چہرے مہرے کی نشانیاں پہلے پوچھ کر کہی تھی۔

اس کے بعد جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مکے واپس آئے تو کہیں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہہ دیا:

''تم نے اسلام میں بھی بنی جزیمہ کے بارے میں زمانہ جاہلیت کی روش اختیار کی' معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں یہ روش اپنے بزرگوں سے وراثت میں ملی ہے''۔

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی اس بات کے جواب میں خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے تو نہیں لیکن تمہیں وہ روش اپنے باپ سے ضرور وراثت میں ملی ہے''۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بولے:

''تم جھوٹ کہتے ہو کیونکہ میں نے تو اس زمانے میں بھی صرف اپنے باپ کے قاتل کو قتل کیا تھا لیکن تمہیں اس زمانے کی روش یقیناً اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ سے وراثت میں ملی ہے اور اس کا ثبوت تمہاری وہ روش ہے جو تم نے بنی جزیمہ بن کنانہ کے ساتھ اختیار کی''۔

خالد اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما میں اس گفتگو کے بعد اور زیادہ تلخ کلامی ہوئی۔ اس کی اطلاع جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپؐ نے خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے فرمایا:

''خالدؓ! تم میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس قسم کی گفتگو سے باز رہو' تم نے ان کی طرف سے میری حمایت اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سب کچھ قربان کر دینے کا حال نہیں دیکھا' اگر دیکھتے تو ان میں سے کسی کے ساتھ یہ رویہ ہرگز اختیار نہ کرتے' تم میرے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی عزت و حرمت اور عظمت سے ابھی واقف نہیں ہو''۔

(حدیث نبوی کا مفہومی و تشریحی ترجمہ۔ مترجم)

زمانہ جاہلیت میں قریش اور عرب کے دوسرے قبائل کی روش اور ان کی اولاد میں وہ روش وراثۃً منتقل ہونے کے بارے میں بنی جزیمہ بن کنانہ کے حوالے سے خالد اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کے درمیان جو تلخ گفتگو ہوئی تھی اس کا پس منظر جو ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے یہ ہے:

’’خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے چچا فاکہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے والد عوف کے بیٹے عبدالرحمٰن اور عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس اور عفان کے بیٹے عثمان رضی اللہ عنہ بغرض تجارت یمن گئے تھے اور ان کے ساتھ بنی جزیمہ بن کنانہ کا ایک شخص بھی اسی غرض سے یمن گیا تھا اور وہاں اتفاقاً ہلاک ہو گیا تھا۔ جب مذکورہ بالا دوسرے لوگ اس کا مال لے کر اس کے قبیلے بنی جزیمہ کی طرف آ رہے تھے تو ان کے اس شخص کے ورثا کے پاس پہنچنے سے پہلے اسی قبیلے کے ایک شخص جسے خالد بن ہشام کہا جاتا تھا اور اس کے ساتھیوں نے ان سے اس شخص کا وہ مال اور سامان مانگا لیکن مذکورہ بالا لوگوں نے انکار کر دیا جس پر ان میں لڑائی چھڑ گئی جس میں دونوں طرف کے کچھ آدمی مارے گئے جن میں عبدالرحمٰنؓ کے والد اور خالدؓ کے چچا فاکہ بھی شامل تھے بعد میں عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تو موقع پا کر اپنے والد کے قاتل کو قتل کر کے بدلہ چکا دیا تھا لیکن خالد رضی اللہ عنہ کو اپنے چچا کے قاتل کو تلاش کر کے اسے قتل کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا اور خالدؓ کے ہاتھوں بنی جزیمہ کے ساتھ مذکورہ بالا سانحہ پیش آیا تو عبدالرحمٰنؓ کے خیال میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنی جزیمہ سے اپنے چچا فاکہ کے خون کا بدلہ لینے کا اب موقع ملا تھا اور انہوں نے اس قبیلے کے بیشمار لوگوں کو اسی لیے بے دریغ قتل کر ڈالا تھا لیکن چونکہ یہ برسوں دشمنی چلنے اور قتل و قتال کا دستور زمانہ جاہلیت کی روش تھی جسے داعی اسلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مٹانے کی مسلسل کوشش فرما رہے تھے اسی لیے عبدالرحمٰنؓ نے خالدؓ پر اعتراض کیا تھا جس کے نتیجے میں بات بڑھ گئی تھی اور نوبت تلخ کلامی سے جھگڑے تک جا پہنچی تھی‘‘۔

اس واقعے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنی جزیمہ میں امن و امان قائم کرنے اور ان کے جان و مال کی تلافی کے لیے وہاں بھیجا تو ان کی مصلحانہ و مصالحانہ تدابیر سے وہاں نہ صرف امن و امان قائم ہو گیا بلکہ اس قبیلے کے تمام لوگ خوشی سے مسلمان بھی ہو گئے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے مقتولوں کے خون کی فرداً فرداً نہ صرف خاطر خواہ دیت ادا کی بلکہ اس میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ بھی کر دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہاں سے مکے واپس آ کر اپنی اس کارکردگی کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپ نے ان کی رائے کو صائب قرار دے کر ان کی مصلحانہ و مصالحانہ تدابیر کو بھی سراہا۔

علمائے اسلام و فقہاء کی اسناد پر مؤرخین نے بنی جزیمہ کے ساتھ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا طرز عمل کی مختلف توجیہات پیش کر کے انہیں ناقابل گرفت قرار دیا ہے۔ ان توجیہات میں سے ایک توجیہ میں امیر لشکر یا امام کی اجتہادی خطا بتائی گئی اور دوسری یہ کہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنی جزیمہ کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دی تھی تو انہوں نے اپنی مقامی زبان میں ’’صبانا‘ صبانا‘‘ کہا تھا جس کا مطلب حجاز کی شستہ و رفتہ زبان میں ’’اسلمنا‘‘ ہوتا تھا لیکن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کی مقامی زبان کے روزمرہ سے ناواقفیت کی وجہ سے اسے ان کا انکار سمجھے۔ اس کا جو نتیجہ ہونا تھا وہی ہوا۔

علماء و فقہاء نے اپنی ان توجیہات کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ اسی وجہ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معزول فرمانے کے بجائے انہیں امیر لشکر کی حیثیت سے برقرار رکھا تھا جس کے بعد ان کی نصرت اسلام کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپؐ کے نزدیک بھی یہ توجیہات نہ صرف قابل قبول تھیں بلکہ تھیں ہی آپ کی۔

انہدامِ عزیٰ کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روانگی

ابن جریر کہتے ہیں کہ سال ہشتم ہجری میں ماہِ رمضان کے ابھی پانچ دن باقی تھے جب مشرکین عرب کے مشہور بت عزیٰ کو منہدم کیا گیا۔ اس کے انہدام کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تھا۔

یہ بت نخلہ میں مشرکین کے ایک معبد میں نصب تھا جس کی قریش' بنی کنانہ اور بنی مضر بڑی عزت کرتے تھے۔ اس کے لیے حاجب اور خدمت گار بنی ہاشم کے حلیف قبائل بنی شیبان اور بنی سلیم نے فراہم کیے تھے۔ جب عزیٰ کے حاجب سلمی نے اس کے انہدام کے لیے مکے سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روانگی کی خبر سنی تو پہلے تو میان سے تلوار نکال کر بلند کی پھر دوڑتا ہوا اس پہاڑی پر چلا گیا جس کی چوٹی پر بنے ہوئے معبد میں عزیٰ کا بت نصب تھا اور اس معبد میں داخل ہو کر عزیٰ کے سامنے دعا کرنے لگا کہ "اے عزیٰ تو اپنی قوت کا مظاہرہ کر اور خالد کو اپنے پاس تک نہ پھٹکنے دے" وغیرہ وغیرہ لیکن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نخلہ پہنچتے ہی اسے منہدم کر دیا۔

جب خالدؓ نے اسے منہدم کرنے کے بعد مکے واپس پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا: "تم نے وہاں کیا دیکھا؟"۔ خالدؓ نے عرض کیا: "میں نے وہاں کوئی خاص چیز نہیں دیکھی" آپؐ نے فرمایا: "(اچھا تو) پھر وہاں لوٹ کر جاؤ"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب نخلہ کی پہاڑی پر اس معبد کے سامنے پہنچے تو اس کے اندر سے ایک حبشی عورت جس کے سر کے بال اس کی ایڑیوں سے نیچے زمین تک لٹک رہے تھے نکل کر بڑے خوف ناک انداز میں تلوار کے ساتھ ان کی طرف جھپٹی لیکن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے تلوار کے ایک ہی وار میں قتل کر دیا' اس معبد کو بھی منہدم کرا دیا اور نذرانوں کا جو مال اس میں جمع تھا اسے اپنے قبضے میں لے کر مکے واپس آ گئے۔ جب انہوں نے اس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی تو آپؐ نے فرمایا:

"بس وہی عزیٰ تھی جس کی پرستش اب ابد تک کوئی نہیں کرے گا"۔

مکے میں آنحضرت ﷺ کے قیام کی مدت

اس بارے میں راویوں کے درمیان کوئی باہم اختلاف نہیں ہے کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے جتنے دن مکے میں قیام فرمایا اتنے دن قصر نماز پڑھی اور روزے بھی قضا فرمائے۔ علماء نے آپؐ کے اس عمل کے بارے میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ شریعت کی رو سے اگر کوئی مسافر اپنے سفر کے دوران میں کسی ایک جگہ اٹھارہ دن سے زیادہ قیام کا قصد نہ رکھتا ہو تو جس طرح وہ وہاں قصر نماز پڑھ سکتا ہے بالکل اسی طرح رمضان کے روزے بھی قضا کر سکتا ہے۔

بخاریؒ کہتے ہیں کہ انہیں ابونعیم اور سفیانؒ نے بتایا اور ان سے سفیان کے علاوہ قبیصہ نے یحییٰ بن ابی اسحٰق اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکے میں قیام کیا تھا بیان کیا کہ انہوں نے انہیں (قبیصہ کو) بتایا: ہم نے فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ کے ساتھ وہاں دس روز قیام کیا اور قصر نماز پڑھی۔

قبیصہ کے علاوہ دوسرے متعدد لوگوں نے بھی یحییٰ بن ابی اسحٰق حضرمی بصری اور انس (بن مالک) کے حوالے سے یہی بات بتائی ہے۔

بخاریؒ مزید فرماتے ہیں کہ انہیں عبدان' عبداللہ اور عاصم نے بھی عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے ان دنوں مکے میں انیس روز قیام فرمایا تھا اور ہر وقت کی دو رکعت قصر نماز پڑھی تھی۔

بخاریؒ اور ابوحصین دونوں نے اور ان کے علاوہ ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی عاصم بن سلیمان الاحول' عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ابوالاسود کی زبانی ان دنوں آنحضرت ﷺ کے قیام کی مدت سترہ روز بیان کی ہے لیکن احمد بن یونس اور احمد بن شہاب نے عاصم' عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینے سے مکے تک سفر میں اور مکے کے دوران قیام میں مجموعی طور پر انیس دن قصر نماز پڑھی تھی تاہم جہاں اس سے زیادہ قیام رہا وہاں (فرض نماز) پوری پڑھی تھی (واضح رہے کہ احمد بن یونس اور احمد بن شہاب نے جن حضرات کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے وہ سب حضرات اس دوران میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے تھے)

ابوداؤد' ابراہیم بن موسیٰ' ابن علیا اور علی بن زید نے ابی نضرہ اور عمران بن حصین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آخر الذکر یعنی حصین نے جو فتح مکہ کے موقع پر بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے بتایا: میں تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا اور فتح مکہ کے موقع پر بھی آپؐ کے ساتھ تھا۔ اس وقت آپؐ نے مکے میں اٹھارہ راتیں گزاریں لیکن اس دوران میں آپؐ نے کسی وقت کی نماز دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی۔ البتہ آپؐ نے ان لوگوں سے جو مکے کے مستقل باشندے تھے اور وہاں آپؐ کے دوران قیام میں مسلمان ہو گئے تھے فرمایا کہ وہ پوری نماز پڑھا کریں۔

ترمذیؒ نے یہ روایت علی بن زید بن جدعان کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے اس روایت میں جو حدیث ہے اسے حدیث حسن قرار دیا ہے۔ ترمذی نے یہی روایت محمد بن اسحاق بن زہری کی زبانی اور زہری' عبیداللہ بن عبداللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر مکے میں پندرہ روز قیام فرمایا تھا اور اس دوران میں جملہ اوقات کی نماز قصر پڑھی تھی لیکن آخر میں یہ بھی بتایا ہے کہ انہیں جن دوسرے کئی اشخاص نے یہ بات بتائی انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حوالہ نہیں دیا۔

ترمذیؒ کی طرح ابن ادریس بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ انہیں محمد بن اسحق' محمد بن علی ابن الحسین عاصم بن عمرو بن قتادہ' عبداللہ بن ابی بکر اور عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بتایا کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پندرہ روز قیام فرمایا تھا۔

فصل:

مکے کے دورانِ قیام میں آنحضرت ﷺ کے احکام

آنحضرت ﷺ کے مکے میں دوران قیام میں آپؐ کے احکام کے متعلق ایک روایت عبداللہ بن مسلم کی زبانی اور سالک بن شہاب' عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بخاریؒ نے بیان کی ہے اور دوسری لیثؒ نے یونس کی زبانی ابن شہاب' عروہ بن زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے پیش کی ہے۔ان کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد سے وعدہ لیا تھا کہ وہ ابن ولیدہ زمعہ کو اپنے ساتھ ساتھ رکھیں گے اور ان سے یہ بھی کہا تھا کہ ابن ولیدہ ان کا یعنی عتبہ کا بیٹا ہے''۔

جب رسول اللہ ﷺ فتح کے روز مکہ میں تشریف لائے تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ابن ولیدہ زمعہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ان کے ساتھ عبد بن زمعہ بھی تھا۔سعد رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) مجھے میرے بھائی عتبہ نے قسم کھا کر بتایا ہے کہ ابن ولیدہ زمعہ ان کا بیٹا ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے ساتھ ہی عبد بن زمعہ نے آگے بڑھ کر آپؐ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) دراصل اب ولیدہ میرا بھائی اور ابن زمعہ ہے کیونکہ یہ میرے باپ زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں:

''آنحضرت ﷺ نے عبد بن زمعہ سے دریافت فرمایا کہ اس کے پاس اس کے علاوہ کہ ابن ولیدہ زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا تھا اس کے ثبوت میں کوئی اور دلیل ہے کہ وہ یعنی ابن ولیدہ زمعہ درحقیقت اس کا بھائی اور زمعہ کا بیٹا ہے؟ اس کے بعد آپؐ نے ابن ولیدہ زمعہ کی طرف غور سے دیکھا تو وہ واقعی شکل وصورت' چہرے مہرے اور قد وقامت کے لحاظ سے عتبہ بن ابی وقاص کی تصویر بلکہ دوسرا عتبہ بن ابی وقاص تھا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے بعد فرماتی ہیں:

''یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''سودہ رضی اللہ عنہا اسے یعنی ابن ولیدہ زمعہ کو میرے سامنے سے ہٹا دو''۔پھر فرمایا: ''بچہ (دراصل) فرش یا بستر کا ہوتا ہے (یعنی جس پر وہ پیدا ہو) (اور) زنا کے لیے وہاں جانے والے کے لیے وہ پتھر ہوتا ہے''۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی یہی تشریح کی ہے۔

بخاریؒ متعدد حوالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ اسی زمانے میں مکے کی کوئی عورت چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی تو اس

کی قوم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بڑی عاجزی اور الحاح وزاری کے ساتھ درخواست کی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کر دیں۔

بہرکیف جب اس عورت کو چوری کے الزام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اور شریعت کی رو سے اس کے جرم کا ثبوت بھی مل گیا تو اس سے قبل کہ آپ اس کے بارے میں کوئی حکم صادر فرمائیں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے کچھ عرض کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی کہ وہ آپؐ سے کچھ عرض کرتے آپؐ نے خود ہی اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اسامہؓ! تم (غالباً) اس عورت کے بارے میں مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو لیکن یاد رکھو کہ اب جاہلیت کا وہ زمانہ گیا جب شریف اور مال دار لوگ اپنے جرائم کی سزا سے اس لیے بچ جاتے تھے کہ وہ (دنیا کی نظر میں) بڑے لوگ ہوتے تھے مگر غریبوں کو سزا ضرور ملتی تھی: ''خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ سے بھی یہ جرم سرزد ہوتا تو میں اس کا بھی ہاتھ کٹوا دیتا''۔
آپ کی زبانِ مبارک سے یہ سن کر اسامہ رضی اللہ عنہ دم بخود رہ گئے اور آپؐ کے حکم کے مطابق اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا''۔

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد وہ عورت تائب ہو کر نیک چلن ہو گئی تھی اور اس کی شادی بھی ہو گئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''وہی عورت کسی ضرورت سے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور میں نے اس کی ضرورت آپؐ سے بیان کر دی تھی''۔

مسلمؒ اور بخاریؒ اس سلسلے کی آخری روایت میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابن وہب نے یونس' زہری اور عروہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو متعہ کی اجازت دے دی تھی لیکن اس کے بعد اس کی ممانعت فرما دی تھی۔

صحیح مسلم میں ابی بکر بن ابی شیبہ کی زبانی یونس بن محمد' عبدالواحد بن زیاد' ابی عمیس' ایاس بن سلمہ بن اکوع اور آخر الذکر کے والد کے حوالے سے یہ روایت ملتی ہے کہ سال اوطاس (یعنی سال فتح مکہ) کے دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار متعہ کی اجازت دی اور اس کے بعد اس کی ممانعت فرما دی۔

بیہقی کہتے ہیں کہ سبرہ کے بقول سال اوطاس پہلے فتح مکہ کے سال کو کہا جاتا تھا۔ (مؤلف)

غزوۂ خیبر کی چند معتبر و مستند روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی اباحت اور حرمت کا دو بار سے زیادہ کا حکم دیا تھا۔ واللہ اعلم' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے صرف ایک بار اس کی اجازت دی تھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے وہاں صرف ضروری حالات میں اس کی اجازت دی تھی اور اس کے بعد اسی صورتِ حال کے تحت اس کی عمومی اجازت دے گئی تھی جو تا حال بدستور قائم ہے۔ یہی قول امام احمدؒ اور ان کے علاوہ جیسا کہ مشہور ہے' ابن عباسؓ، ان کے ساتھیوں یعنی ہم عصر لوگوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک اور جماعت کا ہے ہم نے حسب موقع اس مسئلے پر اپنی کتاب ''الاحکام'' میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ (مؤلف)

فصل:

فتح مکہ کے بعد مشرکین کی آنحضرت ﷺ سے بیعت

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور ابن جریج نے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ یہ بات انہیں عبداللہ بن عثمان بن خثیم نے محمد بن اسود بن خلف سے سن کر بتائی کہ فتح مکہ کے بعد وہاں آنحضرت ﷺ کے دورانِ قیام میں اسود کے بزرگوں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپؐ مشرکین سے بیعت لیں۔ چنانچہ آپؐ نے مکے میں قرن مستقبلہ کے قریب ایک جگہ تشریف فرما کر مشرکین کو بیعت کی دعوت دی تو فوراً ہی بوڑھے بچے مرد عورتیں جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور آپؐ ان سے اسلام اور شہادت پر بیعت لینے لگے۔

جب محمد بن اسود سے شہادت کا مطلب دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایمان کے بعد ان سے لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ پر بیعت لی جاتی تھی۔

بیہقی نے بھی اس روایت کو بطور خاص پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں:

''جب اسلام پر بیعت کے لیے لوگ کثرت سے جمع ہونے لگے تو جیسا کہ مجھے معلوم ہوا آنحضرت ﷺ نے صفا پر تشریف فرما ہو کر ان سے بیعت لینا شروع فرمائی''۔

ابن جریر مزید بیان کرتے ہیں کہ اس وقت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بائیں مجلس کھڑے ہو کر ہر شخص کی بیعت کے الفاظ سن رہے تھے اور جو لوگ بیعت کے لیے یکے بعد دیگرے آتے جاتے تھے وہ حتی الامکان اللہ اور اسلام کی اطاعت کی بیعت کرتے تھے۔

ابن جریر اس کے بعد بیان کرتے ہیں کہ جب وہاں جتنے مرد تھے بیعت کر چکے تو اس کے بعد عورتوں کی باری آئی جن میں سب سے آگے ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ تھی جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا مشہور ہے۔ ہند کو خوف تھا کہ آنحضرت ﷺ اس کے اس عمل کا اس سے مواخذہ کریں گے لیکن جب وہ بیعت کے لیے آپؐ کے قریب آئی تو آپؐ نے اس سے فرمایا: ''عہد کرو کہ اللہ کا کسی کو شریک نہیں بناؤں گی''۔

یہ سن کر ہند بولی:

''یا رسول اللہ (ﷺ) پہلے یہ فرمائیے کہ آپ میرے پچھلے اعمال اور میں مردوں کا جو مال اب تک لے چکی ہوں اس پر مجھ سے مواخذہ تو نہیں کریں گے؟''۔

آپؐ نے فرمایا: ''عہد کرو کہ چوری نہیں کرو گی''۔

ہند نے عرض کیا:

''اور میں پہلے وقتاً فوقتاً ابوسفیان کا کچھ مال چوری چوری لے چکی ہوں اس کا کیا ہوگا؟ اپنے شوہر ابوسفیان کا وہ مال میں اس لیے چراتی تھی کہ وہ بہت کنجوس ہے اس لیے وہ مجھے گھر کے خرچ کے لیے جو کچھ دیتا تھا اس میں میرا اور میرے بچوں کا خرچ پورا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ مجھے اس کے زرنقد میں سے مجبوراً تھوڑا بہت چرانا پڑتا تھا''۔

ابوسفیان جو اپنی بیوی ہند کے قریب کھڑا اس کی یہ باتیں سن رہا تھا بولا:

''تم نے پہلے میرے مال میں سے جتنا بھی چوری سے لیا ہے وہ میں نے تمہیں معاف کیا''۔

آنحضرت ﷺ نے ہندؓ سے پوچھا: ''تم عتبہ کی بیٹی ہو؟'' وہ بولی ''جی'' آپؐ نے فرمایا:

''بیعت کے بعد تمہارے پچھلے اعمال کا تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ (اچھا اب) عہد کرو کہ زنا کاری سے اجتناب کرو گی''۔

ہند بولی: ''کیا شریف عورتیں بھی کہیں اس کی مرتکب ہوتی ہیں؟''۔

آپؐ نے فرمایا: ''اچھا عہد کرو کہ اپنی کمسن اولاد کو (آئندہ) قتل نہیں کرو گی''۔

ہند بولی:

''اور آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہمارے صغیرسن افراد اور بزرگوں کو بدر میں جو قتل کر دیا ہے؟''۔

ہند سے یہ سن کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے تو ہنس پڑے پھر فوراً ہی غور سے آنحضرت ﷺ کے ارشادات سننے لگے۔ آپؐ نے ہند سے ارشاد فرمایا:

''عہد کرو کہ کسی عورت کے سامنے یا اس کے پیچھے اس پر کوئی بہتان نہیں باندھو گی''۔

ہند نے اس کا عہد کر لیا اور اس کے بعد جب آپؐ نے اس سے معصیت سے اجتناب اور نیک باتوں پر عمل کرنے کا عہد بھی لے لیا۔ تو اس کی بیعت مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ آپ کی طرف سے باقی عورتوں سے بیعت لیں۔ یعنی پچھلے اعمال کی توبہ کرائیں اور پھر ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کریں کہ وہ غفور رحیم ہے۔

ابن جریر اسی روایت میں متعدد ثقہ حوالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں یا ان خواتین کے سوا جن کے آپ محرم تھے کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوتے تھے اور ہندؓ سے آپؐ نے بیعت لیتے وقت اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا۔

صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول درج کیا گیا ہے کہ:

''آنحضرت ﷺ نے کسی محرم عورت کے ہاتھ کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا''۔

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ عورتوں سے ان میں سے کسی کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھوائے بغیر ہمیشہ زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔

ابوداؤد عثمان بن ابی شیبہ' جریر' منصور' مجاہد' طاؤس اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے اپنے مجموعہ احادیث میں بیان

فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کسی سے دوسری باتوں کے علاوہ (جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) جہاد اور نیک نیتی کے سوا ہجرت کی بیعت نہیں لی اور جب آپؐ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ:

''اب ہجرت کا زمانہ گزر گیا' اب آئندہ اگر مسلمان کہیں سے بشرطیکہ انہیں وہی صورت حال درپیش نہ ہو جو مسلمانوں کو مکے سے ہجرت کرتے وقت پیش آئی تھی یعنی ان کے جان و مال اور دین وایمان کو خطرہ نہ ہو' کسی دوسری جگہ بوجوہ دیگر منتقل ہوں گے تو اسے ہجرت نہیں کہا جائے گا''۔ (حدیث نبوی کا تشریحی ترجمہ۔ مترجم)

اس حدیث نبوی کا یہ مطلب ہوا کہ فتح مکہ کے بعد سے ہجرت کاملہ یا حقیقی ہجرت کا ان شرائط کے علاوہ جو اس حدیث میں درج کی گئی ہیں خاتمہ ہو گیا۔ (مؤلف)

غزوۂ ہوازن یوم حنین

اللہ تعالیٰ کا قرآن میں ارشاد ہے:

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

محمد بن اسحاق بن یسار نے اپنی کتاب میں فتح مکہ کے ذکر کے بعد آنحضرت ﷺ کی ہوازن کی طرف روانگی کی تاریخ پانچ شوال سن آٹھ ہجری بیان کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ ان کے خیال میں فتح مکہ جب ہوئی تھی اس وقت ماہِ رمضان ختم ہونے میں ابھی دس روز باقی تھے اور ماہِ شوال کے دس روز گزرنے سے قبل آپ ہوازن کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ یہی روایت ابن مسعود اور عروہ بن زبیر کی ہے جسے احمد اور ابن جریر نے انہی کے حوالے سے اپنی اپنی تحریر کردہ کتب تاریخ میں پیش کیا ہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ ابھی ماہ شوال کے چند روز سے زیادہ نہیں گزرے تھے کہ آنحضرت ﷺ ہوازن کی طرف روانہ ہو گئے تھے اور ماہ شوال کے دسویں روز حنین جا پہنچے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''حنین میں ہم دشمن کی قلت تعداد کی وجہ سے اس پر غالب نہیں آئے تھے تاہم وہاں بھی دشمن نے بنوسلیم' اہل مکہ اور دیگر دشمنان اسلام کی طرح ہمارے مقابلے میں شکست کھائی تھی''۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مکہ میں فتح کی خبر سنتے ہی اہل ہوازن نے نہ صرف اپنے قبیلے کے لوگوں کو آپ سے مقابلے کے لیے جمع کرنا شروع کر دیا تھا بلکہ قرب وجوار کے مشرک قبائل اور اپنے اور ان کے حلیفوں کو بھی اپنی امداد کے لیے بلا بھیجا تھا اور وہ سب جمع ہو کر ہوازن پہنچ گئے تھے اس لیے آنحضرت ﷺ کو مجبوراً ان سرکش قبائل کو راہِ راست پر لانے کے لیے وہاں جانا پڑا۔

ابن اسحاق کے بقول اہل ہوازن اور قرب وجوار کے دیگر قبائل اور ان کے خلفاء کے عساکر تمام کے تمام تنومند جوانوں پر مشتمل تھے اور اپنی اپنی جگہ ان کی تعداد بھی بہت بڑی تھی۔ ان جملہ عساکر میں صرف ایک بوڑھا شخص تھا اور اسے بھی اس کی فنون حرب میں مہارت اور مختلف لڑائیوں میں طویل تجربے کی بناء پر مشورے کے لیے رکھا گیا تھا۔

ان سب قبائل کے لوگ اپنے اپنے سرداروں کی سربراہی میں ہوازن کے سردار مالک بن عوف نصری کی امداد کے لیے وہاں جمع ہوئے تھے۔ جب ان سب قبائل کا مجموعی لشکر مل کر آنحضرت ﷺ کے مقابلے کے لیے چلا تو اس میں مال و دولت کے

ذھیروں کے علاوہ ان کی عورتیں اور بچے بھی شامل تھے اور ان کے ساتھ درید بن صمعہ بھی ہولیا تھا۔ اس نے پہلی منزل پر مالک بن عوف نصری سے پوچھا: ''اس وقت ہم کس وادی میں ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''وادی اوطاس میں'' یہ سن کر درید بولا:

''لیکن یہاں تو نہ بیل کی آوازیں ہیں نہ دنبوں کی دھوں دھاں ہے میں تو یہاں صرف اونٹوں کی بلبلاہٹیں اور گدھوں کی رینکیں سن رہا ہوں''۔

اس کے بعد اس نے کہا:

''مالک! تم تو اس لشکر کے امیر ہو تمہیں اس جنگ سے خدا جانے کن فوائد کی امید ہے لیکن میں تو اس کے نتیجے میں صرف عورتوں کی فریاد اور بچوں کی آہ و بکا کی امید رکھتا ہوں''۔

آخر میں اس نے کہا:

''میری رائے یہ ہے کہ اس مال وزر کے انبار اور عورتوں بچوں کو یہیں چھوڑ کر آگے بڑھنا چاہیے کیونکہ ہمارے بعد کیا یہ عورتیں اور بچے ہمارے مقابل لشکر سے لڑیں گے؟''۔

درید بن صمعہ نے پھر مالک بن عوف نصری سے پوچھا: ''یہ کعب وکلاب کے لوگ کہاں ہیں؟'' مالک نے جواب دیا: ''میں نے ان میں سے اب تک کسی ایک کی صورت نہیں دیکھی''۔ یہ سن کر درید بولا: ''اگر ہمارا کوئی بڑا اور جشن کا دن ہوتا تم دیکھتے کہ وہ سب کے سب یہاں موجود ہوتے۔ بہر حال تم اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو؟''۔

جب درید نے اس جنگ کے بارے مالک سے اور بہت کچھ طنزیہ انداز میں کہا تو مالک بولا:

''اگر تم نے مجھ پر اور میرے قبیلے پر اور زیادہ طعنہ زنی کی تو میری یہ تلوار ہے اور تم ہو یا تو پھر میں نہیں یا تم نہیں''۔

اس کے بعد مالک بن عوف نصری نے درید بن صمعہ کی کوئی بات سننے سے انکار کرتے ہوئے اس کی طرف سے کراہت سے منہ پھیر لیا۔ پھر اپنے لشکر کو مخاطب کر کے بولا:

''جب تم مسلمانوں کا لشکر آتا دیکھو تو اِدھر اُدھر منتشر ہو جانا اور پھر ایک ایک کر کے یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑنا''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے امیہ بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے بیان کیا کہ انہیں بعد میں معلوم ہوا کہ مالک بن عوف نصری نے اس تقریر کے بعد اپنے کچھ لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے لشکر کا سراغ لگانے اور اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے لیے آگے بھیجا لیکن وہ لشکر اسلام کے چند لوگوں کو دیکھتے ہی بھاگ نکلے اور پھر مختلف سمتوں سے جمع ہو کر جب ہانپتے کانپتے مالک کے پاس پہنچے تو وہ چیخ کر بولا:

''کم بختو! آخر تمہیں ہوا کیا ہے جو یوں کانپ رہے ہو؟ کیا تمہاری جوانمردی اور جنگجوئی کی یہی شان ہے؟''۔

جب مالک اپنے ان لوگوں کو سرزنش کر کے کسی قدر خاموش ہوا تو وہ ڈرتے ڈرتے یک زبان ہو کر بولے:

''جی ہم ابھی یہاں سے کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ہمیں انڈے کی طرح سفید سر کے کچھ لوگ ابلق گھوڑوں پر سوار اپنی طرف بڑھتے نظر آئے تو ہم نے ان کے سامنے سے بھاگ کر اپنی جان بچائی ورنہ وہ اپنی چمکتی تلواروں سے ہمارے

ٹکڑے کر دیتے' ہمیں تو وہ انسان نہیں معلوم ہوتے تھے''۔

محمد بن اسحٰق انہی مذکورہ بالا حوالوں کے ساتھ مزید بیان کرتے ہیں کہ دوسری طرف جب آنحضرت ﷺ کو ان قبائل کے اجتماعی لشکر کے کچھ دور پڑاؤ کی خبر ملی تو آپؐ نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ وہاں جا کر ان سے ان کے عزائم کے علاوہ ان کے لشکر کے بارے میں اپنے طور پر مکمل معلومات حاصل کر کے آپ کو مطلع کریں۔ چنانچہ عبداللہ مالک اور دیگر قبائل کے اجتماعی لشکر میں کسی نہ کسی طرح گھوم پھر کر جتنی معلومات حاصل کر سکے واپس آ کر ان سے آنحضرت ﷺ کو آگاہ کر دیا۔

جب آنحضرت ﷺ مکے سے ہوازن کی طرف روانہ ہونے لگے تھے تو آپؐ سے عرض کیا گیا تھا کہ صفوان بن امیہ کے پاس کافی جنگی اسلحہ موجود ہے اگر وہ اس سے لے لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ آپؐ نے کسی کو صفوان کے پاس وہ اسلحہ اور دوسرا سامان جنگ منگوانے کے لیے بھیجا تو صفوان نے اس شخص سے پوچھا: یہ سامان رسول اللہ (ﷺ) کس طرح لینا چاہتے ہیں' عاریۃً یا اسے لے کر غصب کرنا چاہتے ہیں؟ اس شخص نے کہا: ''بھلا رسول اللہ ﷺ تمہارا اسلحہ غصب کیوں کرنے لگے وہ اسے عاریۃً لینا چاہتے ہیں اور وہ تمہیں واپس کر دیا جائے گا''۔ یہ سن کر صفوان نے کہا: تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس کے پاس جس قدر بھی اسلحہ اور دوسرا سامانِ جنگ تھا آپؐ کے فرستادہ شخص اور اس کے ساتھیوں کے حوالے کر دیا۔

جیسا کہ متعدد مستند روایات سے ظاہر ہوتا ہے صفوان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تاہم انہوں نے سو زرہیں جو دوسرے اسلحہ تلواروں اور نیزوں وغیرہ کے لیے کافی تھیں آنحضرت ﷺ کو بھجوا دی تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفوان سے صرف اتنا ہی اسلحہ منگوایا تھا جتنا اس کے ہاں سے آپؐ کے لشکر تک آسانی سے منتقل کیا جا سکے غزوۂ ہوازن یا یوم حنین کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے صفوان کو وہ اسلحہ واپس بھجوایا تو اس میں سے کچھ ضائع ہو گیا تھا۔ جب آپؐ نے اس ضائع شدہ اسلحہ کا معاوضہ صفوان کو دینا چاہا تو اس وقت وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ انہوں نے آپؐ سے عرض کیا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کی ذات بابرکات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نعمتِ اسلام سے سرفراز فرمایا ہے' میں تو اب مفہوم اسلام سے واقفیت کے بعد اس کے لیے اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں''۔

صفوان رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں آپ نے خوش ہو کر انہیں دعائے خیر دی۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مکے سے ہوازن کی طرف روانہ ہوئے تو آپؐ کے ساتھ بارہ ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر تھا جس میں دو ہزار وہ لوگ شامل تھے جن میں کچھ تو مکے میں فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے افراد شامل تھے اور باقی راستے میں مسلم قبائل کے افراد شامل ہو گئے تھے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ غزوۂ مکہ کے لیے مدینے سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہونے والے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی جس کے بعد مختلف قبائل کے افراد اور مکے میں مسلمان ہو جانے والے اشخاص کی تعداد ملا کر یہ تعداد بارہ ہزار ہو گئی تھی اور اب مکے سے اس میں مزید شامل ہونے والے افراد کی دو ہزار تعداد ملا کر ظاہر ہے چودہ ہزار ہو گئی ہوگی۔ (مؤلف)

مذکورہ بالا روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مشرکین مکہ نے ایک عظیم سبز رنگ کا درخت تیار کیا تھا جس کی مختلف شاخوں پر وہ اسلحہ جنگ رکھا کرتے تھے اور ہر جنگ کے موقع پر وہ درخت جس میں پہیے لگے ہوئے تھے ان کے لشکر کے ساتھ چلا کرتا تھا۔ مکے سے فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن کی طرف روانہ ہونے لگے تو کچھ لوگوں نے چاہا کہ وہ درخت بھی مع اسلحہ ساتھ لے لیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے زمانہ جاہلیت کی ''روایت اور ظاہری نمائش'' فرما کر ان لوگوں کی اس خواہش کو رد فرما دیا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ مکے سے ہوازن کی طرف روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اپنی نیابت کے لیے عتاب بن اسید ابن ابی العیص بن امیہ بن عبد شمس اموی کا تقرر فرمایا تھا۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ ان سے ابوتوبہ اور معاویہ بن زید نے بیان کیا کہ انہیں زید ابن سلام نے اپنے والد ابوسلام سے سنا ہوا وہ واقعہ سنایا جو ابن سلام کے والد نے سلولی سے سنا تھا اور سلولی کو سہل بن حنظلیہ نے سنایا تھا۔ سہل بن حنظلیہ نے بیان کیا کہ وہ یعنی سہل بن حنظلیہ غزوۂ حنین کے موقع پر مکے سے ہوازن کی طرف سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے وہ بتاتے ہیں کہ اس سفر میں ایک روز جب وہ اور سارا اسلامی لشکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں نماز ظہر کے لیے صف بستہ تھا تو ایک گھڑسوار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپؐ کے حکم سے ہوازن کے راستے پر اہل ہوازن اور ان کے لشکر کی موجودگی کے اِدھر اُدھر آثار تلاش کرتا ہوا اتفاق سے دور تک نکل گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں ہوازن پہنچ گیا ہوں۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ہوازن کا لشکر حنین کی طرف جا رہا ہے۔ اس لاؤ لشکر میں اسلحہ جنگ اور دوسرے سامان کے علاوہ میں نے خوراک کے بہت سے ذخائر بھی دیکھے لیکن میں یہ دیکھنے کے بعد کوشش کر کے ان کی نظروں سے بچتا ہوا واپس یہاں حاضر ہوا ہوں''۔

سہل بن حنظلیہ مزید بیان کرتے ہیں:

''میری زبانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر تبسم فرماتے ہوئے فرمایا: ''وہ سارا سامان ان شاء اللہ کل تک ہمارے لشکر کا مال غنیمت بن جائے گا''۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''آج رات کو طلایہ گردی پر کون ہوگا؟'' آپؐ کے اس سوال کے جواب میں انس بن ابی مرثد نے عرض کیا: ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فرض آج میرا ہے''۔ آپؐ نے انس سے یہ سن کر فرمایا: ''تو پھر اس فرض کی ادائیگی کے لیے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ''۔

سہل بن حنظلیہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کا یہ حکم سنتے ہی انس گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے مذکورہ فرض کی ادائیگی کے لیے روانہ ہونے لگے تو آپؐ نے ان سے فرمایا:

''رات بھر سامنے کی پہاڑی گھاٹی کا اوپر تک خاص طور سے خیال رکھنا تا کہ اُدھر سے کوئی شخص اِدھر نہ آنے پائے''۔

سہل کہتے ہیں کہ:

''جب صبح ہوئی تو فجر کی دو رکعت نماز ادا فرما کر آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ اسلامی لشکر کے سواروں کو مستعد رہنے کا حکم دے دیا گیا تھا یا نہیں اور جب آپؐ سے عرض کیا گیا کہ یہ حکم دے دیا گیا تھا تو آپؐ پھر مصلے پر تشریف فرما ہو کر ذکر الٰہی میں مصروف ہو گئے لیکن آپ مسلسل سامنے کی مذکورہ گھاٹی کی طرف بھی متوجہ رہے اور کچھ ہی دیر بعد آپؐ نے آس پاس کے لوگوں سے فرمایا: ''دیکھو! وہ سوار کیا خبر لایا ہے؟''۔

تاہم وہ سوار جو انس ابن مرثد رضی اللہ عنہ تھے فوراً ہی اس سامنے کے پہاڑ سے اتر کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: ''تم اس گھاٹی کے سامنے سے رات کے کسی حصے میں ہٹے تو نہیں تھے؟'' انس بن مرثد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''سوائے رفع حاجت اور نماز کے علاوہ میں وہاں سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہٹا لیکن میں نے وہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ وہ پہاڑی گھاٹی جو پہلے ایک ہی نظر آ رہی تھی تھوڑی دیر بعد دو نظر آنے لگیں لیکن جب صبح ہوئی تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں میری نظروں سے غائب ہو گئیں''۔

انس ابن مرثد رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خیر تم نے اپنا فرض ادا کر دیا''۔

یہ روایت اسی طرح نسائی نے بھی محمد بن یحییٰ، محمد بن کثیر الحراتی اور ابی توبہ الربیع بن نافع کے حوالے سے پیش کی ہے۔

حنین سے کچھ مسلمانوں کے فرار اور پھر متقین کی کامیابی کا واقعہ

یونس بن بکیر وغیرہ نے اس سلسلے میں محمد بن اسحٰق کا بیان پیش کیا ہے جو کہتے ہیں: ''مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے عبدالرحمٰن ابن جابر بن عبداللہ اور آخر الذکر کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ مالک بن عوف جب اپنا لشکر لے کر حنین کی طرف جا رہا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اسلامی لشکر کو اس کے تعاقب کا حکم دیا لیکن وہ دیکھتے ہی دیکھتے اپنے لشکر سمیت بھاگ کر دائیں بائیں پہاڑوں پر چڑھ کر غائب ہو گیا اور صبح تک ساری وادی میں ان کا نشان تک نہ تھا لیکن یہ مالک بن عوف کی ایک جنگی چال تھی کیونکہ جب اسلامی لشکر اہل ہوازن اور دوسرے باغی قبائل کی طرف سے مطمئن ہو کر وادی حنین میں ٹھہر گیا تو وہ ٹڈی دل کی طرح ادھر سے ادھر امڈ آیا اور اسلامی لشکر کو گھیرے میں لے کر اس پر ٹوٹ پڑا تو اکثر مسلمان اس آفت ناگہانی سے ایسے گھبرائے کہ انہیں تن بدن کا ہوش نہ رہا اور ان میں سے جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا اور آنحضرت ﷺ انہیں پکارتے رہ گئے کہ ''اے لوگو! کدھر جا رہے ہو؟ میری طرف آؤ' میں اللہ کا رسول ہوں' دیکھو میں اللہ کا رسول محمد بن عبداللہ ہوں''۔ لیکن اس افراتفری میں آپ کی آواز بھی صدا بصحرا ثابت ہوئی البتہ جن اہل ایمان نے اس وقت بھی صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور اپنی قلیل تعداد کے باوجود مالک بن عوف کے اس ٹڈی دل لشکر کا منہ پھیر دیا ان میں آپؐ کے اہل بیت میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں میں ابوسفیان ابن حارث بن عبدالمطلب' ان کے بھائی ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب' فضل بن عباس اور ایک روایت کے مطابق فضیل بن ابوسفیان' ایمن بن ام ایمن اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم پیش پیش تھے۔ ان کے علاوہ مہاجرین کا ایک گروہ جن میں قثم بن عباس اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے اپنی جگہ مضبوطی سے جما رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتہائی دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی سفید اونٹنی کو جس پر آپؐ سوار تھے ایک درخت کے نیچے لا کر اس کے گرد و پیش جم کر کھڑے ہو گئے۔ دوسری طرف جیسا کہ محمد بن اسحٰق نے بیان کیا ہے' ہوازن کا ایک شخص سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار اور ایک ہاتھ میں سیاہ پرچم اور دوسرے میں انتہائی لمبا نیزہ لیے ہوئے آپ کی طرف بڑھتا آ رہا تھا اور اس کے پیچھے اہل ہوازن کی کثیر تعداد تھی۔ محمد بن اسحٰق کے مطابق وہ ہوازن کا امام تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنا نیزہ آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھایا اور اس کے ساتھی آپ کے محافظین کی طرف بڑھے لیکن اسی وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیچھے سے اس شخص پر تلوار ماری جو اس کے سر سے سینے تک اتر گئی اور ایک انصاری نے اس کا ایک پاؤں پنڈلی تک اپنی تلوار سے کاٹ کر الگ کر دیا تو وہ اپنے اونٹ سے زمین پر آ رہا جس کے بعد اس کے ساتھی بلکہ سارا لشکر ان چند مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا کر پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا۔

محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ کچھ دیر بعد اسلامی لشکر کے بھگوڑوں کو بھی ہوش آیا لیکن جب وہ پلٹ کر آنحضرت ﷺ کے قریب آئے تو انہوں نے ہوازن کے اسیرانِ جنگ کو آپؐ کے سامنے دست بستہ کھڑا پایا۔

امام احمدؒ نے یعقوب بن ابراہیم زہری کی ایک روایت ان کے والد اور ابن اسحٰق کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں آخر کار ہوازن کی شکست فاش اور غازیان اسلام کی قابل رشک کامیابی و فتح کے بعد آنحضرت ﷺ سب سے پہلے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' جواب دیا گیا: آپ کے چچا کے بیٹے یارسول اللہ (ﷺ) ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو مذکورہ بالا آفت ناگہانی اور افراتفری میں بھی آپ کی سواری کی لگام تھامے مستقل مزاجی سے جمے کھڑے رہے تھے مسلمان ہو کر درحقیقت بہترین مسلمانوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے مقابلے میں ابوسفیان صخر بن حرب تھے جن کے دائرہ اسلام میں آ جانے کے بعد بھی ان کی زمانہ جاہلیت کی کمزوریوں خصوصاً فال کے تیروں کے ذریعہ تقسیم حصص کا اکثر ذکر رہتا تھا غزوۂ حنین میں ان کا قول تھا کہ مسلمان شکست کھا کر سمندر سے اس طرف نہیں ٹھہریں گے لیکن بعد میں مشرک عربوں کی مثالی شجاعت اور دم خم کا جنازہ نکلتا دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو گئے تھے۔ ان کے علاوہ صفوان بن امیہ کی باطل پرستی کا سحر بھی حنین ہی میں ٹوٹا تھا اور وہ جو ایک طویل مدت تک مشرک رہے تھے اس روز کہہ رہے تھے کہ قریش کا ایک آدمی بھی مجھے سارے قبیلہ ہوازن سے زیادہ عزیز ہے۔

امام احمدؒ متعدد حوالوں کے ساتھ فرماتے ہیں کہ حنین میں ہوازن اپنے ساتھ اپنی عورتوں اور بچوں کے علاوہ ہزاروں اونٹ اور دوسرا ساز و سامان لے کر آئے تھے اور ان کی ہزیمت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''مسلمانوں میں سے جس نے کسی کافر کو قتل کیا اس کافر کا مال اس کا ہو گا''۔ چونکہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس روز دس کافروں کو قتل کیا تھا اس لیے ان سب کا مال بطور مال غنیمت انہی کے حصہ میں آیا تھا۔ اس پر موقع پر ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے عرض کیا تھا: ''یارسول اللہ (ﷺ) میں نے ایک کافر کو قتل کیا تھا لیکن اس کی زرہ نہ جانے کس نے اتار لی؟'' یہ سن کر قریب سے ایک شخص شرمندہ ہو کر بولا: ''وہ میں نے اتاری تھی، لیجیے یہ حاضر ہے''۔

اس روز جس مسلمان نے جس چیز کا دعویٰ کیا تھا اور کسی دوسرے نے اس کی تردید نہیں کی تھی تو وہ چیز اسی شخص کو دے دی گئی تھی۔

ابوطلحہ نے ام سلیم کے پاس ایک خنجر دیکھ کر ان سے پوچھا: ''یہ خنجر تمہیں کہاں سے ملا؟'' وہ بولیں: ''یہ خنجر مجھے کسی مشرک کا پیٹ چاک کرنے کے لیے ملا ہے''۔ جب یہ بات آنحضرت ﷺ تک پہنچی اور آپؐ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے وہی سوال کیا تو وہ بولیں: ''یارسول اللہ (ﷺ) میں ایک ہزیمت خوردہ مشرک کا تعاقب کر رہی تھی تو وہ یہ خنجر چھوڑ بھاگا۔ پھر تو یہ میرا ہی ہوا نا؟'' ام سلیم رضی اللہ عنہا سے یہ سن کر آپؐ ہنس پڑے اور پھر خاموش ہو گئے۔

ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا: ''یارسول اللہ (ﷺ) آج شیروں کے شیر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو اتنا مال غنیمت نہیں ملا جس کے وہ مستحق تھے''۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''عمرؓ! تم نے سچ کہا'' ایک دوسری روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا گیا ہے۔

بعض روایات میں بتایا گیا ہے کہ مکے سے وہاں چار سو مسلمان ہو جانے والے لوگوں کے علاوہ باقی سولہ سو دوسرے افراد جو وہاں سے ہوازن کی طرف آنحضرت ﷺ کی روانگی کے وقت آپؐ کے ساتھ ہو لیے تھے وہ صرف مال غنیمت کے لالچ میں وہاں آپؐ کے ساتھ گئے تھے جن میں ابی سفیان صخر بن حرب اور صفوان بن امیہ بھی تھے لیکن جب وہ مسلمان ہو گئے تو انہیں بھی ہوازن کے مال میں سے کچھ نہ کچھ مل ہی گیا تھا نیز یہ کہ ان لوگوں کو جو بھگوڑوں میں شامل نہیں تھے اس سے محروم نہیں رکھا گیا تھا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حنین میں ہوازن کی شکست کے بعد مال غنیمت کی تقسیم کے لیے آنحضرت (ﷺ) نے مسعود بن عمرو غفاری (رضی اللہ عنہ) کو مقرر فرمایا تھا۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ ہوازن کی شکست کے بعد وہاں کی سرداری مالک بن عوف نصری ہی کے پاس رہی تھی۔

ابن اسحٰق یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس روز خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک عورت قتل ہو گئی تھی اور جب آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: ''خالد کو تلاش کرو اور ان سے کہو کہ وہ عورتوں، بچوں اور غیر مسلح لوگوں کو قتل نہ کریں''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ جب بھی آنحضرت ﷺ کے حکم سے کسی غزوے میں مقدمۃ الجیش کے امیر کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ گئے تو آپؐ نے انہیں ہمیشہ یہی حکم دیا کہ وہ عورتوں، بچوں یا کسی غیر مسلح شخص کو قتل نہ کریں۔

غزوۂ اوطاس

غزوہ اوطاس کا سبب یہ تھا کہ جب قبیلہ ہوازن نے حنین میں مسلمانوں سے شکست کھائی تو ان کا ایک گروہ مالک بن اوس نصری کی سربراہی میں ان سے الگ ہو کر طائف میں قلعہ بند ہو گیا اور ایک دوسرا گروہ ایک اور قلعہ میں جسے قلعہ اوطاس کہا جاتا تھا فوج جمع کر کے جا بیٹھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف ابو عامر اشعری کی سربراہی میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک فوجی رسالہ بھیجا جس نے وہاں جا کر ان سے جنگ کی اور ان پر غالب آیا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس طائف تشریف لے گئے اور اس کا محاصرہ کیا جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ عنقریب آگے چل کر کریں گے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حنین میں ہوازن کی شکست کے بعد ان کا ایک گروہ طائف چلا گیا اور ایک گروہ نے اوطاس کو اپنا مرکز بنا کر وہاں فوج جمع کر لی۔ ان کا ایک گروہ نخلہ بھی گیا لیکن وہ صرف بنی ثقیف کی ایک شاخ بنو غیرہ کے لوگ تھے۔ ان کا ایک آخری گروہ جس نے آنحضرت ﷺ کی اطاعت اختیار کر لی تھی اس کا تعلق اس قبیلے کی شاخ ثنایا سے تھا۔

بہر کیف ربیعہ بن رفیع بن اہان سلمی نے اوطاس میں درید بن صمعہ کو دیکھا تو انہوں نے اس کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ ربیعہ کو معلوم ہوا تھا کہ قلعہ اوطاس میں کوئی عورت حکمرانی کر رہی ہے اس لیے وہ درید کو پہچان نہ سکے جو کافی سن رسیدہ تھا۔ درید بن صمعہ جو اپنی ماں کے نام سے ابن دغنہ مشہور تھا اسی رشتے سے ربیعہ کا عزیز تھا اور وہ اس کو کوئی جوان آدمی سمجھتے تھے لیکن ایک بوڑھے کو اپنے سامنے دیکھ کر چکرا گئے اور جب اس نے پوچھا: ''تم میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟'' تو وہ بولے ''میں تمہیں قتل کر دوں گا اور واقعی انہوں نے اسے قتل کر دیا لیکن جب ربیعہ نے اپنی ماں سے اس کا ذکر کیا تو وہ افسوس کرتے ہوئے بولی:

''کمبخت تو نے اپنے رشتے کے بھائی ہی کو قتل کر دیا''۔

اس کے بعد اسحٰق نے بتایا ہے کہ درید پر کئی لوگوں نے مرثیے بھی کہے تھے۔ البتہ ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ اس سے قبل اوطاس کی میدانی لڑائی میں اس درید بن صمعہ نے تیر مار کر ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو ہلاک کیا تھا۔

ابن اسحٰق نے ایک دوسرے بیان میں بتایا ہے کہ جس لشکر کا سربراہ بنا کر آنحضرت ﷺ نے ابو عامر اشعری کو اوطاس روانہ فرمایا تھا جب وہ وہاں پہنچا تو سب سے پہلے ابو عامر رضی اللہ عنہ ہی نے ان لوگوں کو جو ہوازن میں شکست کھا کر وہاں جمع ہوئے تھے اور اب پھر آنحضرت ﷺ کے خلاف بغاوت پر آمادہ تھے اس لیے ابو عامر رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی تھی لیکن جب وہ تیر کھا کر شہید ہو گئے تو ان کا علم ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سنبھال لیا تھا جو ابو عامر رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ اوطاس میں سب سے پہلے ابو عامر رضی اللہ عنہ کا دس مشرک بھائیوں سے مقابلہ ہوا تھا

اور انہوں نے ان میں سے ہر ایک پر حملہ کرنے سے قبل اسے دعوت اسلام دی تھی لیکن اس کے انکار پر انہوں نے اسے قتل کیا تھا اور اسی طرح انہوں نے نو بھائی قتل کر دیئے لیکن دسویں نے جب کہا کہ وہ دین اسلام کے سوا کسی اور دین کی شہادت تو نہیں دے رہا ہے تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا تھا اور ابن اسحٰق کے بقول وہ دسواں شخص بعد میں باقاعدہ مسلمان ہو کر بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔

حنین واوطاس کے شہداء:

حنین اور اوطاس کے شہداء کی مجموعی تعداد صرف چار تھی جن کے نام ذرج ذیل ہیں:

ایمن ابن ام ایمن جو عبید کے بیٹے اور آنحضرت ﷺ کے غلام تھے' زید بن زمعہ بن اسود بن مطلب' سراقہ بن مالک بن حارث بن عدی انصاری جن کا تعلق بنی عجلان سے تھا اور ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ جنہیں آنحضرت ﷺ نے اوطاس میں امیر لشکر بنا کر بھیجا تھا۔

جن شعراء نے غزوۂ ہوازن (حنین) پر بڑے قابل قدر اشعار کہے ہیں ان کے نام یہ ہیں:

بجیر بن زہیر بن ابی سلمی' ابن ہشام' عباس بن مرداس سلمی' عباس۔

ان شعراء کے علاوہ دیگر کئی شعراء نے غزوۂ ہوازن پر زور قلم دکھایا اور ان کے جواب میں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ایک آدھ مشرک شاعر نے بھی شاعری میں اپنی مہارت کا ثبوت دیا تھا اور غزوۂ ہوازن کے سلسلے میں یہ شعری سرمایہ بھی عربی ادب میں ادب کی حد تک اور اظہار جذبات کی حد تک آج تک قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

غزوۂ طائف

عروہ اور موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا اور یہ واقعہ بھی ماہ شوال سال ہشتم ہجری کا ہے۔

محمد ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حنین میں بنی ثقیف کے شکست خوردہ لوگوں نے وہاں سے طائف کا رخ کیا اور اس شہر میں گویا اپنے نزدیک مسلمانوں کا داخلہ بند کر دیا۔ انہوں نے وہاں ایسے اسلحہ جنگ بھی تیار کر لیے جن کے متعلق عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ کہتے ہیں کہ اس سے قبل حنین یا طائف میں ان کی نظر سے نہیں گزر رہے تھے مثلاً منجنیق' دبابے اور قلعہ کی دیواروں تک پہنچنے کے آلات وغیرہ۔

بہرکیف بنی ثقیف کی طائف میں ان تیاریوں کا حال سن کر آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے مجاہدین کو ساتھ لے کر طائف کی طرف روانہ ہوئے جس کا حال کعب بن مالک نے بڑی خوبصورتی سے نظم کیا ہے۔ اسی طرح آپؐ کے اس سفر کا حال جیسا کہ امام محمد بن اسحاق نے بتایا ہے' عباس بن مرداس سلمی رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے قابل قدر اشعار میں پیش کیا ہے جنہیں یہاں درج کرنے سے ہم نے بخوف طوالت عمداً گریز کیا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ حنین سے طائف کی طرف سفر کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ پہلے نخلہ یمانیہ پہنچے' وہاں سے آگے قرن پھر ملیح اور پھر وہاں سے آگے بڑھ کر لیہ کے بحرۃ الرغاء میں قیام فرمایا جہاں آپؐ نے ایک مسجد کی بنیاد ڈال کر وہیں نماز ادا فرمائی اور وہیں ایک قتل کا فیصلہ بھی فرمایا جس کا مقدمہ اسلام میں آپؐ کے سامنے پہلی بار پیش کیا گیا تھا۔ ہوا یہ تھا کہ بنی لیث کے کسی شخص نے بنی ہذیل کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور آپؐ نے قاتل کے قتل کا حکم دیا تھا جس کے بعد اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ وہیں آپ کو مالک بن عوف نصری کا تعمیر کردہ ایک (کچا) قلعہ ملا تھا جسے آپؐ کے حکم سے منہدم کر دیا گیا تھا۔

اس سے آگے آپؐ نے ضیقہ کی راہ پر پیش قدمی فرمائی اور اس راستے کا نام دریافت فرمایا تو آپ کو بتایا گیا کہ ''اس راستے کا نام ضیقہ ہے''۔ آپؐ نے فرمایا: ''یہ تو آسان راستہ ہے اس لیے اسے ضیقہ (مشکل) نہیں آسان کہنا چاہیے''۔

اس کے بعد آپؐ نے نخب کی راہ سے آگے بڑھ کر ایک درخت کے زیرسایہ قیام فرمایا جسے ''صادرہ'' کہا جاتا تھا اور اس درخت کے علاوہ اس کے گردوپیش کی زمین بنی ثقیف کے ایک شخص کی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے کہلوایا کہ وہ آپؐ سے گفتگو کے لیے اپنے اس پختہ مکان سے باہر آئے جسے وہ پناہ گاہ کے طور پر استعمال کر رہا تھا لیکن اس کے انکار کرنے پر جیسا کہ اسے پہلے ہی خبردار کر دیا گیا تھا' اس کی اس پناہ گاہ کو آپؐ کے حکم سے منہدم کر دیا گیا۔

ابن اسحٰق متعدد دوسرے حوالوں کے علاوہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی زبانی جو طائف کی طرف سفر میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا:

''جب ہم حنین سے طائف کی طرف آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے تو راستے میں ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں کسی کی قبر تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اسے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ: ''یہ قبر بنو ثقیف کے ایک شخص ابی رغال کی ہے جو پہلے قوم ثمود کے ساتھ رہتا تھا۔ جب قوم ثمود پر عذاب الٰہی نازل ہوا تو وہ بھاگ کر یہاں آ گیا اور یہیں اپنے لیے قیام گاہ تعمیر کر لی''۔ اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''مرتے وقت ابی رغال نے وصیت کی تھی کہ اس کا جمع کردہ خزانہ اس کی میت کے ساتھ اس کے مدفن میں دفن کر دیا جائے''۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ابی رغال کی قبر کھودی گئی تو آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق اس میں سے اس کا مدفون خزانہ برآمد ہوا جس کے متعلق مشہور تھا کہ اگر کوئی شخص اس کا کسی قدر حصہ بھی اپنے تصرف میں لایا تو وہ انتہائی مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا لیکن اہل اسلام نے اسے پچھلے لوگوں کی توہم پرستی پر محمول کیا اور یہی آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔

یہ روایت ابوداؤد نے بھی یحییٰ بن معین، وہب ابن جریر بن حازم، ان کے والد اور ابن اسحٰق کے حوالے سے پیش کی ہے اور اسے بیہقی نے بھی یزید بن زریع کی زبانی روح بن قاسم اور اسماعیل بن اُمیہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ اس جگہ سے آگے سفر فرماتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے طائف کے سامنے پہنچ کر اسلامی لشکر کو وہیں پڑاؤ کا حکم دیا اور بنی ثقیف کے جو لوگ ہوازن چھوڑ کر طائف میں قلعہ بند ہو گئے تھے ان سے کہلوا بھیجا کہ اگر وہ قلعہ سے باہر نکل کر صلح جو یانہ گفتگو پر آمادہ ہوئے تو ان سے جنگ نہیں کی جائے گی لیکن انہوں نے اس سے نہ صرف قطعی انکار کیا بلکہ قلعہ کی کمین گاہوں سے تیر اندازی کر کے آپؐ کے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب طائف کے نزدیکی علاقے سے آنحضرت ﷺ نے آگے بڑھ کر اسلامی لشکر کو اس جگہ پڑاؤ کا حکم دیا تھا۔ جہاں آج کل ایک مسجد واقع ہے جسے بنی ثقیف نے اسلام قبول کرنے کے بعد تعمیر کیا تھا۔ بنی ثقیف کے بقول اس مسجد میں ایک ایسا گنبد تعمیر کیا گیا تھا جس پر صبح سے طلوع آفتاب کے بعد شام تک کسی وقت دھوپ نہیں پڑتی تھی۔ تاہم بعض لوگوں نے اس کی تردید بھی کی ہے۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ طائف میں بنی ثقیف کے اس قلعہ کا محاصرہ بیس روز سے کچھ زیادہ عرصے تک جاری رہا تھا جب کہ ابن ہشام کے مطابق یہ مدت سترہ دن تھی۔

عروہ و موسیٰ بن عقبہ زہری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حنیف سے طائف کی طرف سفر کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے زائد از ضرورت سامان جرعانہ میں چھوڑ دیا تھا اور اس کے لیے ایک جگہ مقرر کر کے کچھ محافظ وہاں چھوڑ دیئے تھے۔

زہری کے بقول آنحضرت ﷺ نے جرعانہ سے آگے بڑھ کر قلعہ طائف کے قریب اکمہ میں قیام فرمایا تھا اور وہیں بنی ثقیف سے دس روز کے قریب مجاہدین اسلام کا مقابلہ ہوا تھا جس میں پہلے دونوں طرف کے کچھ لوگ کام آئے تھے۔ اس کے بعد

بنی ثقیف قلعہ بند ہو گئے تھے اور آنحضرت ﷺ کے حکم سے مجاہدین نے آگے بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا تھا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے اس اعلان کے باوجود کہ بنی ثقیف کے جتنے غلام قلعے سے نکل کر اسلامی لشکر میں آ جائیں گے انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ ابی بکرہ بن مسروح کے علاوہ جو ماں کی طرف سے زیاد کے بھائی تھے ایک شخص بھی قلعے سے باہر نہیں نکلا تھا۔ ابی بکرہ بن مسروح کو آپؐ کے مذکورہ بالا اعلان کے مطابق آزاد کر دیا گیا تھا۔

اس سے قبل دست بدست جنگ میں بنی ثقیف کے بہت سے آدمی قتل اور زخمی ہونے کے علاوہ ان کے انگور کے باغات بھی پامال ہو گئے تھے جن کے متعلق وہ کہتے تھے کہ:

''ان پر تم سے زیادہ ہمارا حق ہے اس لیے انہیں برباد نہ کرنا''۔

عزوہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا اعلان کے بعد ابی بکرہ بن مسروح کے علاوہ اور کئی غلام قلعہ طائف سے بھاگ کر اسلامی لشکر میں آ گئے تھے جنہیں آپؐ نے آزاد فرما کر فرداً فرداً کسی نہ کسی مسلمان کی تحویل میں دے دیا تھا۔

عروہ کے بقول جب بنی ثقیف کے کسی شخص نے ان چند غلاموں کے علاوہ قلعے سے باہر قدم نہ نکالا تو آنحضرت ﷺ نے بنی ثقیف کو طیش دلا کر باہر نکلنے اور وہاں جنگ پر مجبور کرنے کے لیے حکم دیا کہ مجاہدین میں سے ہر شخص طائف کے باغات کے کم سے کم پانچ درخت کاٹے اور اتنی ہی ان کے گرد انگور کی بیلیں کاٹے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مذکورہ بالا اعلان کہ بنی ثقیف کے جتنے غلام لشکر اسلام میں آ جائیں گے انہیں آزاد کر دیا جائے گا عمومی حیثیت کا نہیں تھا بلکہ ان کے قبول اسلام کے ساتھ مشروط تھا اور اس کی شرعی حیثیت بھی یہی تھی۔ امام احمدؒ کے بقول آنحضرت ﷺ کے اس اعلان کی شرعی حیثیت بھی جس میں اس سے قبل آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''جو مسلمان کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا مال اسی مسلمان کا ہوگا''۔ یہی تھی۔

بہرکیف اکثر معتبر و مستند روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ اعلان اس وقت فرمایا تھا جب دبابوں کے ذریعہ قلعہ طائف کی دیواروں کے نزدیک پہنچنے والے مجاہدین اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے مجاہد ان کی تیراندازی اور منجنیقوں کے ذریعہ سنگ باری سے شہید ہو چکے تھے۔ نیز آپؐ نے بنی ثقیف کے طائف میں واقع باغات کے درخت اور وہاں انگوروں کی بیلیں کاٹنے کا حکم بھی اس کے بعد ہی دیا تھا اور جو بنی ثقیف کے غلام قلعے سے بھاگ کر لشکر اسلام میں آ گئے تھے انہیں بشرط قبول اسلام آزاد کر دیا گیا تھا۔

اس کے بعد جب محاصرہ نے طول پکڑا تو بنی ثقیف کا ایک وفد جن میں ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ بھی شامل تھے امن کی درخواست کے بعد آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے بنی ثقیف کو معاف فرما دینے کی درخواست کی تو آپؐ نے شرط قبول اسلام ان کی یہ درخواست قبول فرمالی۔

اس کے بعد بنی ثقیف کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور باقی لوگ بھی ماہ رمضان سال نہم ہجری میں مسلمان ہو گئے جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع تفصیلی طور پر کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طائف سے مراجعت اور غنائم ہوازن کی تقسیم

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ طائف کے معاملات سے فراغت کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے مراجعت فرمائی تو آپؐ نے واپسی میں پہلے جعرانہ میں قیام فرمایا جہاں آپؐ حنین میں اہل ہوازن سے حاصل کردہ مال غنیمت اور دوسرا غیر ضروری سامان جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' وہاں کے مسلمانوں کی حفاظت میں چھوڑ گئے تھے۔ اس وقت آپ کے لشکر کے علاوہ وہ اہل ہوازن بھی آپؐ کے ہمراہ تھے جو طائف میں مسلمان ہو گئے تھے۔

ابن اسحٰق بیان فرماتے ہیں کہ جعرانہ میں جو مال غنیمت چھوڑا گیا تھا وہ چھ ہزار دینار زر نقد کے علاوہ اہل ہوازن کی گرفتار شدہ عورتوں' خیموں اور بے شمار اونٹوں اور بکریوں پر مشتمل تھا۔

ابن اسحٰق کے بقول جعرانہ میں نماز ظہر سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہوازن کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کی عورتیں اور مال انہیں واپس کر دیا جائے' باقی مال میں سے خمس یعنی بنی عبدالمطلب کا حصہ نکال کر مجاہدین میں مساوی تقسیم کر دیا جائے۔ اس کے بعد آپؐ نے ان لوگوں کے لیے جو اہل ہوازن میں سے مسلمان ہو گئے تھے دعائے خیر فرمائی اور ان کے باقی لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ وہ انہیں بھی ہدایت دے۔

اسی وقت اہل ہوازن کے خطیب زہیر بن صرد ابو صرد نے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دست بستہ عرض کیا:

''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوازن کی جنگ میں آپ کی طرف سے ہمیں وہ مصائب نہیں اٹھانے پڑے جو ابن ابی شمر یا نعمان بن منذر نے ہمیں پہنچائے۔ بہرحال آپ کریم ابن کریم اور اللہ کے رسول ہیں' ہمیں اُمید ہے کہ اب آپ کا کرم ہی ہمارے لیے کافی ہوگا''۔

اس کے بعد اہل ہوازن کے خطیب زہیر بن صرد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ بھی فی البدیہہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

اُمنن علینا رسول اللّٰہ فی کرم　　　فانّک المرءُ نرجوہ و تنظر

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہوازن کے خطیب زہیر بن صرد کے ذریعہ ان سے دریافت فرمایا کہ انہیں اپنی عورتیں اور اپنے بیٹے زیادہ عزیز ہیں یا اپنا زر و مال؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال کے جواب میں وہ بولے کہ انہیں اپنا زر و مال بھی عزیز ہے لیکن اپنی عورتیں اور بیٹے اس سے زیادہ عزیز ہیں۔

ان کے اس جواب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہوازن کے مسلمان ہو جانے والے لوگوں کی گرفتار کی جانے

والی عورتوں اور ان کے سغیر سن بیٹوں کے ساتھ ان کا مال بھی واپس کر دیا جائے۔

جب آنحضرت ﷺ نے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' باقی مال غنیمت کے بارے میں حکم دیا کہ اس میں سے آپ کا یعنی خمس اور بنی عبدالمطلب کا حصہ نکال کر اسے مجاہدین اسلام میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے تو مہاجرین یک زبان ہو کر بولے:

''ہم اپنا حصہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے ہیں۔ یہی بات انصار نے بھی کہی لیکن عباس بن مرداس نے اپنی اور بنی سلیم کی طرف سے کہا کہ وہ اپنا حصہ لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان سب کی حسبِ خواہش مال غنیمت کی تقسیم کے بعد آنحضرت ﷺ جعرانہ سے روانہ ہو گئے''۔

آنحضرت ﷺ پر بعض اہل شقاق کے اعتراضات

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے قبیصہ اور سفیان نے اعمش، ابی وائل اور عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ غزوۂ حنین میں حاصل شدہ مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں انصار کے ایک شخص نے کہا:

''کیا رسول اللہ (ﷺ) نے یہ تقسیم خدا کو حاضر و ناظر جان کر عادلانہ کی ہے؟''۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ اس شخص کی زبان سے یہ بات سن کر انہوں نے اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو دی تو آپؐ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم فرمائے، انہیں اس سے زیادہ ایذائیں دی گئیں (اور) انہوں نے ان پر صبر فرمایا''۔

یہ روایت مسلمؒ نے بھی اعمش کے علاوہ کئی دیگر متعدد حوالوں سے پیش کی ہے۔

بخاریؒ مزید فرماتے ہیں کہ ان سے قتیبہ، سعید اور جریر نے منصور، ابی وائل اور عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے حنین کے مال غنیمت سے اقرع بن حابس کو سو اور اتنے ہی اونٹ عیینہ کو دیئے تھے اور اسی طرح دوسرے لوگوں کو آپؐ کے حکم سے حصہ رسد وافر مقدار میں مال غنیمت دیا گیا لیکن پھر بھی ان میں سے ایک شخص نے کہا:

''کیا آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت کی یہ تقسیم عادلانہ فرمائی ہے؟''۔

جب عبداللہ نے اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو دی تو آپؐ نے فرمایا:

''اللہ موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم فرمائے، انہیں اس سے زیادہ ایذا دی گئی (لیکن) انہوں نے اس پر صبر کیا''۔

بخاریؒ ہی کی پیش کردہ ایک اور روایت میں جو انہوں نے منصور کی زبانی معتمر کے حوالے سے پیش کیا ہے بیان کیا گیا ہے کہ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے بعد جب یہی بات ایک شخص نے کہی اور اس کی خبر آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کرتا تو اور کون کرتا ہے؟'' اس کے بعد آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مندرجہ بالا جملہ بھی دہرایا۔

ابن اسحق فرماتے ہیں کہ ان سے ابوعبیدہ بن محمد بن یاسر نے حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق بیان کیا کہ وہ تقسیم آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن حارث بن نوفل کے غلام ابی القاسم کے ہاتھ سے کرائی تھی اور انہوں نے سنا تھا کہ اس پر کسی نے اعتراض بھی کیا تھا۔

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ جب وہ اور ان کے ساتھ تلید بن کلاب لیثی مکے گئے تھے تو انہوں نے عبداللہ بن عمرو ابن العاص کو کعبے میں طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا اور ان سے دریافت کیا تھا کہ آیا وہ اس وقت جب حنین کا مال غنیمت آنحضرت ﷺ کے حکم سے تقسیم کیا جا رہا تھا آپ کی خدمت میں حاضر تھے اور اس تقسیم پر کسی نے اعتراض کیا تھا یا نہیں؟ اس سوال کا جواب جیسا کہ

ابوعبیدہ بن محمد بن یاسر نے ابن اسحٰق کو بتایا' عبداللہ بن عمرو بن العاص نے یہ دیا:

''ہاں میں اس وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جب بنی تمیم کے ایک شخص نے جس کا نام ذوالخویصرہ تھا اس مال غنیمت کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے آپؐ سے کہا: ''یا محمدؐ! کیا آپ حنین کے مال غنیمت کی اس تقسیم کو دیکھ رہے ہیں؟'' آپؐ نے ذوالخویصرہ سے دریافت فرمایا: تم نے اسے کیسا دیکھا؟ (یعنی اس میں کوئی غلطی پائی؟)''۔

تو وہ بولا:

''میں نے جو دیکھا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ آپؐ نے اس کی تقسیم کا عادلانہ حکم نہیں دیا ہے''۔

ذوالخویصرہ کی اس نازیبا بات پر آپؐ نے برہم ہو کر فرمایا:

''کمبخت! کیا تو سمجھتا ہے کہ میرے علاوہ کسی اور کے سامنے زیادہ عادلانہ تقسیم ممکن ہے؟''۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ ذوالخویصرہ کے یہ نازیبا و گستاخانہ کلمات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی جو آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر تھے سنے تو آپؐ سے عرض کیا: ''کیا میں اسے قتل کر دوں؟''۔

آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا:

''جانے دو' دین میں ایسے اشخاص کے شامل ہونے اور خارج ہونے کی مثال اس تیر کی سی ہے جو کمان میں آ کر نکلتا ہے تو کسی طرف راہ نہ پا کر (سر کے بل) زمین پر آ رہتا ہے''۔

اس روایت کو دوسرے متعدد ثقہ راویوں نے بھی مذکورہ بالا حوالوں کے علاوہ دیگر مستند حوالوں سے بیان کیا ہے۔

جعرانہ میں آنحضرت ﷺ کی اپنی رضاعی بہن سے ملاقات

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ان سے بنی سعد بن بکر کے بعض لوگوں نے بیان کیا کہ غزوۂ ہوازن کے دوران میں آنحضرت ﷺ نے مجاہدین سے فرمایا تھا کہ اگر وہ نجدیوں پر قابو پالیں تو ان میں سے بنی سعد بن بکر کے کسی شخص پر سختی نہ کی جائے۔ لہٰذا جب اہل ہوازن پر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو آپؐ کے ارشادِ گرامی کے مطابق بنی سعد بن بکر کے گرفتار شدہ لوگوں کو ان پر کسی سختی کے بغیر آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا۔

ابن اسحٰق مزید کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کے بارے میں انہیں بتایا انہوں نے ہی انہیں یہ بھی بتایا کہ بنی سعد بن بکر کے ان گرفتار شدہ لوگوں کے ساتھ شیما بنت حارث بن عبدالعزیٰ بھی آپ کی خدمت میں پیش کی گئی جس نے آپؐ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) ''میں آپ کی رضاعی بہن ہوں'' اس سے یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''اس کا کوئی ثبوت؟''۔

شیما بولی:

''بچپن میں میرے ساتھ کھیلتے کھیلتے جب میں نے آپ کو ستایا تھا تو آپؐ نے میری کمر میں کاٹ لیا تھا جس کا نشان اب تک میری پشت پر موجود ہے''۔

آنحضرت ﷺ نے شیما کی زبان سے یہ سن کر فرمایا:

''تم ٹھیک کہتی ہو' مجھے اپنے بچپن کا وہ واقعہ یاد ہے''۔

اس کے بعد آپؐ نے شیما کو محبت سے اپنی ردائے مبارک پر بٹھایا اور اظہار شفقت فرمایا۔ پھر اس سے دریافت فرمایا کہ وہ اپنے عزیز و اقارب میں جانا چاہتی ہے یا آپؐ کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو اس نے عرض کیا کہ وہ اپنے عزیزوں میں جانا چاہتی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اسے اس کے عزیزوں کے پاس بھجوا دیا۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہیں بنی سعد بن بکر کے انہی لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے شیما کو رخصت فرماتے وقت اس کی خدمت کے لیے مکحول نامی ایک لڑکا اور ایک کنیز عنایت فرمائی تھی جس کی بعد میں اس غلام سے شادی ہو گئی تھی لیکن ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

بیہقی ابونصر بن قتادہ' عمرو بن اسماعیل ابن عبدالسلمی' مسلم' جعفر بن یحییٰ بن ثوبان کے حوالے سے اسی قبیل کی ایک روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہیں یعنی مسلم کو جعفر بن یحییٰ بن ثوبان نے بتایا:

''جب آنحضرت ﷺ غزوۂ ہوازن کے روز مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے تو اس وقت میں ایک جوان لڑکا تھا اور میرا

کام مال غنیمت کے اونٹوں کو سنبھالنا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت جب آپ کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپؐ نے اپنی ردائے مبارک بچھا کر اس پر اسے بڑے احترام سے بٹھایا۔ میں نے اس عورت کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ عورت بنی سعد میں سے آپ کی رضاعی (دودھ شریک) بہن کی ماں ہے''۔

بیہقی کی پیش کردہ یہ روایت بڑی عجیب وغریب ہے۔ سوال یہ ہے کہ غزوۂ ہوازن کے وقت جب خود آنحضرت ﷺ کی عمر شریف ساٹھ سال تھی تو آپ کو دودھ پلانے والی حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی عمر اگر وہ زندہ تھیں اس وقت کیا ہوگی اور بنی سعد کی اس عورت کی عمر بھی جس کی بیٹی کو حلیمہ سعدیہ نے آپؐ کے ساتھ دودھ پلایا تھا اس وقت کیا رہی ہوگی جسے آپؐ نے یوں اپنی ردائے مبارک پر احتراماً بٹھایا تھا؟ بہرحال ہمارے نزدیک یہ روایت قرین قیاس نہیں ہے۔ واللہ اعلم (مؤلف)

آنحضرت ﷺ کی جعرانہ سے عمرہ کے لیے روانگی

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ان سے یہ روایت بیان کرتے ہوئے بہز اور عبدالصمد مغنی نے کہا کہ انہیں ہمام بن یحییٰ نے قتادہ کی زبانی بتایا کہ آخر الذکر یعنی قتادہ نے جب انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے کتنے حج ادا فرمائے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ حج تو آپؐ نے صرف ایک مرتبہ ادا فرمایا لیکن عمرے چار بار ادا فرمائے جن میں سے پہلا تو وہ تھا جو آپؐ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ادا فرمایا۔ دوسرا ماہ ذیقعدہ میں مدینے سے مکے جا کر ادا فرمایا' تیسرہ عمرہ آپؐ نے جعرانہ سے وہاں ہوازن کا مال غنیمت تقسیم فرمانے کے بعد براہ راست مکے تشریف لے جا کر ادا فرمایا اور چوتھا عمرہ آپ نے اپنے پہلے اور آخری حج کے ساتھ ادا فرمایا۔

یہ روایت بخاری' مسلم اور ابوداؤد نے کئی دیگر مختلف ذرائع اور ہمام بن یحییٰ کے حوالے سے پیش کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن اور صحیح بتایا ہے۔

امام احمدؒ نے ابونصر نے اور داؤد یعنی العطار تینوں نے عمرو' عکرمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چار بار عمرہ ادا فرمایا' پہلا عمرہ حدیبیہ' دوسرا عمرہ قضا' تیسرا عمرہ جعرانہ سے براہِ راست مکے جا کر اور چوتھا اوّل وآخر حج کے ساتھ۔

یہی روایت ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ نے داؤد ابن عبدالرحمٰن العطار مکی کی زبانی عمرو بن دینار کے حوالے سے پیش کی ہے۔

امام احمدؒ، یحییٰ ابن زکریا بن ابی زائدہ اور حجاج بن ارطاط نے جو عمرو بن شعیب کے والد اور دادا اور عبداللہ ابن عمرو بن العاص کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کے صرف تین بار عمرے کا ذکر کیا ہے وہ اس لیے کہ آپؐ نے یہ تینوں عمرے ماہ ذیقعدہ میں ادا فرمائے تھے لیکن چوتھے عمرے کا ذکر ان کے ساتھ اس لیے نہیں کیا کہ وہ چوتھا عمرہ آپؐ نے حج کے ساتھ ماہ ذی الحجہ میں ادا فرمایا تھا اور انہوں نے اسے حج ہی میں اس مہینے کے واقعات کے ساتھ شامل کر لیا۔

نافع نے جو آنحضرت ﷺ کے ادائیگی عمرہ کی تعداد صرف تین بتا کر آپؐ کے جعرانہ سے ادائیگی عمرہ سے کلیتہً انکار کیا ہے وہ حیرت ناک ہے کیونکہ دوسرے راویوں نے خود اسی کے حوالے سے ان کی تعداد چار بتائی ہے۔

جن راویوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کی ادائیگی عمرہ کا ذکر کیا ہے انہوں نے انہی کے حوالے سے آپؐ کے ایک عمرہ کا ذکر ماہ رجب میں کیا ہے۔ اس طرح بھی آپؐ کے عمروں کی مجموعی تعداد چار ہو جاتی ہے۔

بہرکیف آنحضرت ﷺ کے چار عمروں سے انکار کی کوئی حقیقت نہیں ہے جب کہ صحیحین کی متعدد روایات میں بھی ان کی مجموعی تعداد چار ہی بتائی گئی ہے نیز دوسرے متعدد راویوں نے عمرۂ جعرانہ کو بھی ان میں شامل کیا ہے۔

کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی کا قبول اسلام اور ان کے قصیدے بانت سعاد کا قصہ

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ غزوۂ طائف سے فارغ ہو کر جعرانہ تشریف لائے اور وہاں سے آپؐ نے تقسیم غنائم کے بعد مکے جا کر ادائیگی عمرہ کا قصد فرمایا تو بجیر بن زہیر بن ابی سلمٰی نے اپنے باپ زہیر کی طرف سے اپنے بھائی کعب بن زہیر کو خط لکھا اور اس میں اسے آگاہ کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مکے کے اس شخص کو جو فتح مکہ سے قبل بلکہ آپ کی مکے سے مدینے کو ہجرت سے قبل بھی اپنے اشعار میں آپ کی ہجو کیا کرتا تھا قتل کر دیا ہے اور اس کے بعد قریش کے شاعروں میں صرف ابن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب باقی تھے جو مکے سے اِدھر اُدھر بھاگ گئے ہیں لہٰذا اگر اسے اپنی جان عزیز ہے تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لے کیونکہ سنا گیا ہے کہ اگر کوئی اپنے پچھلے اعمال سے تائب ہو کر آپؐ سے معافی کا طالب ہوتا ہے تو آپؐ اسے قتل نہیں کرتے بلکہ معاف فرما دیتے ہیں۔

بجیر بن زہیر نے اپنے باپ کی طرف سے اپنے بھائی کعب کو یہ بھی لکھا کہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اسے زمین کے کسی گوشے میں پناہ نہیں مل سکے گی۔

بجیر کے اس خط کے جواب میں کعب نے اپنے بھائی بجیر کو ایک منظوم خط لکھا جس میں اس نے اپنے پچھلے اعمال کا سچے دل سے اعتراف کرتے ہوئے لکھا کہ وہ اب بھی اپنے آپ کو مامون و مصئون سمجھتا ہے اور یہ بھی لکھا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے اس خط کو نہ چھپائے۔

چونکہ جبیر اس سے پہلے ہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے پچھلے گناہوں سے تائب اور آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہو چکا تھا اور چونکہ اس کے بھائی کعب نے اسے لکھا بھی تھا کہ اس کا وہ خط آپؐ سے چھپایا نہ جائے اس لیے اس نے وہ خط آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جسے سن کر آپؐ نے فرمایا:

''اس نے (اپنے گناہوں کے اعتراف کی حد تک سچ کہا لیکن اس نے یہ جھوٹ کہا کہ وہ اب تک) مامون ہے (اور مامون و مصئون رہے گا''۔

جبیر نے اپنے بھائی کعب بن زہیر کے مذکورہ بالا منظوم خط کے جواب میں آنحضرت ﷺ سے جو کچھ سنا تھا اسے لکھ بھیجا تو اسے اپنے قدموں کے نیچے سے زمین کھسکتی محسوس ہونے لگی۔ اس کے علاوہ اس نے دوسرے لوگوں سے یہ بھی سنا کہ وہ اپنے آپ کو اب مقتول سمجھے تو وہ واقعی گھبرا گیا اور سچ پوچھئے تو اس نے صرف خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی توفیق بخشی کہ اس نے آپ کی مدح میں ایک ایسا قصیدہ کہا جو عربی میں سب مدحیہ قصائد سے زیادہ مشہور اور ہر دلعزیز ہے۔ وہ قصیدہ آج تک عربی میں قصیدہ بانت سعاد کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

اس قصیدے میں کعب بن زہیر نے آنحضرت ﷺ کی کریمانہ صفات کی مدح کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ وہ

اسے اس کے دشمنوں سے محفوظ رکھے کیونکہ اسے ان کی طرف سے بے حد خوف تھا۔

یہ قصیدہ لے کر کعب بن زہیر مدینے پہنچا اور ایک ایسے شخص کے پاس ٹھہرا جس کے ساتھ اس کا جہینہ میں خاصے عرصے تک میل جول رہا تھا۔

اگلے روز کعب بن زہیر صبح ہی صبح مسجد نبوی پہنچا اور آنحضرت ﷺ کی قیادت میں صبح کی نماز ادا کی جس کے بعد اسے اشارہ کر کے بتایا گیا کہ:

''یہ رسول اللہ (ﷺ) ہیں اور اس سے کہا گیا کہ وہ آپؐ سے امن طلب کرے''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جیسا انہیں بتایا گیا' کعب بن زہیر اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے سامنے آ کر بیٹھا اور آپ کا دست مبارک ادب کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے چونکہ کعب بن زہیر کو پہچانا نہیں تھا اس لیے اس نے آپ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) اگر کعب بن زہیر آپ کی خدمت میں حاضر ہو آپؐ سے امن کا طالب ہو اور اپنے پچھلے گناہوں سے تائب ہو کر اسلام قبول کرنا چاہے تو کیا آپؐ اس کی معذرت قبول فرما کر اس کی گزشتہ زیادتیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز فرماتے ہوئے اسے معاف فرمادیں گے؟''۔

آنحضرت ﷺ کے جب اس کے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا تو کعب بن زہیر سر جھکا کر بولا:

''یارسول اللہ (ﷺ) میں ہی کعب بن زہیر ہوں''۔

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ انہیں عاصم بن عمر بن قتادہ نے بتایا کہ اس کی زبان سے یہ سن کر انصار کے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس دشمن خدا کی گردن اڑادوں''۔

اس انصاری کی یہ بات سن کر آپؐ نے فرمایا:

''تم اس سے دور رہو کیونکہ یہ توبہ کر کے اپنے پچھلے گناہوں کی عاجزی کے ساتھ معافی طلب کرنے آیا ہے''۔

(حدیث نبوی کا مفہومی وتشریحی ترجمہ۔مترجم)

اس کے بعد ابن اسحٰق مذکورہ بالا حوالے کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ کعب بن زہیر کو اس انصاری کی یہ بات سن کر غصہ آ گیا تھا اور جب وہ اپنے ساتھیوں میں واپس پہنچا تھا تو اس نے ان کے سامنے انصار کو برا بتایا لیکن مہاجرین کو کلمات خیر سے یاد کیا اور اس کے بعد بھی انہیں ہمیشہ کلماتِ خیر ہی کے ساتھ یاد کرتا رہا۔

بعض مؤرخین نے اس کی تردید کی ہے کہ قصیدہ بانت سعاد کعب بن زہیر کا کہا ہوا ہے لیکن جیسا کہ مشہور ہے اور صحیح بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کعب بن زہیر کی زبانی قصیدہ بانت سعاد سن کر انہیں اپنی یمنی ردائے مبارک عطا فرمائی تھی۔

قصیدہ بانت سعاد کا آخری شعر یہ ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول متیم عندها لم یفد مکبول

سال ہشتم ہجری کے مشہور واقعات واموات

سال ہشتم ہجری کے ماہ جمادی الاوّل میں کعب بن زہیر نے وفات پائی' اس سے قبل ماہ رمضان المبارک میں مکہ فتح ہوا جس کے بعد ماہِ شوال میں غزوہ ہوازن ہوا' اس کے بعد اسی سال طائف کا محاصرہ کیا گیا' ماہ ذیقعدہ میں عمرۂ جعرانہ اور اسی ماہ میں مکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینے واپسی ہوئی۔

واقدی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے واپس تشریف لائے تو ماہ ذی الحجہ ختم ہونے میں چند راتیں باقی تھیں۔

واقدی یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن عاص کو جیفر اور عمرو ابنی الجندی کی طرف ازد بھیجا تھا تا کہ وہاں کے مجوسیوں اور گرد و پیش کے غیر مسلم عربوں سے جزیہ وصول کر کے وہ دونوں آپ کی خدمت میں روانہ کریں۔

واقدی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ضحاک سے عقد کیا تھا لیکن اسے دین کے مقابلے میں دنیا کی طرف مائل دیکھ کر اس سے مفارقت اختیار فرمائی تھی۔

یہ بیان بھی واقدی ہی کا ہے کہ اسی سال ماہ ذالحجہ میں ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تھی اور اس وجہ سے کہ اس کے بطن سے آپ کا فرزند نرینہ پیدا ہوا تھا امہات المومنین اس پر رشک کرنے لگی تھیں۔ اس زچگی کے دوران میں ماریہ رضی اللہ عنہا کی قابلہ (دائی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز سلمٰی تھیں اور انہی نے ابی رافع کو ابراہیم ابن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر دی تھی اور پھر رافع نے یہ خوشخبری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کی تھی جس پر آپؐ نے رافع کو آزاد کر کے انہیں ام برہ بنت منذر بن اسید بن خداش بن عامر بن عدی بن نجار کے پ س ان کے شوہر البراء بن اوس بن خالد بن الجعد بن عوف بن مبذول کی خدمت کے لیے بھیج دیا تھا۔

اس سال کے وقائع کے ضمن میں ہم شہداء کے اسمائے گرامی پہلے پیش کر چکے ہیں نیز اسی سال کے اہم واقعات میں خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں نخلہ میں مشرکین کے اس معبد کے انہدام کا ذکر بھی کیا جا چکا ہے جس میں مشرکین عرب عزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے۔

اس معبد کو خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ نے سال ہشتم ہجری کے ماہ رمضان کے ختم ہونے سے پانچ روز قبل منہدم کیا تھا۔

واقدی کے بقول اس کے علاوہ اسی سال ایک ایسا ہی معبد جو سواع کا تھا اور جس کی ہذیل برہاط پرستش کیا کرتے تھے منہدم کیا گیا تھا۔ اسے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے منہدم کیا تھا لیکن اس میں سے کوئی خزانہ برآمد نہیں ہوا تھا۔

اسی سال مشلل میں مناۃ کا معبد جس کی اوس وخزرج کے لوگ پرستش کرتے تھے منہدم کیا گیا تھا۔ اسے سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ نے منہدم کیا تھا۔

ہم نے مشرکین کے ان بتوں کے بارے میں سورہ نجم میں آیہ شریفہ:

﴿ اَفَرَأَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴾

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ (مؤلف)

بخاریؒ نے فتح مکہ کے بعد خثعم کی اس عبادت گاہ کا ذکر کیا ہے جس میں مشرکین اس کی پرستش کرتے تھے اور اسے کعبہ مکہ کی ایک شاخ سمجھا اور کعبہ یمانیہ کہا جاتا تھا جب کہ کعبہ مکہ کو مشرکین عرب کعبہ شامیہ کہتے تھے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں:

یوسف بن موسیٰ اور ابواسامہ نے اسماعیل بن ابی خالد' قیس اور جریر کے حوالے سے بیان کیا کہ جریر سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم ذوالخلصہ کو ختم نہیں کرو گے؟''۔

جریر نے عرض کیا: ''ضرور''۔

اس کے بعد جریر کہتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ ڈیڑھ سو سوار لے کر یمن کے قبائل خثعم وبجیلہ کی طرف جانے لگے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ان سواروں کے بارے میں عرض کیا جو غیر تو بیت یافتہ تھے اور اس وجہ سے جریر کو ان کی کارکردگی پر بھروسہ نہیں تھا۔

جریر کہتے ہیں کہ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پر اس طرح رکھا کہ انہیں اپنے سینے میں اس کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اس کے بعد آپؐ نے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

''یا اللہ اسے ثابت قدم رکھنا اور اسے ہادی ومہدی بنا دینا''۔

جریر کہتے ہیں کہ اس کے بعد ان سواروں کی طرف سے کوئی کوتاہی دیکھنے میں نہیں آئی۔

جریر مزید بیان کرتے ہیں کہ ذوالخلصہ یمن میں ایک عمارت تھی جس میں خثعم اور حبیلہ کے بت نصب تھے جن کی وہ پرستش کرتے تھے اور اسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے۔ جریر نے اس عمارت کو پہلے منہدم کیا اور پھر جلا کر راکھ کر دیا۔

جریر کہتے ہیں کہ جب وہ یمن پہنچے تو انہیں وہاں ایک شخص ملا جو زمانہ جاہلیت کے عام دستور کے مطابق تیروں کے ذریعہ فال نکالا کرتا تھا۔

اس شخص نے جریر سے کہا:

''اگر تمہارا رسول واقعی اللہ کا رسول ہے تو جو تیر میں چلاؤں گا تمہاری گردن میں پیوست نہیں ہوگا''۔

چنانچہ جریر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اس شخص نے تیر چلایا تو اس کا نشانہ خطا ہو گیا۔

اس کے بعد جریر نے میان سے تلوار نکال کر اس شخص سے کہا

''اگر اب تو اشہد ان لا الہ الا اللہ نہیں کہے گا تو میں اس تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا''۔

بہر کیف جریر نے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا' مذکورہ بالا عمارت کو منہدم کرنے کے بعد اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔

جب جریر نے یمن سے لوٹ کر آنحضرت ﷺ کو اس عمارت کے انہدام واحتراق کی خوشخبری سنائی تو آپ نے ''بارک اللہ'' فرمایا اور ان کے ساتھی سواروں میں سے ہر ایک کو یکے بعد دیگرے پانچ پانچ بار مبارکباد دی۔

مسلمؒ نے یہ روایت متعدد ذرائع اور اسماعیل بن ابی خالد' قیس بن ابی حازم اور جریر بن عبداللہ البجلی کے حوالوں سے اسی طرح پیش کی ہے

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوق
۲] علامہ مجلسی
۳] علامہ اظہر حسین
۴] علامہ سید علی نقی
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید جار حسین
۱۲) بیگم و مرزا تو حید علی

۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید نظام حسین زیدی
۱۶) سیدہ ہما زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا محمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی

۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم

۳۷) محمد علی
۳۸) غلام سجاد بخش
۳۹) بیگم و سید شمشاد حسین